هٰذا بلٰغٌ للنّاس

تفسیر البلاغ

جلد: دوم

مولانا محمد رفیق حفظہ اللہ تعالیٰ

مکتبہ قرآنیات۔ لاہور

Marfat.com

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ (ابراہیم 14:52)
''یہ (اللہ کی طرف سے) ایک پیغام ہے، تمام لوگوں کے لیے''

تفسیر البلاغ

مولانا محمد رفیق مدظلہ العالی

جلد دوم
سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء

مکتبہ قرآنیات، لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

125749
جلد دوم

نام کتاب : تفسیر البلاغ (جلد دوم)

مترجم و مفسر : مولانا محمد رفیق مدظلہ العالی

ناشر : مکتبۂ قرآنیات، یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ،
اُردو بازار لاہور۔ پاکستان
موبائل: 0333-4399812 0321-7724032

طابع : روشن پریس، لاہور

اہتمام : حافظ تقی الدین

سن اشاعت : اکتوبر 2014ء

مکتبۂ قرآنیات۔ لاہور

Marfat.com

سُورَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ

نام:

قرآنی سورتوں کے نام اُن کے مضامین اور معانی کے لحاظ سے نہیں رکھے گئے بلکہ صرف پہچان اور علامت کے طور پر رکھے گئے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ کا نام اس لیے ہے کہ اس کی آیت 67 میں بقرہ یعنی ایک گائے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اسی طرح سورۃ الکوثر کا نام اس لیے ہے کہ اس میں کوثر یعنی جنت کی ایک نہر کا ذکر آیا ہے۔ یہی معاملہ اس سورت آل عمران کے نام کا ہے کہ اس کی آیت 33 میں آل عمران یعنی خاندانِ عمران کا ذکر آنے کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے جو کہ نبی اسرائیل کا ایک خاندان تھا۔

زمانۂ نزول:

اس سورت کا ابتدائی اور آخری حصہ غزوہ اُحد (شوال 3ھ) کے بعد نازل ہوا ہے لیکن درمیان کی 33 سے 148 تک کی آیتیں 9ھ میں اس موقع پر نازل ہوئیں جب نجران (عرب کا شہر) کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینے میں آیا تھا اور جس نے بعد میں اسلام قبول کرلیا تھا۔

سورت کے مضامین:

اس سورت میں زیادہ تر مسلمانوں کو اور اہل کتاب کے عیسائی گروہ کو خطاب کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ ایک بہترین امت ہونے کی حیثیت سے اب حق کی علم بردار ہے اور اُس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پہلے اپنی خامیاں اور کوتاہیاں دور کرے۔ پھر دوسروں کی اصلاح کا کام کرے، دنیا میں نیکی پھیلائے اور برائی کو روکے۔

عیسائیوں کو خطاب کرتے ہوئے ان کے مشرکانہ اور گمراہانہ عقیدوں کی اصلاح کی گئی ہے اور ان کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں کیونکہ صرف اسی صورت میں وہ آخرت میں نجات پاسکیں گے۔

یادرہے کہ سورۃ البقرۃ اور سورہ آلِ عمران میں اگرچہ اہل کتاب کے دونوں گروہوں سے خطاب ہے مگر سورۃ البقرۃ میں زیادہ تر یہودیوں اور سورۂ آل عمران میں خاص طور پر عیسائیوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

سورت کے فضائل:

صحیح حدیث میں سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کو اَلزَّاهْرَوَيْنِ (دو روشن اور جگمگاتی سورتیں) کہا گیا ہے اور وہ اپنے پڑھنے والوں کے حق میں قیامت کے دن شفاعت کریں گی۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

Marfat.com

((يُؤْتَى بِالْقُرْاٰنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَهْلِهِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ تَقْدُمُهٗ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَآلُ عِمْرَانَ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ ظُلَّتَانِ سُوْدَاوَانِ شَرْقٌ اَوْ كَاَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَآفَّ، تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا .)) (صحیح مسلم، رقم 1876، ترمذی، رقم 2883)

''قرآن اور اس پر عمل کرنے والوں کو قیامت کے دن لایا جائے گا۔ سورۃ البقرۃ اور آل عمران اس قرآن کی سورتوں کے آگے آگے ہوں گی۔ وہ دونوں ایسی ہوں گی جیسے دو سیاہ بادل، یا دو ایسے کالے سائبان جن کے درمیان روشنی ہوگی، گویا وہ پرندوں کے دو جھنڈ ہوں گے جو صف باندھے ہوئے ہوں گے اور وہ اپنے پڑھنے والوں کے حق میں شفاعت کے لیے جھگڑا اور دفاع کریں گے۔''

اٰیَاتُہَا — 200 | 3 ...... سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُہَا — 20

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿١﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿٢﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ﴿٣﴾
مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤﴾
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ﴿٥﴾
هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ
اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ

Marfat.com

الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ
الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا
يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا
وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ
جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۹﴾ ع ۱ ۹ ۹

(آل عمران: 1-9)

''الف، لام، میم، اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ اور سب کو سنبھالنے والا ہے۔ (اے نبی ﷺ) اُسی نے تھوڑی تھوڑی کر کے یہ کتاب آپ ﷺ پر نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کو سچ کر دکھانے والی ہے۔ اُسی اللہ نے توریت اور انجیل نازل کی جو اس سے پہلے لوگوں کے لیے ہدایت تھیں، اور آخر میں اللہ نے حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا قرآن نازل کیا۔ بے شک جن لوگوں نے اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا، اُن کے لیے سخت عذاب ہے۔ اللہ سب پر غالب اور بدلہ لینے والا ہے۔ بے شک اللہ سے کوئی شے چھپی نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ وہ جیسے چاہتا ہے تمہاری شکل وصورت بناتا ہے جب تم ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتے ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ (اے نبی ﷺ) اللہ نے آپ ﷺ پر وہ کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں جن کا مطلب واضح ہے، اور جو اصل کتاب کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور بعض آیتیں متشابہ ہیں جن کا مطلب واضح نہیں ہوتا۔ پھر جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہو، وہ متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ دین میں کوئی فتنہ کھڑا کریں اور اُن متشابہ آیتوں کا مطلب متعین کریں۔ حالانکہ اُن آیتوں کا مطلب ''اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لیے جو لوگ پختہ علم والے ہیں وہ کہتے ہیں ''ہم ایسی آیتوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور سبھی آیتیں ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔'' اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں، جو دعا کرتے ہیں ''اے ہمارے رب! تو نے ہمیں ہدایت فرمائی، اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں ٹیڑھ پیدا نہ کرنا۔ ہمیں اپنی خاص رحمت سے نوازنا! بے شک تو بہت دینے والا ہے۔ اے ہمارے رب! تیرا وعدہ سچا ہے تو ایک دن سب کو جمع کرے گا اور اس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ بے شک اللہ اپنے وعدے کی خلاف

Marfat.com

ورزی نہیں کرتا۔'' (1-9)

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

نَزَّلَ: ...... (اُس نے اُتارا)۔ اس کا مصدر تَنْزِیْلٌ ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے۔ اس کے برخلاف اَنْزَلَ (اُس نے اُتارا) میں یہ مفہوم نہیں پایا جاتا۔

اَلْکِتٰبَ: ...... اس جگہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔

بِالْحَقِّ: ...... (حق کے ساتھ) مراد یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو باتیں اور مضامین بیان ہوئے ہیں وہ سب حقیقت پر مبنی ہیں اور اُن میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں پایا جاتا۔

بَیْنَ یَدَیْہِ: ...... (اُس کے آگے) اس سے مراد وہ پہلی الہامی کتابیں ہیں جو قرآن سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔

اَلتَّوْرٰۃَ: ...... (توریت) یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی روشنی یا شریعت اور قانون کے ہیں۔ توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور اب دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے۔ اہل کتاب جن پانچ کتابوں کے مجموعے کو توریت کا نام دیتے ہیں وہ اصلی توریت نہیں ہے۔

اَلْاِنْجِیْلَ: ...... (انجیل) یہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی نئی تعلیم یا بشارت کے ہیں۔ یہ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جو بعد میں ناپید ہوگئی۔ آج عیسائی لوگ جن چار انجیلوں کو انجیل کہتے ہیں وہ نہ تو اصلی ہیں اور نہ اللہ کا کلام۔

ذُو انْتِقَام: ...... (ن ق م) اس کے معنی ہیں: انتقام یا بدلہ لینے والا، کسی جرم یا گناہ پر سزا دینے والا۔

یُصَوِّرُکُمْ: ...... (ص و ر) اس کے معنی ہیں: ''وہ تمہاری شکل وصورت بناتا ہے۔'' اس کا مصدر تصور ہے جس کا مطلب ہے ایسی شکل یا صورت بنانا جس کا پہلے سے کوئی وجود یا ڈیزائن موجود نہ ہو۔

اَلْاَرْحَامِ: ...... یہ رِحْمٌ کی جمع ہے جس کے معنی بچہ دانی کے ہیں اور یہ عورت کے جسم کا وہ حصہ ہوتا ہے جس میں بچہ (جنین) پیدا ہوتا ہے۔ مجازی طور پر اس لفظ سے مراد رشتہ دار بھی ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایک ہی رحم سے پیدا ہوئے ہوتے ہیں۔

اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ: ...... (محکم یا پختہ آیات)۔ یہ قرآن کی ایک اصطلاح ہے۔ جس سے اُس کی وہ آیات مراد ہوتی ہیں جن کا مطلب بالکل صاف اور واضح ہوتا ہے۔

اُمُّ الْکِتٰبِ: ...... (کتاب کی ماں، کتاب کی اصل، کتاب کی جڑ) یہ قرآن کی محکم آیات کے بارے میں ہے کہ وہ درحقیقت قرآن کی ساری تعلیم کی بنیاد اور اصل ہیں۔ اس کے علاوہ لوحِ محفوظ کو بھی اُمُّ الْکِتَابِ کہا گیا ہے کیونکہ وہ بھی تمام علوم کا سرچشمہ ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَ عِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ﴾ (الرعد: 13 : 39)

Marfat.com

''اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ اصل کتاب اُسی کے پاس ہے۔''

مُتَشٰبِهٰتٌ: ...... یہ متشابہ کی جمع ہے جس سے قرآن کی ایسی آیات مراد ہیں جن کا مطلب متعین نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے الٓمّٓ وغیرہ۔ متشابہات کے مقابل میں محکمات کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

زَیْغٌ: ...... (ٹیڑھ، ٹیڑھا پن، کجی) اس کے اصلی معنی ایک طرف جھکنے اور انحراف کے ہیں۔ اس جگہ اس سے مراد ہے حق سے انحراف کرنا، سیدھا ہونے کی بجائے ٹیڑھا ہونا۔

تَاْوِیْل: ...... (ءول) اس کے معنی ہیں: اصل حقیقت، صحیح تعبیر۔ یہ اول سے بنا ہے جس کے لفظی معنی ہیں اصل کی طرف رجوع کرنا۔

اَلرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ: ...... (علم میں پختہ اور مضبوط) اس کے معنی ہیں: وہ لوگ جو رسوخ فی العلم رکھتے ہیں۔ مراد ہیں اہل علم، فقہاء اور مجتہدین۔

مِنْ لَّدُنْکَ: ...... اس کے معنی ہیں: مِنْ عِنْدِکَ تیرے پاس سے۔ (تیرے پاس سے، تیری طرف سے) گویا لَدُنْ کے معنی عِنْدَ کے ہیں۔

اَلْوَھَّابُ: ...... یہ وَھَبَ یَھَبُ (دینا، عطا کرنا) سے بنا ہے۔ اس کا اسم فاعل وَاھِبٌ (دینے والا) ہے اور اسی سے یہ مبالغے کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں بہت زیادہ عطا کرنے والا۔ یہ اسمائے حسنٰی میں سے بھی ہے۔

لِیَوْمٍ: ...... اس کے معنی ہیں: فِیْ یَوْمٍ (اُس دن میں)

﴿الٓمّٓ ۝۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝۲﴾ (آل عمران: 1-2)

اس سورت کا آغاز بھی سورۃ البقرۃ اور بعض دوسری سورتوں کی طرح الٓمّٓ کے حروف مقطعات سے ہوا ہے۔ ان کے بارے میں ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ ان کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ سامعین کو قرآن کی طرف متوجہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حروف ہمیشہ سورتوں کے شروع ہی میں آئے ہیں اور عام طور پر ان کے بعد قرآن ہی کا ذکر ہے۔ جیسے:

(۱)...... ﴿یٰسٓ o وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ o﴾ (یٰسٓ 36: 1-2)

''یاسین۔ قسم ہے قرآن حکیم کی۔''

(۲)...... ﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ o﴾ (الحجر 15: 1)

''الف، لام، را۔ یہ آیتیں ہیں اُس کتاب کی جو واضح قرآن ہے۔''

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ (البقرۃ: 255)

اس کی تفسیر سورۃ البقرۃ کی آیت 255 (آیت الکرسی) کے تحت گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

﴿نَزَّلَ عَلَیْكَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ۝۳

Marfat.com

مِنۡ قَبۡلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ ؕ﴾ (آل عمران: 3-4)

فرمایا چونکہ اللہ تعالیٰ حیٌّ و قیوم ہے۔ زندہ اور ہر چیز کو سنبھالنے والا ہے۔ اس لیے اس نے انسان کی زندگی اور اس کے قیام و بقا کے لیے بھی ہر ضرورت پوری کر دی۔ ضرورتیں دو تھیں مادی وجسمانی اور عقلی و روحانی۔ پہلی کے لیے روزی کا سامان کیا دوسری کے لیے وحی اور کتاب نازل فرمائی۔ اسی نے نبی ﷺ پر یہ قرآن نازل کیا۔ تا کہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ سب سچی ہیں اور حقیقت پر مبنی ہیں۔ اس سے پہلے بھی اللہ سبحانہٗ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے توریت اور انجیل نامی کتابیں اتاری تھیں جو بالترتیب موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں۔ قرآن بھی ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ کتابیں واقعی اللہ تعالیٰ نے نازل کی تھیں مگر بعد میں اُن کے بدبخت پیروکاروں نے ان کو بالکل بدل کر رکھ دیا۔ اب قرآن کے نازل ہو جانے کے بعد وہ کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ قرآن حکیم کی یہ صفت اور خوبی ہے کہ وہ فرقان ہے جو حق اور باطل کا، حلال اور حرام کا، اور جائز اور ناجائز کا فرق بتاتا ہے اور ان کو کھول کر واضح کرتا ہے۔

ہماری رائے میں اس جگہ قرآن ہی کو فرقان کہا گیا ہے جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا ۙ﴾ (الفرقان 25: 1)

''بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان یعنی قرآن نازل کیا تا کہ وہ سارے جہان والوں کو خبردار کر دے۔''

اس مقام پر بعض لوگوں نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا ہے اس لیے اس کے لیے نَـزَّلَ (اس نے نازل کیا) کا لفظ آیا ہے اور توریت اور انجیل ایک ہی مرتبہ پوری کی پوری نازل ہوئی تھیں اس لیے اُن کے لیے اَنۡزَلَ (اُس نے نازل کیا) کا لفظ آیا ہے۔

لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ نکتہ آفرینی محض ایک تکلف ہے ورنہ عربی زبان میں نَـزَّلَ (باب تفعیل) بھی اَنۡـزَلَ (باب افعال) کے معنوں میں آ جاتا ہے۔ خود قرآن مجید میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

سورۃ الانعام میں ہے کہ:

﴿وَ قَالُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ عَلَیۡهِ اٰیَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ﴾ (الانعام 6: 37)

''اور انہوں نے (کافروں نے) کہا: کیوں اس (نبی ﷺ) پر اُس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی نہیں اُتاری گئی؟''

ظاہر ہے کوئی نشانی یا معجزہ ایک ہی دفعہ نازل ہو سکتا تھا۔ اسی طرح سورۃ الفرقان میں ہے کہ:

﴿وَقَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَةً وَّاحِدَةً ۚ﴾ (الفرقان 25: 32)

''اور کافروں نے کہا: اس شخص (نبی ﷺ) پر ایک ہی دفعہ پورا قرآن کیوں نہیں اُتارا گیا؟''

Marfat.com

بلکہ خود قرآن کے لیے بھی اَنْزَلَ اور اُنْزِلَ کا فعل اکثر استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ یوسف کے آغاز میں ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (یوسف 12: 2)

''بے شک ہم نے یہ عربی قرآن نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو۔''

ایک اور مقام پر بھی فرمایا:

﴿مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى﴾ (طٰہٰ 20: 2)

''(اے نبی ﷺ) ہم نے آپ ﷺ پر یہ قرآن اس لیے نہیں نازل کیا کہ آپ ﷺ مشقت میں پڑ جائیں۔''

اس کے علاوہ مشہور ماہر لغت علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر الکشاف میں سورۃ الفرقان کی آیت 32 کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

نُزِّلَ هاهُنا بمعنى اُنْزِلَ لا غَيْرَ، كَخُبِّرَ وَاُخْبِرَ، اس جگہ نُزِّلَ کے معنی اُنْزِلَ ہی ہیں جیسے خُبِّرَ اور اُخْبِرَ ایک ہی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ (آل عمران: 4)

ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تو انسانوں کو ہدایت اور رہنمائی کے لیے کتابیں بھیجیں۔ مگر کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نازل کی ہوئی کتابوں کی آیتوں کو اور اُن کے اندر درج احکام و ہدایت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور کفر و سرکشی اختیار کی۔ ایسے لوگوں کو دنیا کے علاوہ آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ہرگز نہ بچ سکیں گے۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ زبردست اور غالب ہے۔ وہ برے لوگوں کو اُن کی برائیوں کا بدلہ دینے کی پوری طاقت اور پورا اختیار رکھتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ﴾ (آل عمران: 5)

یہ وعید اور ڈراوے کے انداز میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے، خواہ وہ زمین میں ہو، یا آسمان میں، کائنات کی ہر شے اس کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ زمین کا ذکر پہلے آیا ہے کیونکہ مخاطب لوگ اسی پر رہتے ہیں۔

بالکل یہی مضمون سورہ ابراہیم علیہ السلام میں بھی بیان ہوا ہے:

﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَ مَا نُعْلِنُ وَ مَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ﴾ (ابراھیم 14: 38)

اے ہمارے رب! تو ہمارا ظاہر و باطن جانتا ہے۔ اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔''

Marfat.com

گویا اللہ سبحانہٗ ہر چھوٹی بڑی، ظاہر اور پوشیدہ شے کو دیکھتا ہے۔ وہ لوگوں کے تمام اعمال بھی دیکھ رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس میں کوئی مخلوق اس کی شریک نہیں ہوسکتی۔ صرف وہی غیب کا علم رکھنے والا عالم الغیب اور ہر بات سننے اور دیکھنے والا السمیع وبصیر ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝﴾

(آل عمران : 6)

''فرمایا، وہی اللہ ہے، جو جیسے چاہتا ہے تمہاری شکل وصورت بناتا ہے اُس وقت جب تم اپنی ماں کے رحم اور پیٹ میں ہوتے ہو۔ پھر کسی کو لڑکا، کسی کو لڑکی، کسی کو خوب صورت اور کسی کو بد صورت بنا دیتا ہے۔''

یہ سب کچھ اتفاقاً اور خود بخود (BY CHANCE) نہیں ہو جاتا بلکہ اس کام کو وہ ذات سرانجام دیتی ہے جو ہر شے کی خالق ہے، ہر چیز کو جانتی ہے، جو المصور (الحشر 59 : 24) ہے، جو سب پر غالب ہے، جو ایسا حکیم ہے جس کے ہر کام میں گہری حکمت اور دانائی ہوتی ہے۔

پھر ظاہر ہے کہ جو خالق ہے اُسے ہی معبود ہونا چاہیے۔ جو خالق اور پیدا کرنے والا نہیں وہ معبود اور عبادت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے؟

پھر جس حَیٌّ قَیُّوْمٌ اور خالق نے انسان کو اُس کے پیدا ہونے سے پہلے اچھی شکل وصورت عطا کی، کیا وہ انسان کی روحانی زندگی کے لیے ہدایت ورہنمائی کی کوئی صورت نہ نکالے گا؟

﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ﴾

(آل عمران : 7)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر قرآن نازل کیا ہے جس میں دو طرح کی آیتیں ہیں: محکمات اور متشابہات۔

محکمات (محکمہ کی جمع) سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کی حقیقت کو انسانی عقل سمجھ سکتی ہے اور جن کے معنی واضح طور پر آسانی سے متعین ہو جاتے ہیں۔ جیسے:

﴿وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (البقرۃ: 2: 163)

''اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔''

یا جیسے:

﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى﴾ (بنی اسرائیل 17 : 32)

''اور زنا کے قریب نہ جاؤ۔''

Marfat.com

فرمایا یہ محکم آیات ہی ام الکتاب (اصل کتاب) ہیں۔ گویا کتاب کا اصل مقصد ہیں۔ جیسے توحید و رسالت، امر و نہی، حلال وحرام وغیرہ۔ انہی پر شریعت کی بنیاد ہے اور صرف ان کے بارے میں آخرت میں حساب ہوگا اور جزا و سزا ہوگی۔

متشابہات (متشابہ کی جمع) سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کی اصل حقیقت کو حواس کے ذریعے معلوم نہیں کیا جا سکتا، ان کو انسانی عقل سمجھ نہیں سکتی اور جن کے معنی متعین نہیں کیے جا سکتے۔ وہ عقل کے خلاف نہیں ہیں مگر عقل سے بلند اور ماوراء ہیں۔ اُن پر ایمان لانا کافی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی﴾ (طٰہٰ 20: 5)

"رحمان عرش پر قائم ہے۔"

اب ظاہر ہے کہ ہماری عقل اس کیفیت کو سمجھ نہیں سکتی کہ اللہ تعالیٰ عرش پر کس طرح قائم ہے۔

ایک اور جگہ پر فرمایا گیا:

﴿یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ﴾ (الفتح 48: 10)

"اُن کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے۔"

مگر ہم نہیں جانتے کہ اللہ کا ہاتھ کیسا ہے اور وہ کس طرح دوسروں کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا ہے۔

﴿فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَہَ مِنۡہُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَۃِ وَ ابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِہٖ ۚ وَ مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ ۘ وَ الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِہٖ ۙ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝﴾ (آل عمران: 7)

"فرمایا، پھر جن لوگوں کے دل و دماغ میں ٹیڑھ اور کجی ہوتی ہے اور جو فتنہ پرور ہوتے ہیں وہ ہمیشہ متشابہ آیات کے پیچھے چلتے ہیں اور ان کے معنی متعین کرنے کی ناکام کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ دین کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔ قرآنی آیات کی من مانی اور غلط تاویلیں کرتے ہیں تا کہ کوئی نیا فتنہ کھڑا کر سکیں اور اپنا ذاتی مفاد حاصل کر لیں۔ حالانکہ متشابہات کا صحیح مفہوم اور ان کی اصل حقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔"

لیکن اس بارے میں صحیح اہل علم کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں قسم کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ سب اللہ سبحانہٗ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ یہ حضرات محکمات کو سمجھنے کے بعد ان پر عمل کرتے ہیں اور متشابہات کے پیچھے نہیں پڑتے اور نہ اُن کے معنی متعین کرنے کی فضول اور ناکام کوشش کرتے ہیں۔ مگر یہ طریقہ اور رویہ صرف ان انسانوں کو نصیب ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے صحیح عقل، سمجھ اور بصیرت عطا کی ہوتی ہے اور وہ اس سے کام بھی لیتے ہیں۔

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ہَدَیۡتَنَا وَ ہَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَہَّابُ ۝﴾

(آل عمران: 8)

Marfat.com

''فرمایا، اہل علم اور مومنین خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کو زندگی کے ہر موڑ پر ہدایت پر قائم رکھے اور ہر قسم کی گمراہی سے بچائے۔''

ان کو قرآن مجید کے محکمات سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ متشابہات پر ایمان لانے کی توفیق دے۔ اپنی عقل کے ذریعے ان کے معنی متعین کرنے کی غلط راہ سے بچائے۔ ان کے دلوں کو سیدھا رکھے اور اُن میں ٹیڑھ پیدا نہ ہونے دے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کچھ لوگ ہدایت پا لینے کے بعد بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔ انسانی تاریخ میں دوسری قوموں کے علاوہ یہودیوں اور عیسائیوں کی مثالیں موجود ہیں جو ہدایت موجود ہونے کے باوجود گمراہ اور مغضوب ہوئے۔ سورۃ الفاتحہ کے الفاظ ''اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ'' اور ''اَلضَّآلِّیْنَ'' میں خاص طور پر انہی دو گروہوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اسی طرح کوئی فرد بھی ہدایت پانے کے بعد گمراہ ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات اسلام لانے کے بعد بھی کئی لوگ مرتد ہو جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

جیسا کہ ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

﴿اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الجاثیة 45: 23)

''کیا تم نے ایسے شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا! اور اللہ نے اس کے علم کے باوجود اسے گمراہی میں ڈال دیا۔ اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی، اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا! ایسے شخص کو کون ہدایت دے سکتا ہے جسے اللہ نے گمراہ کر دیا ہو! کیا تم دھیان نہیں کرتے؟''

﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝﴾ (آل عمران: 9)

یہ بھی اہل علم اور اہل ایمان کی دعا کا حصہ ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے کہ اے ہمارے رب! بے شک تو قیامت کے دن تمام لوگوں کو حساب کے لیے جمع فرمائے گا۔ یہ تیرا وعدہ ہے جو تو نے اپنے نبیوں اور اپنی کتابوں کے ذریعے سب لوگوں سے کر رکھا ہے اور یقیناً تو اپنا یہ وعدہ پورا کر کے رہے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ﴾ (الزمر 39: 20)

''(آخرت کا) یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ

Marfat.com

مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ
شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَتُحۡشَرُوۡنَ اِلٰى
جَهَنَّمَ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدۡ كَانَ لَكُمۡ اٰيَةٌ فِىۡ فِئَتَيۡنِ الۡتَقَتَا ؕ فِئَةٌ
تُقَاتِلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَاُخۡرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوۡنَهُمۡ مِّثۡلَيۡهِمۡ رَاۡىَ
الۡعَيۡنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً
لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ ﴿۱۳﴾

(آل عمران: 10 تا 13)

”جو لوگ کافر ہوئے انہیں اللہ کے عذاب سے نہ اُن کا مال بچا سکے گا اور نہ اُن کی اولاد۔ وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ ان کا انجام وہی ہوگا جو فرعون والوں کا اور اُن سے پہلے والوں کا ہوا۔ ان سب نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں پکڑ لیا۔ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

(اے نبی ﷺ) ان کافروں سے کہہ دیں تم جلد مغلوب ہو جاؤ گے اور تمہیں ایک دن جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔

تمہارے لیے نشانی ہے (بدر کے واقعے میں) جب دو لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا۔ دوسرا گروہ کافروں کا تھا۔ لڑائی کے وقت کافروں نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا تو ان کو اپنے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد دگنی نظر آئی۔ اللہ جسے چاہتا ہے فتح و نصرت عطا کرتا ہے۔ اس واقعے میں ان لوگوں کے لیے سبق ہے جو آنکھیں رکھنے والے ہیں۔“

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

تُغۡنِیَ: ...... یہ اَغۡنٰی یُغۡنِیۡ سے ہے اور اس کے معنی ہیں کام آنا، فائدہ دینا۔ (تَنۡفَعُ)۔

مِنَ اللّٰهِ شَيۡئًا: ...... اس کے معنی ہیں عِنۡدَ اللّٰهِ شَيۡئًا (اللہ کے ہاں کچھ)۔

دَاۡب: ...... یہ دَ ءَ بَ سے ہے جس کے اصل معنی کوشش کرنے اور محنت و مشقت کرنے کے ہیں۔ پھر یہ لفظ روش، عادت، کام اور طریقے کے معنوں میں استعمال ہونے لگا اور اس جگہ یہی معنی مراد ہیں۔

Marfat.com

اَلْمِهَادُ:......اس کے معنی ہیں بستر، ٹھکانا۔

عِبْرَۃً: ......اس کے اصل معنی ہیں کسی ایک حقیقت سے دوسری حقیقت تک عبور کر جانا، یا کسی ایک شے کا علم ہونے سے دوسری شے خود معلوم کر لینا۔ پھر اس کے معنی سبق (LESSON)، یا سبق حاصل کرنے کے ہو گئے۔

اُولِی الْاَبْصَار:......(آنکھوں والے) اس سے مراد ہے بصیرت والے، عقل والے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝﴾ (آل عمران : 10)

’’یہ دھمکی کے انداز میں فرمایا کہ آج کافروں کو اپنے جس مال و دولت، اولاد اور افرادی قوت پر بڑا ناز اور غرور ہے اور جس کی محبت کی وجہ سے وہ دینِ حق کو ٹھکرا رہے ہیں، قیامت کے دن ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے کچھ کام نہ آئے گی۔ وہاں ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے اور آگ میں جلیں گے۔‘‘

اسی مضمون کی نظیر یہ آیت ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ﴾ (آل عمران 3: 116)

’’بے شک جو لوگ کافر ہو گئے، اُن کو اللہ کی پکڑ سے نہ اُن کا مال بچائے گا اور نہ اُن کی اولاد۔ وہ دوزخی ہیں، ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔‘‘

اسی بات کی دوسری نظیر سورۃ المجادلہ میں بھی ہے:

﴿لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ﴾ (المجادلہ 58: 17)

’’اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے اُن (کافروں) کے مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔ یہی لوگ دوزخی ہیں۔ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔‘‘

﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰہُ بِذُنُوْبِھِمْ ۭ وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝﴾ (آل عمران : 11)

’’فرمایا، ان کافروں کا حال بھی فرعون کی قوم اور اُس سے پہلی قوموں جیسا ہے۔ جنھوں نے دنیا کی محبت میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور نشانیوں کو جھٹلایا۔ پھر اُن کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو عذاب میں پکڑا۔ اللہ سبحانہٗ نافرمانوں کو ان کی نافرمانی پر سخت عذاب میں پکڑتا ہے۔‘‘

اس لیے جو لوگ بھی اللہ کی آیتوں کا مقابلہ کریں گے اور کفر و سرکشی اختیار کریں گے ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو

Marfat.com

فرعون کی قوم کا ہوا۔

اس آیت کی نظیر سورۃ الانفال کی یہ آیت ہے:

﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنِ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝﴾ (الانفال 8: 52)

”ان (کافروں) کا حال فرعون والوں جیسا ہے اور اُن جیسا ہے جو اُن سے بھی پہلے ہو گزرے۔ انہوں نے بھی اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا۔ پھر اللہ نے ان کے گناہوں پر انہیں پکڑا۔ بے شک اللہ بڑی قوت والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔“

یہی مضمون ایک اور جگہ اسی طرح بیان ہوا ہے:

﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝﴾ (المؤمن 40: 21)

”کیا وہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے اُن لوگوں کا کیا انجام ہوا جو اِن سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ اِن سے زیادہ تھے طاقت میں بھی اور اثرات کے اعتبار سے بھی جو انہوں نے زمین پر چھوڑے۔ مگر اللہ نے اُن کے گناہوں پر اُنہیں پکڑ لیا۔ پھر کوئی انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہ تھا۔“

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝١٢﴾

(آل عمران: 12)

اس آیت کا اور اس سے اگلی آیت کا اصل خطاب مدینے کے یہودیوں سے ہے کیونکہ اِن آیتوں کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو یہودیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) کو معلوم ہونا چاہیے کہ انہوں نے قریش پر فتح پائی ہے جو لڑائی نہیں جانتے تھے، لیکن اگر ان کا ہم سے مقابلہ ہوا تو پھر پتہ چل جائے گا کہ ہم کتنے بڑے جنگجو لوگ ہیں۔

”فرمایا، اِن یہودی کافروں سے کہہ دیجیے جن کو اپنی طاقت پر بڑا ناز اور غرور ہے کہ تم بہت جلد مغلوب ہو جاؤ گے اور شکست کھاؤ گے۔ مسلمان تم پر غالب آئیں گے۔ پھر قیامت کے دن تمہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا اور وہ کوئی آرام کی جگہ نہیں ہے بلکہ عذاب کا مقام ہے۔“

اسی طرح کا مضمون کفار کے بارے میں بھی سورۃ الانفال میں اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ

Marfat.com

عَلَيۡهِمۡ حَسۡرَةً ثُمَّ يُغۡلَبُوۡنَ ۙ۬ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحۡشَرُوۡنَ ۙ﴾(الانفال 8: 36)

''بے شک کافر اپنا مال خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔ وہ خرچ کرتے رہیں گے۔ پھر یہ اُن کے لیے پشیمانی کا باعث بنے گا۔ وہ مغلوب ہوں گے۔ پھر ان کو دوزخ کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔''

بعد کی جنگوں کے حالات نے ٹھیک ٹھیک ثابت کر دیا کہ قرآن مجید نے یہودیوں اور کفار ومشرکین کی شکست اور مغلوبیت کے بارے میں جو پیش گوئی فرمائی تھی، وہ کچھ ہی عرصہ بعد حرف بحرف پوری ہوگئی۔

﴿قَدۡ كَانَ لَـكُمۡ اٰيَةٌ فِىۡ فِئَتَيۡنِ الۡتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَاُخۡرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوۡنَهُمۡ مِّثۡلَيۡهِمۡ رَاۡىَ الۡعَيۡنِ ؕ﴾ (آل عمران: 13)

فرمایا، جنگ بدر کا واقعہ کفار ومشرکین اور اسلام دشمنوں کے لیے عبرت کا پہلا واقعہ ہے۔ جب دو گروہوں...... کافروں اور مسلمانوں...... کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ کفار کا لشکر ایک ہزار (1000) کی تعداد میں تھا، جب کہ مسلمان صرف تین سو تیرہ (313) تھے۔ جنگی وسائل وسامان کے لحاظ سے کافروں کو مسلمانوں پر برتری حاصل تھی۔ لیکن اس کے باوجود کافروں نے شکست کھائی اور مسلمانوں نے فتح پائی۔ لہٰذا مدینے کے یہودیوں کے لیے خاص طور پر اور عام آنکھیں رکھنے والے اہل بصیرت لوگوں کے لیے عمومی طور پر ایک سبق آموز اور عبرت انگیز واقعہ تھا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی اُس قدرت کا ظہور ہوا تھا کہ وہ اپنی غیبی مدد کے ذریعے چھوٹے لشکر کو کس طرح فتح عطا فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿كَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ﴾ (البقرة 2: 249)

''کتنے ہی چھوٹے لشکروں نے اللہ کے حکم سے بڑے لشکروں پر فتح پائی!''

بدر کے اس واقعے میں یہودیوں کے علاوہ قریش اور دوسرے مشرکین ومنافقین جیسے اسلام دشمنوں کے لیے یہ پیغام تھا کہ آیندہ وہ کبھی بھی دینِ حق کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکیں گے، اس لیے اُن کو کفر سے اور اسلام دشمنی سے باز آ جانا چاہیے اور اسلام کو دل وجان سے قبول کر لینا چاہیے۔ اسی میں اُن کے لیے خیر اور بھلائی ہے۔

پھر اس موقع پر اللہ سبحانہٗ نے اپنی یہ قدرت بھی ظاہر فرمائی کہ جنگ کے شروع میں مسلمانوں کو کافر لوگ تعداد میں کم اور کافروں کو مسلمان لوگ تعداد میں زیادہ دکھائی دیے جس کا فائدہ یہ ہوا کہ جب ہر لشکر کو دوسرا لشکر چھوٹا اور تھوڑا نظر آیا تو ان میں ایک دوسرے سے لڑنے کا حوصلہ پیدا ہو گیا اور خوب جنگ ہوئی۔

سورۃ الانفال میں اسی صورتِ حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ:

﴿اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الۡقُصۡوٰى وَالرَّكۡبُ اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ ؕ وَلَوۡ تَوَاعَدْتُّمۡ لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِى الۡمِيۡعٰدِ ۙ وَلٰـكِنۡ لِّيَقۡضِىَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ۙ۬ لِّيَهۡلِكَ مَنۡ هَلَكَ عَنۡۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحۡيٰى مَنۡ حَىَّ عَنۡۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۙ اِذۡ يُرِيۡكَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ مَنَامِكَ

Marfat.com

قَلِيلًا ۚ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۗ اِنَّهٗ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ ○ وَ اِذْ يُرِيكُمُوهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُورُ ○﴾ (الانفال 8: 42 تا 44)

''اُس وقت تم وادی کے قریبی کنارے پر تھے اور کافر دور کے کنارے پر تھے۔ اُن کا تجارتی قافلہ تمہارے نیچے کی طرف تھا۔ اگر تم اور تمہارا دشمن لڑنے کا وقت مقرر کرتے تو ضرور اس بارے میں تمہارا اختلاف ہو جاتا۔ لیکن جو کچھ ہوا اس لیے ہوا تا کہ اللہ اپنا ایک طے شدہ کام کر دکھائے۔ تا کہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ روشن دلیل دیکھنے کے بعد ہلاک ہو، اور جسے زندہ رہنا ہے وہ بھی روشن دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ جب اللہ نے تمہارے خواب میں دشمن کی تعداد کم کر کے دکھا دی۔ اگر وہ ان کی زیادہ تعداد دکھا دیتا تو تم لوگ ہمت ہار جاتے اور جنگ کرنے کے بارے میں اختلاف کرتے۔ لیکن اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ بے شک وہ دلوں کا حال جانتا ہے۔ (مسلمانو!) یاد کرو جب اللہ نے تمہاری نظر میں کافروں کو کم کر کے دکھایا، اور تمہیں کافروں کی نگاہ میں کم کر کے دکھایا، تا کہ اللہ اُس معاملے کا فیصلہ کر دے جس کا ہونا طے تھا۔ اور سارے معاملے اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔''

﴿وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾﴾ (آل عمران: 13)

''فرمایا، اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کی مدد فرماتا ہے۔ کبھی ظاہری اسباب سے اور کبھی باطنی ذرائع سے، اور کبھی، ظاہری و باطنی دونوں وسائل سے۔''

غزوہ بدر (2ھ) میں اللہ سبحانہٗ نے ظاہری اور مادی اسباب کے ذریعے مسلمانوں کی یوں مدد فرمائی کہ:

1۔ اسی رات کو بارش ہوگئی جس سے مسلمانوں کے لشکر کو بہت فائدہ ہوا اور مشرکین کے لشکر کو نقصان پہنچا۔ مسلمان بلند جگہ پر تھے اور بارش سے وہاں کی زمین کی ریت بیٹھ گئی جس سے چلنا پھرنا آسان ہو گیا۔ مگر مشرکین کے لشکر کی جگہ نشیب میں نیچے تھی جہاں بارش سے کیچڑ اور دلدل ہو جانے کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل ہو گیا تھا۔

2۔ قریش کے لشکر میں نا اتفاقی تھی اور مسلمانوں میں اتفاق تھا۔ قریش کا ایک سردار عتبہ لڑنے پر راضی نہ تھا۔ اس کے علاوہ قبیلہ زہرہ کے مشرکین بدر تک آ کر واپس لوٹ گئے تھے۔

3۔ قریش مکہ نے جنگ میں صف بندی نہیں کی تھی جب کہ نبی ﷺ نے اپنے لشکر کی صف بندی فرمائی تھی جس سے جنگ میں کامیابی حاصل ہوئی۔

4۔ مسلمان رات کو اطمینان سے سوئے تھے اور صبح جنگ لڑنے کے لیے تازہ دم تھے۔ جب کہ مشرکین رات گئے تک موج میلے اور شراب نوشی میں مشغول رہے۔ وہ بہت کم سوئے اور اسی حالت میں صبح کو لڑے تھے۔

Marfat.com

اس کے علاوہ باطنی اور روحانی طور پر اللہ کریم نے اہل ایمان کی مدد اس طرح فرمائی کہ فرشتوں کا لشکر اُن کی مدد کے لیے بھیجا جنھوں نے باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا۔ پھر مسلمانوں نے جذبۂ ایمانی اور شوقِ شہادت سے یہ جنگ لڑی تھی جس میں اُن کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ جس کی چاہے مدد اور نصرت فرما سکتا ہے۔ لیکن وہ صرف اپنے اُن بندوں کی غیبی مدد فرماتا ہے جو اُس پر ایمان رکھتے، اُس کی فرمانبرداری کرتے اور اس پر توکل اور بھروسا کرتے ہیں۔

اور غزوہ بدر کے واقعے میں اہل بصیرت اور سمجھ دار لوگوں کے لیے سبق ہیں، جیسے:

1۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی چھوٹے لشکر کو بڑے لشکر پر فتح دے دیتا ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کا حامی و ناصر ہے وہ ہر حال میں اُن کی مدد فرماتا ہے۔ غزوہ بدر میں اللہ سبحانہٗ نے فرشتوں کے لشکر کی کمک کے ذریعے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔

3۔ صرف مادی وسائل اور اسلحے کی فراوانی جنگ میں کامیابی کی ضمانت نہیں ہے۔ اس کے لیے مضبوط کردار، بلند حوصلہ (MORALE) اور یقین کی ضرورت ہوتی ہے۔

4۔ مسلمانوں کو کفار کی طاقت سے کبھی مرعوب نہیں ہونا چاہیے اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے جہاد جاری رکھنا چاہیے۔ اسی میں ان کے لیے کامیابی اور عزت و وقار ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو دنیا میں ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت میں پکڑے جائیں گے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿١٤﴾

(آل عمران: 14)

''لوگوں کے لیے جن خواہشوں کی محبت خوش نما بنا دی گئی، وہ ہیں: عورتیں، بیٹے، سونے چاندی کے ڈھیر، نشان والے اعلیٰ گھوڑے، مویشی اور کھیتی۔ مگر یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے، اور اللہ کے ہاں اچھا ٹھکانا ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیت کی تفسیر:

زُيِّنَ:...... (ز ی ن) زینت دی گئی، خوش نما بنا دیا گیا۔

اَلنَّاسُ:...... اس سے عام طور پر رِجَالٌ (مرد) مراد ہوتے ہیں کیونکہ زندگی میں اصل مؤثر (EFFECTIVE) وہی ہیں۔ اسی طرح لفظ قَوْمٌ (لوگ، قوم) سے بھی عموماً میں قَوْم کا لفظ نِسَآءٌ (عورتوں) کے مقابل میں صرف مردوں

Marfat.com

کے لیے آیا ہے۔ بہت سی صحیح احادیث میں بھی اَلنَّاسُ اور قَوْمٌ کے الفاظ سے صرف مرد ہی مراد لیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر غزوہ خندق کے موقع پر نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کون ہے جو دشمن کے لشکر کے بارے میں میرے پاس خبر لائے؟

((مَنْ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟.)) (صحیح بخاری، رقم: 2846، صحیح مسلم، رقم: 6243)

''کون ہے جو (دشمن) قوم (مردوں) کے بارے مجھے خبر لا کر دے؟''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أُمِرْتُ اَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ...... .)) (صحیح بخاری، رقم: 2946، صحیح مسلم، رقم: 124)

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں (مردوں) سے لڑوں......۔''

قرآن مجید کے اس مقام پر بھی موقع دلیل ہے کہ اَلنَّاسُ کا لفظ مردوں کے لیے استعمال ہوا ہے کیونکہ آگے ساتھ ہی اَلنِّسَاءُ (عورتیں) کا لفظ ان کے مقابل میں آ گیا ہے۔ البتہ بعض اوقات اَلنَّاسُ اور قَوْمٌ دونوں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی تبعًا (ضمنی طور) پر شامل ہوتی ہیں۔

اَلشَّهَوٰتِ: ......(خواہشیں، خواہشات) اس کا واحد شَهْوَةٌ ہے جس کے معنی خواہش، یا مرغوب اور پسندیدہ چیز کے ہیں اور اس جگہ یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔

اَلْقَنَاطِيْرِ: ...... یہ جمع ہے قِنْطَارٌ کی جس کے معنی ہیں: ڈھیر، انبار، زیادہ مال و دولت۔ مالِ کثیر۔

اَلْمُقَنْطَرَةِ: ......اس کے معنی ہیں ڈھیر کیے ہوئے، ڈھیر لگائے گئے، ڈھیروں۔ اَلْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ (ڈھیروں ڈھیر) اسی طرح کی ترکیب ہے جیسے دَرَاهِمَ مُدَرْهَمَةٍ (درہموں کے ڈھیر) کی ترکیب استعمال ہوتی ہے۔

اَلذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ: ......اس کے معنی ہیں سونا اور چاندی۔

اَلْمُسَوَّمَةِ: ......(نشان زدہ، نشان لگائے ہوئے): یہ سَوْمَةٌ (س م) سے ہے جس کے معنی علامت یا نشان کے ہیں۔

اَلْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ: ......(نشان والے گھوڑے) سے مراد ایسے گھوڑے ہیں جو اعلیٰ نسل کے ہوں اور اُن کے جسم پر خاص امتیازی نشان لگائے گئے ہوں۔

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ﴾ (آل عمران: 14)

فرمایا، مردوں کو جن چیزوں کی طبعی رغبت اور چاہت ہوتی ہے وہ کیا ہیں: بیوی، بچے، مال و دولت، اعلیٰ سواریاں، مویشی، جانور، زمین اور کھیتی وغیرہ۔ ان تمام مرغوباتِ نفس میں ترتیب کے لحاظ سے اَلْاَهَمُّ فَالْاَهَمُّ کا اصول کارفرما ہے۔ گویا جو شے سب سے زیادہ اہم اور بنیادی تھی اس کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا۔ پھر اس سے کم اہم کا اور آخر میں سب سے کم اہم کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ سب چیزیں ایک فطری ترتیب کے ساتھ آ گئی ہیں اور اس میں

Marfat.com

اَلنِّسَاءُ (عورتیں) سے بات شروع ہو کر حَرْثُ (کھیتی) پر ختم ہوئی اور ان دونوں میں بھی ایک خاص طرح کی مناسبت پائی جاتی ہے۔ پھر یہی طبعی اور فطری خواہشیں مردوں کے لیے بعض اوقات فتنہ اور آزمائش بھی بن جاتی ہیں۔ ایک متفق علیہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ .)) (صحیح بخاری، رقم: 5096، صحیح مسلم، رقم: 6945، ترمذی، رقم: 2780، ابن ماجه، رقم: 3998)

''میں اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ کوئی فتنہ خیال نہیں کرتا۔''

یہی حال دنیا کی دوسری خواہشوں کا ہے جو کبھی فتنہ بن جاتی ہیں اور انسان کا دین وایمان خراب کر دیتی ہیں۔

﴿ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝﴾ (آل عمران: 14)

فرمایا اُوپر جو چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ سب دنیا کی زندگی کا سازوسامان اور فائدے ہیں جو ایک حد تک جائز ہیں مگر وہ عارضی، فانی اور جلد ختم ہو جانے والے ہیں۔ جو انسان کے مرتے وقت اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

ایک متفق علیہ حدیث ہے جس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ: فَيَرْجِعُ اثْنَانِ، وَيَبْقٰى مَعَهٗ وَاحِدٌ، يَتْبَعُهٗ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَعَمَلُهٗ، فَيَرْجِعُ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ، وَيَبْقٰى عَمَلُهٗ .)) (صحیح بخاری، رقم: 6514، صحیح مسلم، رقم: 7424، ترمذی، رقم: 2379، نسائی، رقم: 1937)

''میّت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ ان میں سے دو واپس آ جاتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ باقی رہتی ہیں۔ اس کے ساتھ جاتے ہیں اُس کے گھر والے، اُس کا مال اور اُس کے اعمال۔ پھر اس کے گھر والے اور اُس کا مال دونوں واپس آ جاتے ہیں اور صرف اس کے اعمال اُس کے ساتھ باقی رہتے ہیں۔''

اس جگہ قرآن نے بھی یہ حقیقت واضح کر دی کہ جو متقی اور نیک لوگ دنیا کے سازوسامان اور فائدوں کو شریعت کے تابع رکھ کر ان کو جائز طور پر کام میں لائیں گے اُن کو اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی نیکیاں آخرت میں مل جائیں گی۔

اوپر ہم نے مردوں کے حوالے سے دنیا کے سازوسامان کا ذکر کیا ہے اور ظاہر ہے عورتوں کے لیے بھی اسی طرح کا سازوسامان ہے جس سے وہ فائدہ اُٹھا سکتی ہیں اور کبھی اُن کے لیے بھی یہ سب کچھ آزمائش اور فتنہ بن جاتا ہے۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝١٥

(آل عمران: 15)

Marfat.com

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَؤُنَبِّئُكُمْ:......(ن ب ء) یہ نبأٌ سے ہے جس کے معنی کوئی خاص خبر یا اہم خبر کے ہیں۔

رِضْوَانٌ:......(ر ض ی) اس کے معنی رضا اور خوشنودی کے ہیں۔

ان کے ذریعے اپنی آخرت سنوارنے کی کوشش کریں گے تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت کے سدا بہار باغات میسر ہوں گے۔ جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ اُن کو پاکیزہ بیویاں ملیں گی۔ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اُن کو اللہ سبحانہٗ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی۔ جنت میں دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا۔ گویا جنت میں ہر وہ نعمت میسر ہوگی جس کا تصور انسان کر سکے گا۔ صحیح احادیث میں اللہ تعالیٰ کی اِس رضا اور اُس کے اِس دیدار کا ذکر موجود ہے۔

ایک متفق علیہ حدیث میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يَقُوْلُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُوْنَ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ. فَيَقُوْلُ: هَلْ رَضِيْتُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى يَا رَبُّ، وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ؟ فَيَقُوْلُ: أَلَا أُعْطِيْكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: يَا رَبُّ، وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَيَقُوْلُ: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا.)) (صحيح بخاری، رقم: 6549، صحيح مسلم، رقم: 7140)

”بے شک اللہ تعالیٰ جنت والوں سے فرمائے گا کہ اے جنت والو! وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہم دل و جان سے حاضر ہیں تیری سعادت حاصل کرنے کے لیے! ہر طرح کی بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔ وہ فرمائے گا: کیا تم لوگ خوش ہو؟ وہ عرض کریں گے: جی ہاں اے ہمارے رب! ہم کیوں خوش نہ ہوں۔ آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا کیا ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تمہیں اِس سے بھی بہتر چیز نہ دوں؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! اس سے بہتر بھی کوئی چیز ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں اپنی ہمیشہ کی رضا اور خوشنودی تمہیں عطا کرتا ہوں۔ آج کے بعد میں کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔“

ایک اور متفق علیہ حدیث میں جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((...... إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُّوْنَ فِي رُؤْيَتِهِ...... .))

(صحيح بخاری، رقم: 554، صحيح مسلم، رقم: 1434)

”...... بے شک تم لوگ اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو اسے دیکھنے میں تمہیں کوئی زحمت نہ ہوگی......“

آخر میں تسلی دینے کے انداز میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے کہ آج وہ جو نیک اعمال کر رہے

Marfat.com

ہیں۔ اُن کے صلے میں وہ اپنی یہ ساری نعمتیں اُن کو عطا فرمائے گا۔ اُن کی کوئی نیکی بھی ضائع نہیں ہوگی۔

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰدِقِیْنَ وَ الْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

(آل عمران: 16۔17)

''جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے۔ ہمارے گناہ معاف کر دے۔ ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا۔ کیا شان ہے ایسے لوگوں کی، مشکل حالات میں صبر کرنے والے، ہمیشہ سچ بولنے والے، اللہ کی فرماں برداری کرنے والے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والے اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے بخشش کی دعائیں مانگنے والے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَلصّٰدِقِیْنَ: ...... (ص د ق) یہ صَادِقٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں سچا۔ یہ صدق اور سچائی زبان سے بھی ہوتی ہے اور عمل سے بھی۔

اَلْقٰنِتِیْنَ: ...... (ق ن ت) یہ قنوت سے ہے جس کے معنی طاعت اور عبادت کے ہیں۔ مراد وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ طاعت اور عبادت کرتے ہیں۔

مُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ: ...... (سحر کے وقت بخشش مانگنے والے) اس کے اصل معنی ہیں: سحر کے وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگنے والے۔ لیکن مراد ہیں مُصَلِّیْنَ۔

وَقْتَ السَّحَرِ: ...... (سحر کے وقت نماز پڑھنے والے)۔

﴿ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ﴿۱۶﴾ ﴾

(آل عمران: 16)

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن نیک، اور اہل ایمان بندوں کی چند صفات کا ذکر فرمایا ہے جن کو اوپر لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا (جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا) کہا گیا ہے۔ یہ گویا اُس کا بدل ہوا دو آیتوں میں دو دفعہ۔

1۔ اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندے اپنے اعمال پر بھی مغرور نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ ہر وقت اپنے رب سے دعا کرتے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہتے ہیں۔

2۔ وہ دوزخ کے عذاب سے بچنے کی دعا کرتے رہتے ہیں۔

3۔ وہ صابرین یعنی مشکل حالات میں صبر کرنے والے اور دین حق پر ثابت قدم رہنے والے ہوتے ہیں۔ دین کی راہ

۱۳۵۷۴۹

Marfat.com

میں پیش آنے والی ہر مشکل، مشقت اور مصیبت کا سامنا کرتے ہیں۔

4۔ وہ صادقین یعنی سچے اور مخلص ہوتے ہیں۔ جھوٹے اور بے ایمان نہیں ہوتے۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ سچی گواہی دیتے ہیں۔ دین پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ اللہ اور رسول ﷺ کے وفادار ہوتے ہیں۔

5۔ وہ قانتین ہوتے ہیں جس کا مطلب ہے وہ اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی اختیار کرنے والے اور اُس کے فرماں بردار ہوتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ کے ہر حکم کی بے چون وچرا اطاعت کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ (البقرۃ 2: 238)

"اور اللہ کے سامنے عاجزی سے کھڑے ہوا کرو۔"

6۔ وہ مُنْفِقِيْنَ (مال خرچ کرنے والے) ہوتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور دین کے کاموں میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ اُن کی نظر میں صرف دنیا نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی آخرت کی زندگی سنوارنے کے لیے مستحقین کو زکوٰۃ دیتے اور صدقہ وخیرات کرتے رہتے ہیں۔

7۔ آخر میں فرمایا کہ وہ مُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ یعنی سحر کے وقت اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کرنے والے ہوتے ہیں۔ اپنی نیکیوں پر نازاں اور مغرور نہیں ہوتے۔ خاص طور پر تہجد کے وقت بخشش اور معافی مانگتے ہیں۔ جو کہ ریاکاری سے پاک، دل جمعی اور سکون کا وقت ہوتا ہے۔ جب اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرُ يَقُوْلُ: مَنْ يَّدْعُوْنِيْ فَاَسْتَجِبْ لَهٗ، وَمَنْ يَسْاَلُنِيْ فَاُعْطِيَهٗ وَمَنْ يَّسْتَغْفِرُنِيْ فَاَغْفِرَلَهٗ.))

(صحیح بخاری، رقم: 1145، صحیح مسلم، رقم: 1772، ابن ماجه، رقم: 1366، ترمذی، رقم: 446، مشکوٰۃ، رقم: 1223)

"رات کے آخری حصے میں ہمارا رب تبارک وتعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور پوچھتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تاکہ میں اُس کی دعا قبول کروں؟ کوئی ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اُسے عطا کروں؟ کوئی ہے جو مجھ سے بخشش مانگے تو میں اُسے بخشش دوں۔"

یہاں پر نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کے نیک بندوں میں صرف یہی سات (7) اوصاف نہیں پائے جاتے۔ ان کے علاوہ بھی وہ بہت سے اعلیٰ اوصاف اور خوبیوں کے مالک ہوتے ہیں جیسا کہ سورۃ الفرقان (25) میں عِبَادُ الرَّحْمٰنِ (رحمان کے نیک بندے) کی کئی صفات کا ذکر آیا ہے۔ (آیات 63 تا 74) یا جیسے سورۃ التوبۃ (9) کی آیت 112 میں نیک لوگوں کی نو (9) صفتوں کا ذکر ہے۔ یا جیسے سورۃ المومنون (23) کی ابتدائی آیات میں اہل ایمان کے بعض اوصاف بیان ہوئے ہیں۔

Marfat.com

دراصل یہ قرآن و حدیث کا ایک خاص اور معروف اسلوب ہے جس میں کسی موقع کی مناسبت سے چند صفتوں کا ذکر کر دیا جاتا ہے اور ساری صفتوں کو بیان کر کے اُن کا استقصاء نہیں کیا جاتا۔ بلکہ کچھ کا ذکر کر کے سب ذکر کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ گویا یہ بات ہوتی ہے کہ: ؎

قیاس کن زِ گلستانِ من بہارِ مرا

''تم میرے ایک باغ کو دیکھ کر میرے سارے باغوں کی بہار کا اندازہ کر لو۔''

درحقیقت یہ وحی اور پیغمبرانہ تعلیم کا بالکل فطری اور تربیتی انداز اور اسلوب ہوتا ہے اور اسے منطق (LOGIC) اور ریاضی (MATHEMATICS) کے اصولوں پر جانچنے سے سخت غلط فہمی اور گمراہی پیدا ہو جاتی ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ
قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾ اِنَّ النصف
الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ
اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ
وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾ ع ٢ ١١ ١٠

(آل عمران : 18 تا 20)

''اللہ نے، اُس کے فرشتوں نے اور اہلِ علم نے گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ عدل و انصاف والا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہے۔ اہل کتاب نے دین کے بارے میں جو اختلاف کیا، وہ صحیح علم ہونے کے بعد کیا اور محض باہمی ضد کی وجہ سے کیا۔ اللہ کی آیتوں کا جو شخص انکار کرے، وہ یاد رکھے اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اے نبی ﷺ! اہل کتاب آپ ﷺ سے دین کی بارے میں جھگڑا

Marfat.com

کریں تو آپ ﷺ اُن سے کہیں "میں نے اور میرے پیروکاروں نے اپنا رخ اللہ کی فرماں برداری کی طرف کرلیا ہے۔" اور آپ ﷺ اہل کتاب اور اَن پڑھ عربوں سے کہیں "کیا تم بھی اسلام قبول کرتے ہو؟" اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو انہوں نے بھی ہدایت پالی۔ لیکن اگر وہ نہ مانیں تو آپ ﷺ کی ذمہ داری صرف پہنچانے کی ہے۔ آگے اللہ خود دیکھ رہا ہے اس کے بندے کیا کر رہے ہیں۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

قَآئِمًا بِالْقِسْطِ:......اس کے معنی ہیں: وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ وہ عدل وانصاف کرتا ہے۔

اَلْاُمِّیّٖنَ: ...... یہ جمع ہے اُمِّیٌّ کی جس کے معنی اَن پڑھ کے ہیں۔ اہل کتاب کے مقابل میں مشرکین عرب کو اُمّیین (اَن پڑھ لوگ) کہا گیا ہے۔

اَلْبَلَاغُ:......اس کے معنی ہیں: پہنچانا، بات پہنچانا، پیغام دینا۔

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ؕ۱۸﴾ (آل عمران : 18)

مطلب یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے یہ حقیقت بتا دی ہے کہ صرف وہی اکیلا معبود ہے۔ اُس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ اس طرح اللہ کی طرف سے بندوں کو یہی حقیقت بتا دینا گویا اُس کی گواہی ہوگئی۔ اس کے بعد فرشتوں نے بھی گواہی دے دی کہ ایک اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ پھر اہل علم وبصیرت، جن میں انبیائے کرام، علمائے دین اور عام مومنین شامل ہیں؛ نے بھی زبان سے اقرار کرکے اور دل سے اس کی تصدیق کرکے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں۔ اس طرح یہ تین شہادتیں اور گواہیاں ہوگئیں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اور یہ کہ اس کے عدل وانصاف کے قانون پر اس کائنات کا سارا نظام چل رہا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ اور اُس کی ساری مخلوق مل کر یہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں اور یہ کہ وہ عدل وانصاف پر قائم ہے۔ اُس کا یہ عدل وانصاف کائنات کے پورے نظام میں پھیلا ہوا ہے اور اُس کی بھیجی ہوئی شریعت کے احکام میں بھی پایا جاتا ہے۔ وہ خود عادل اور منصف ہے اور اپنے بندوں کو بھی عدل وانصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ آخر ایک دن آنے والا ہے جب وہ عدل وانصاف کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور ہر ایک کو اُس کے اعمال کے مطابق جزا وسزا دے گا۔ یہ سارا کام اُس کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے کیونکہ وہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ﴾ (آل غمران : 19)

فرمایا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو صحیح، سچا اور مقبول دین ہے، وہ اسلام ہے، جس میں ایمان واطاعت ہے، جو

Marfat.com

آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک ہر قوم کو اُس کے نبی کے ذریعے دیا گیا۔ تمام پیغمبروں کا یہی ایک دین تھا۔
اس بات کو دوسرے مقام پر یوں فرمایا گیا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ (الشوریٰ 42: 13)

’’اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا اور اے نبی ﷺ! اُسی دین کی وحی ہم نے آپ ﷺ کی طرف کی۔ اُسی پر چلنے کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔‘‘

فرمایا، یہی دین اسلام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوگا اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنے گا۔ اس کے سوا کوئی اور دین آخرت میں قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے ماننے والوں کے لیے بخشش یا نجات ہوگی۔

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

(آل عمران 3: 85)

’’جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرتا ہے، اللہ اُس کے دین کو ہرگز قبول نہ کرے گا اور وہ شخص آخرت میں گھاٹے میں رہے گا۔‘‘

یاد رہے کہ تمام نبیوں کا دین تو ایک ہی تھا جو کہ دین اسلام ہے، مگر اُن کی شریعت الگ الگ تھی جو اُن کے حالات کے مناسب تھی جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (المائدة 5: 48)

’’(اے لوگو!) ہم نے تم میں سے ہر امت کے لیے ایک شریعت اور ایک طریقہ مقرر کیا ہے۔‘‘

مطلب یہ ہے کہ سب قوموں اور اُمتوں کو جدا جدا شریعت دی گئی تھی جس پر عمل کرنے کا ایک خاص طریقہ بھی مقرر کر دیا گیا تھا۔

﴿وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۭ﴾

(آل عمران: 19)

فرمایا، دین اسلام تو ایک ہی ہے جو ابتدا سے چلا آ رہا ہے اور اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) کو بھی یہی دین دیا گیا تھا۔ مگر انہوں نے اِس دین میں اختلاف پیدا کر لیا۔ اس میں بہت ردو بدل کر دی۔ بہت سی بدعتیں ایجاد کر لیں۔ بس کے نتیجے میں ان کے اندر مختلف فرقے اور گروہ پیدا ہو گئے۔ یہ سب کچھ ان لوگوں نے اس وقت کیا جب اُن کے پاس وحی کا صحیح علم آ چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی کتابوں...... توریت اور انجیل...... کے واضح احکام آ چکے تھے۔ مگر انہوں نے آپس کی ضدم ضدا، حسد، تعصب، خواہشات نفس کی پیروی، خود غرضی اور مفاد پرستی میں اپنے دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔

Marfat.com

اسی مضمون کو قرآن نے کئی جگہ بیان کیا ہے۔ جیسے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ o وَآتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ﴾ (الجاثیه 45: 16 تا 17)

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت دی۔ انہیں پاکیزہ رزق عطا کیا اور دنیا والوں پر فضیلت بخشی۔ ہم نے انہیں دین کے بارے میں واضح احکام دیے۔ مگر انہوں نے، جب ان کے پاس علم آ چکا تھا، محض آپس کی ضد کی وجہ سے اختلاف پیدا کر لیا۔''

یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور گمراہی میں پڑ گئے۔

افسوس آج مسلمانوں نے بھی اہلِ کتاب جیسی روش اختیار کر لی ہے۔ اپنے دین میں اختلاف پیدا کر لیا ہے۔ وہ فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ اُن کی ہوا اُکھڑ گئی ہے۔ اُن کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ وہ دنیا میں کمزور اور ذلیل وخوار ہو چکے ہیں۔ غیروں کی غلامی اور اُن کی اندھی تقلید میں گرفتار ہیں۔ دشمنوں کی سازشوں اور اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا شکار ہیں۔ وہ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ دنیا اور آخرت کے خسارے کا مصداق بن کر رہ گئے ہیں۔ اُن کو منع کیا گیا تھا کہ یہود ونصاریٰ کے طور طریقے اختیار نہ کرنا مگر انہوں نے آنکھیں بند کر کے بندروں کی طرح ان کی ہر حرکت کی نقالی کر لی۔

﴿وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ⑲﴾ (آل عمران: 19)

فرمایا، جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا، اُس کے معجزوں کا اور اُس کے حکموں کا انکار کریں گے، وہ یاد رکھیں کہ اللہ اُن سے جلد حساب لینے والا ہے اور ان کو اُن کے کفر اور گناہوں پر عذاب دے گا۔

﴿فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ﴾ (آل عمران: 20)

اب نبی ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر یہود ونصاریٰ آپ ﷺ سے توحید اور دین اسلام کے بارے میں بحث اور جھگڑا کریں تو اُن سے کہہ دیجئے کہ میں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا دیا ہے۔ میں توحید کو مانتا ہوں اور شرک نہیں کرتا ہوں۔ میرا دین اسلام ہے۔ میں اسی پر چلتا ہوں۔ یہی دین اُن کا بھی ہے جو میرے پیروکار ہیں۔

﴿وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ⑳﴾ (آل عمران: 20)

اب یہ اتمامِ حجت کے طور پر فرمایا گیا کہ اے نبی ﷺ! ان اہل کتاب اور عرب کے اَن پڑھ لوگوں یعنی مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اصل دین تو اسلام ہے جو ایک اللہ کی عبادت اور اُس کی اطاعت کا نام ہے، اگر تم اسے قبول کر لو تو ہدایت پا لو گے لیکن اگر تم اسے نہیں مانتے تو پھر تمہارا کوئی دین ایمان نہیں ہے۔ پھر تم سے بحث کرنا فضول ہے کیونکہ تم کسی دلیل کو نہیں مانتے، صرف حسد، تعصب اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہو اور جھوٹے مذہب پر چلتے ہو۔

Marfat.com

پھر فرمایا، نبی ﷺ کا کام صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ اگر کوئی اس پیغام کو نہیں مانتا تو اس کی ذمہ داری نبی ﷺ پر نہیں، انکار کرنے والے پر ہے۔ پھر جو لوگ انکار کریں گے تو اللہ اُن کے سارے اعمال دیکھ رہا ہے اور ان پر اُن کو سزا دے گا۔

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

(آل عمران : 21 تا 22)

"(اے نبی ﷺ) جو لوگ اللہ کی نشانیوں کا انکار کریں، اُس کے نبیوں کو ناحق قتل کریں اور حق و انصاف کی بات کرنے والوں کو قتل کر ڈالیں، ایسے لوگوں کو آپ ﷺ دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوں گے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ:...... اس جگہ اس سے مراد یہودی ہیں۔

فَبَشِّرْ:...... (پس تو خوش خبری دے) یہ بشارت یا بشریٰ سے ہے جس کے معنی ایسی خبر کے ہوتے ہیں جسے سن کر انسان کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ جائے۔ لیکن اس لفظ کا استعمال کبھی طنزیہ طور پر بھی ہوتا ہے اور اس جگہ یہی انداز مراد ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾﴾ (آل عمران : 21)

اس آیت میں یہودیوں کے بارے میں بیان کیا گیا کہ ان سے ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کی کیا توقع اور امید ہوسکتی ہے جن کی ذہنیت اس حد تک بگڑ سکتی ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں، اپنے نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں اور ایسے لوگوں کو قتل کرتے رہے ہیں جو اُن کو حق و انصاف کی تعلیم دیتے تھے اور دین کی تبلیغ کرتے تھے۔

فرمایا اے نبی ﷺ! اس طرح کے لوگوں کو آخرت میں دوزخ کے دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجیے۔ یاد

Marfat.com

رہے کہ اس خوش خبری میں اللہ تعالیٰ کے جلال، غصے اور قہر وغضب کی طرف اشارہ ہے۔

نبیوں کو قتل کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ پھر اس کے ساتھ بِغَیْرِ حَقٍّ (ناحق) کا اضافہ اس جرم اور گناہ کی شدت اور قباحت کو اور بڑھا دیتا ہے۔

بعض مفسرین کی رائے میں اس آیت کے مخاطب قدیم یہودیوں کے علاوہ مدینے کے یہودی اور مکے کے مشرکین بھی تھے جنھوں نے قرآن کی آیتوں کا انکار کیا، نبی ﷺ کو قتل کرنے کی سازشیں کیں اور صحابہ کرام کو شہید کیا۔

ظاہر ہے انبیائے کرام کو اور اہلِ حق کو ناحق شہید کرنا کسی قوم کی اخلاقی پستی کی انتہا ہے۔ ایسا کرنا قطعی حرام اور سخت کبیرہ گناہ ہے جس کے نتیجے میں ساری عمر کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ پھر آخرت میں ایسے مجرموں کو دوزخ میں ہمیشہ کا عذاب ہوگا جس سے بچانے کے لیے ان کو کوئی مددگار نہ ملے گا۔

یہودیوں کے بارے میں قرآن کی یہ پیش گوئی تاریخی طور پر اس طرح سچی ثابت ہوئی کہ وہ پہلے مرحلے میں مدینے میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے، وہاں سے جلاوطن کیے گئے۔ پھر جب ان کو سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جزیرۂ عرب سے باہر نکال دیا گیا تو اُس بے بسی اور ذلت و رسوائی کی حالت میں کوئی ان کا مددگار اور پرسانِ حال نہ تھا۔ باقی رہا آخرت کا معاملہ تو وہاں بھی اُن کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ
اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ
فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَّا
رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

(آل عمران: 23 تا 25)

"کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں اللہ کی کتاب کا ایک حصہ دیا گیا۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب انھیں اللہ کی کتاب کے کسی حکم کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے تو اُن کا ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے اور وہ ہیں ہی منہ پھیرنے والے! ان کی یہ حالت اس لیے ہوئی کہ وہ کہتے ہیں: "ہمیں دوزخ کی آگ ہرگز نہ چھوئے گی سوائے چند دنوں کے۔" حالانکہ اُن کی ایسی من گھڑت باتوں نے انھیں دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ پھر

Marfat.com

اس وقت اُن کا کیا حال ہوگا جب ہم انہیں ایک ایسے دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں؟ اور اس دن ہر ایک کو اُس کی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

غَرَّھُمْ: ...... (غ ر ر) یہ غرور سے ہے، جس کے معنی دھوکا دینے کے ہیں۔

وُفِّیَتْ: ...... (و ف ی) اس کے معنی ہیں: پورا پورا بدلہ دینا۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝٢٣﴾ (آل عمران: 23)

اس سے پہلے یہودیوں کے گناہوں اور جرائم پر اُن کی نیکیاں ضائع ہونے اور اُن کے لیے دوزخ کے عذاب کا ذکر تھا۔ اب اُن کے علماء کے بارے میں ہے کہ اُن کو اللہ کی کتاب کا ایک حصہ...... توریت ...... ملی تھی۔ مگر نہ وہ اس کے احکام پر چلتے ہیں اور نہ اس کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام بھی یہودی تھے۔ جب ان سے کہا گیا کہ اپنے دعوے کو توریت سے ثابت کر دکھاؤ تو جواب میں انہوں نے منہ پھیر لیا۔ وَهُمْ مُعْرِضُوْنَ (اور وہ ہیں ہی منہ پھیرنے والے) اس میں بنی اسرائیل کی پوری تاریخ کی طرف اشارہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور اُس کے احکام کی خلاف ورزیوں سے بھری پڑی ہے۔ یہودی علماء دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ توریت کو مانتے ہیں مگر اُس کے حکموں پر چلنا اُن کو گوارا نہیں۔ کیونکہ اس طرح اُن کی خواہش پرستی اور دنیا پرستی پر زد پڑتی ہے اور اُن کو نقصان پہنچتا ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَّ غَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝٢٤﴾ (آل عمران: 24)

یہودیوں کو یہ غرور تھا کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اُس کے چہیتے ہیں۔

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ﴾ (المائدہ 5: 18)

"ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے چہیتے ہیں۔"

اور یہ کہ جنت صرف اُنہی کے لیے ہے۔ آخرت میں اُن کو کوئی عذاب نہ ہوگا۔ اگر کچھ عذاب ہوا تو چند دنوں کے لیے ہوگا جتنا عرصہ اُن کے بڑوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ پھر آخر میں وہ گناہوں سے پاک صاف ہو کر جنت میں چلے جائیں گے۔ اُن کی اسی بات کو قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے کہ وہ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ جھوٹی آرزوں میں گرفتار ہیں اور من گھڑت باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ (وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ)

اس مقام کی مزید تشریح کے لیے سورۃ البقرہ آیت 80 کی تفسیر بھی دیکھ لی جائے۔

افسوس آج مسلمانوں کو بھی کچھ اسی قسم کی غلط فہمیاں لاحق ہوگئی ہیں اور وہ بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ جنتی

Marfat.com

چاہیں جی بھر کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرلیں، آخرت میں جنت اُن کا انتظار کر رہی ہے۔

﴿فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝﴾ (آل عمران : 25)

فرمایا، آج یہودیوں کو یہ غلط فہمی اور خام خیالی ہے کہ آخرت میں صرف وہی نجات پائیں گے۔ لیکن قیامت کے دن، جس کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں، اُن کا کیا حال ہوگا؟ اُس دن ہر شخص کو اُس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ کسی کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا یہی قانون مکافات ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ کون کس مذہبی گروہ اور فرقے سے تعلق رکھتا ہے اور کس کا حسب ونسب اور خاندان کیسا ہے بلکہ وہ صرف ایمان وعمل دیکھے گا۔ پھر جس کا جیسا عمل ہوگا اُسے ویسا ہی نتیجہ ملے گا۔

اس آیت میں لِيَوْمٍ میں کسی مضاف کو حذف ماننے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے غلطی سے حذف مان لیا ہے۔ بلکہ لام کا یہ حرفِ جر (لِ) فِيْ (میں) کے معنوں میں ہے جس کی مثالیں قرآن میں موجود ہیں۔

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ﴾ (بنی اسرائیل 17 : 78)

"نماز قائم کیجئے سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک۔"

میں لِ (حرفِ جرّ) فِيْ (میں) کے معنوں میں ہے۔

اسی طرح ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَلصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا .)) "نماز کو اُس کے وقت پر ادا کرنا" اس حدیث میں بھی لِ (حرفِ جر) فِيْ (میں) کے معنوں میں آیا ہے۔ (دیکھئے: صحیح بخاری، رقم: 527، صحیح مسلم، رقم: 254، ترمذی، رقم: 173، نسائی، رقم: 610)

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

(آل عمران : 26 تا 27)

Marfat.com

''اے نبی ﷺ! آپ ﷺ کہیں ''اے اللہ! بادشاہی کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے، جس سے چاہے بادشاہی چھین لے۔ جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلیل کرے۔ تیرے ہاتھ میں ساری بھلائی ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ تو بے جان سے جاندار کو پیدا کرتا ہے اور جاندار سے بے جان کو پیدا کرتا ہے۔ تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

مٰلِکَ الْمُلْکِ:...... اس کے معنی ہیں: بادشاہی کے مالک، شہنشاہ۔

بِغَیْرِ حِسَابٍ:...... (بغیر حساب کے) حساب کا لفظ قرآن میں تین مختلف معنوں میں آیا ہے:

1۔ تھکاوٹ اور مشقت کے معنوں میں، جیسا کہ اسی آیت 27 میں آیا ہے۔

2۔ تعداد یا گنتی کے معنوں میں، جیسا کہ فرمایا:

﴿اِنَّمَا الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر 39: 10)

''بے شک صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر بے حساب (بغیر گنتی کے) دیا جائے گا۔''

3۔ حساب مانگنے یا احتساب کرنے کے معنوں میں، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (صٓ 38: 39)

''(ہم نے سلیمان علیہ السلام سے کہہ دیا) یہ سب ہمارا عطیہ ہے۔ آپ چاہیں تو اس میں سے کسی کو کچھ دیں، یا نہ دیں، آپ سے کوئی نہیں پوچھے گا۔''

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾﴾ (آل عمران: 26)

اب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ذریعے سے پوری امت کو دعا کے انداز میں یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ اُن کو یوں کہنا چاہیے:

1۔ اے اللہ! تو ہی بادشاہی کا مالک ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ تو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے وقتی طور پر کچھ بادشاہی عطا کر دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے وہ بادشاہی بھی چھین لیتا ہے اور اُسے اس سے محروم کر دیتا ہے۔

2۔ کسی شخص کو عزت یا ذلت دینے یا کسی قوم کو عروج و زوال دینے کا اختیار صرف تیرے پاس ہے۔

3۔ بِيَدِكَ الْخَيْرُ یعنی اے اللہ! تیرے ہاتھ میں ساری بھلائی اور خیر ہے۔ تو جو کچھ کرتا ہے اُس میں خیر اور بھلائی ہوتی ہے۔ اس جگہ ساتھ یہ نہیں فرمایا کہ بِيَدِكَ الْخَيْرُ وَالشَّرُّ (تیرے ہاتھ میں خیر اور شر ہے، یا بھلائی اور برائی تیرے ہاتھ میں ہے)۔ کیونکہ شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بے ادبی ہے۔ اگر چہ خیر اور شر دونوں کا خالق وہی

Marfat.com

ہے لیکن شر بندوں کی نسبت سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو خیر ہی خیر ہے۔ اُس کے ہر حکم اور فیصلے میں خیر اور بھلائی ہوتی ہے۔

اس دعا میں ایک طرف تو یہ اشارہ ہے کہ آئندہ اہل اسلام کو وسیع فتوحات حاصل ہوں گی۔ اُن کی سلطنت وسیع سے وسیع تر ہوتی جائے گی۔ دوسرے اس میں نبی ﷺ کے لیے تسلی اور اطمینان کا پہلو پایا جاتا ہے کہ آگے چل کر آپ ﷺ کے تمام مخالفین...... یہودی، عیسائی اور مشرکین عرب سب مغلوب اور زیر ہو جائیں گے مسلمان اُن پر غالب آئیں گے اور دین اسلام کو فروغ حاصل ہوگا۔ اس طرح دنیا میں بھی حق و باطل کا فیصلہ ہو کر رہے گا۔

اس آیت کے الفاظ تُعِزُّ (تو عزت دیتا ہے) سے اسم فاعل اَلْمُعِزُّ (عزت دینے والا) بنا کر اسے اسمائے حسنیٰ میں شمار کیا گیا ہے اور اسی طرح تُذِلُّ (تو ذلت دیتا ہے، یا ذلیل کرتا ہے) سے اَلْمُذِلُّ (ذلت دینے والا، ذلیل کرنے والا) کو بھی اسمائے حسنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان دونوں ناموں کو ساتھ ساتھ ملا کر بیان کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح یا مُعِزُّ اور یا مُذِلُّ کو بھی اکٹھا ملا کر پڑھنا درست ہے۔ اس صورت میں یہ اسمائے حسنیٰ ہیں مگر یا مُذِلُّ کا وظیفہ پڑھنا یا اسے الگ کر کے بیان کرنا ادب کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں عزت تو ہے، ذلت نہیں ہے۔ ذلت بندے کی کسی خطا کا وہ نتیجہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتا ہے۔

﴿تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾ (آل عمران : 27)

یہ بھی اُسی دعا کا حصہ ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔

فرمایا، اے اللہ! یہ تو ہی ہے جو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

1۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں بدلتا رہتا ہے۔
2۔ اللہ تعالیٰ کی یہ بھی قدرت ہے کہ وہ رات کا کچھ حصہ دن کو دے دیتا ہے جس کے نتیجے میں راتیں چھوٹی اور دن بڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ دن کا کچھ حصہ رات میں شامل کر دیتا ہے اور اس کے نتیجے میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی ہو جاتی ہیں۔ جس کا اثر موسم کی تبدیلی پر بھی پڑتا ہے۔

ہماری رائے میں یہ دونوں معنی بیک وقت مراد ہو سکتے ہیں۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی مزید وسعت ظاہر ہوتی ہے۔

﴿وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ (آل عمران : 27)

اور اس دعا میں اس حقیقت کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ اے اللہ! تو جاندار کو بے جان سے پیدا کرتا اور بے جان کو

Marfat.com

جاندار سے نکالتا ہے۔

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے عدم سے نکال کر وجود میں لا سکتا ہے۔ وہ بے جان میں جان ڈال دیتا ہے اور جاندار کی جان نکال دیتا ہے۔ زندگی اور موت کا اختیار اُسی کے پاس ہے۔ وہی انڈے سے مرغی اور مرغی سے انڈہ پیدا کرتا ہے۔ وہی خشک بیج اور دانے سے درخت اور اناج اُگاتا ہے۔ وہی خشک اور مردہ زمین کو زندہ اور سبز و شاداب کر دیتا ہے۔ وہی بے جان مٹی اور نطفے سے زندہ اور جیتا جاگتا انسان بناتا ہے۔

جدید سائنس میں اگرچہ بیج، دانے گٹھلی، انڈے اور نطفے کو جاندار قرار دیا گیا ہے مگر نزول قرآن کے وقت عرف عام میں ان سب کو بے جان سمجھا جاتا تھا اور آج بھی زبان و ادب میں ان کو بے جان ہی کہا جاتا ہے۔ ویسے عربی اسلوب بیان میں ہر بے حس و حرکت چیز کو مردہ اور بے جان کہتے ہیں اگرچہ وہ زندہ ہو۔ جیسا کہ سوئے ہوئے بے حس جسم کو مردہ اور جاگنے والے کو زندہ قرار دے کر مسنون دعائیں پڑھی جاتی ہیں:

سونے کی یہ دعا ہے:

((اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيَا .))

(صحیح بخاری، رقم: 6314، ترمذی، رقم: 3417، ابو داؤد، رقم: 5049، ابن ماجہ، رقم: 3880، مشکوٰۃ، رقم: 2383)

''اے اللہ! میں تیرے ہی نام سے مرتا اور جیتا ہوں۔''

اور جاگنے پر یہ دعا پڑھی جاتی ہے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ .))

(صحیح بخاری، رقم: 6314، ترمذی، رقم: 3417، ابو داؤد، رقم: 5049، ابن ماجہ، رقم: 3880، مشکوٰۃ، رقم: 2383)

''تعریف اللہ ہے کے لیے ہے جس نے ہم پر موت طاری کرنے کے بعد زندہ کر دیا اور اُسی کی طرف دوبارہ جی اٹھنا ہے۔''

﴿وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۲۷﴾ (آل عمران: 27)

یہ دعا کے آخر میں فرمایا کہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے، خزانۂ غیب سے بے حساب روزی عطا کر دیتا ہے۔ وہی اعلیٰ صلاحیتوں اور وسائل و ذرائع مہیا کرتا ہے۔ وہ بن مانگے اور بغیر اسباب کے بھی دیتا ہے۔ اُس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ اُس سے مانگنے اور لینے والے تھک جاتے ہیں مگر وہ دینے اور عطا کرنے سے نہیں تھکتا۔

یہ قرآنی دعا جو آیات 26، 27 پر مشتمل ہے ایک مقبول اور مستجاب دعا ہے جو ایمان اور عزت و آبرو کی حفاظت کے علاوہ قرض سے نجات اور روزی میں برکت کے لیے بھی پڑھی جاتی ہے۔

Marfat.com

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا
مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾
قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ
وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖ وَّمَا
عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ؕ
وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

(آل عمران: 28 تا 30)

”مسلمانوں کو چاہیے وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ جو ایسا کرے گا تو اللہ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ البتہ اُن کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے کوئی تدبیر کر سکتے ہو۔ اللہ تمہیں اپنے قہر وغضب سے ڈراتا ہے۔ آخر تمہیں اللہ کے پاس حاضر ہونا ہے۔ اے نبی ﷺ! آپ ﷺ ان لوگوں سے کہیں: ”جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ اسے جانتا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز سے باخبر ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس دن کو یاد رکھو جب ہر کوئی اپنی کی ہوئی نیکی اور برائی کو اپنے سامنے موجود پائے گا۔ اُس وقت وہ تمنا کرے گا کاش! یہ دن اُس سے بہت دور ہوتا۔ اللہ تمہیں غضب سے ڈراتا ہے لیکن وہ اپنے بندوں پر مہربان بھی ہے۔“

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ:...... (اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے) اس سے مراد ہے اگر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمہیں پکڑے گا۔ اس لیے وہ تمہیں اپنی پکڑ اور عذاب سے ڈراتا ہے۔

اَمَدًاۢ بَعِيْدًا:...... اس کے معنی ہیں: دور کی مدت، انتہائی مدت، طویل یا لمبی مدت۔

Marfat.com

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ﴾ (آل عمران : 28)

ابتدائی زمانے میں کچھ مسلمان اپنے کافر رشتہ داروں سے دوستانہ تعلقات جاری رکھے ہوئے تھے۔ بعد میں بھی جب تک مسلمان کمزور اور تعداد میں کم تھے، غیر مسلموں سے دوستی اور موالات رکھنا چاہتے تھے۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ مسلمان صرف مسلمانوں سے دوستی کر سکتے ہیں اور غیر مسلموں سے دوستی اور موالات منع ہے یاد رہے کہ غیر مسلموں سے معاملات یعنی تجارت اور کاروبار وغیرہ تو جائز ہے مگر دوستی اور موالات حرام ہے اور اس پر اجماعِ امت ہے۔

یہ مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ اب جب کہ حق و باطل کے فیصلے کا وقت قریب آ رہا ہے تو وہ اس معرکے کے لیے تیار ہو جائیں۔ ذاتی مفاد کو دینی اور ملی مفاد پر ترجیح نہ دیں اور اسلام کے دشمنوں کو اپنا دوست اور مددگار نہ بنائیں۔ اہل حق صرف اہل حق کو اپنا ساتھی اور مددگار بنا سکتے ہیں وہ اہل باطل سے کسی طرح کا دوستانہ تعلق قائم نہیں رکھ سکتے۔

فرمایا جو اہل اسلام کے افراد کافروں سے دوستی کریں گے اور اُن کو اپنا ساتھی اور مددگار بنائیں گے تو ایسے لوگوں کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد سے محروم رہیں گے۔

البتہ بعض حالات میں کفار کے شر سے بچنے کے لیے کوئی وقتی اور ہنگامی تدبیر کی جا سکتی ہے اور جان جانے کے خطرے کی صورت میں بظاہر اُن سے دوستی کا دم بھرا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے جنھوں نے کافروں کے ظلم وستم پر اور اُن کی طرف سے جان سے مار دینے کی دھمکی پر کلمۂ کفر بھی کہہ دیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بے قصور ٹھہرایا تھا۔

اِس مقام پر زمانۂ حال کے بعض مغرب زدہ لوگ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (مسلمانوں کو چھوڑ کر) کے معنی ''مسلمانوں کے مفاد کے خلاف'' مراد لیتے ہیں اور پھر ان الفاظ کو قید یا شرط قرار دے کر یہ مطلب نکالتے ہیں کہ اگر کفار سے دوستی اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہو تو منع ہے اور اگر مفاد کے خلاف نہ ہو تو منع نہیں ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اول تو مِنْ دُوْنِ کے معنی ''کے مفاد کے خلاف'' لینا ہی عربیت کے خلاف ہے۔ دوسرے اسے شرط یا قید قرار دینا قرآن مجید کی معنوی تحریف اور ٹھیک ٹھیک تفسیر بالرائے مذموم ہے جو کہ حرام ہے۔

قرآن نے دوسرے مقام پر مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) اور کفار دونوں سے دوستی نہ رکھیں اور وہاں مِنْ دُوْن یا ''مسلمانوں کے کسی مفاد'' کی کوئی شرط نہیں لگائی ہے۔ سورۃ المائدہ میں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝﴾

(المائدہ 5 : 57)

''اے ایمان والو! اہل کتاب اور کافروں میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا

Marfat.com

رکھا ہے انہیں اپنا دوست نہ بناؤ۔ اللہ سے ڈرو اگر تم واقعی ایمان والے ہو۔‘‘

اسی سورت میں ایک اور جگہ پر فرمایا اور وہاں بھی مِنْ دُوْن کی شرط یا ’’مسلمانوں کے کسی مفاد‘‘ کی بات نہیں کی گئی۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ؔۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (المائدہ 5: 51)

’’اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو انہیں دوست بنائے گا وہ انہی میں شمار ہوگا۔ بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

دراصل اس آیت میں ’’مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ‘‘ (مومنوں کے سوا) کوئی شرط یا قید نہیں ہے بلکہ اس میں اہل ایمان کو شرم دلائی گئی ہے کہ مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستی کرنا نہایت شرم ناک اور قبیح حرکت ہے۔ اگر دوستی کرنی ہے تو اپنے مسلمان بھائیوں سے دوستی کرو۔ یہ مذمت کا انداز ہے نہ کہ شرط وقید کا۔

اسی اسلوب کو قرآن نے کئی اور مقامات پر بھی اختیار کیا ہے جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ﴾ (بنی اسرائیل: 31)

’’اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔‘‘

اس فقرے میں خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ (مفلسی کے ڈر سے) کوئی شرط یا قید نہیں ہے کہ اگر مفلسی کا ڈر نہ ہو تو پھر اولاد کو قتل کرنا جائز ہے اور اس میں ’’کوئی قباحت‘‘ نہیں ہے۔

یا جیسے فرمایا کہ:

﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَیٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ (النور: 33)

’’اور اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہوں۔‘‘

تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر لونڈیاں پاک دامنی نہ چاہتی ہوں تو پھر اُن کو بدکاری اور پیشہ کرانے پر مجبور کرنے کی اجازت ہے۔

مزید تفصیل کے لیے سورۃ النساء آیت 144 کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

﴿وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ۝۲۸﴾ (آل عمران: 28)

یہ مسلمانوں سے فرمایا کہ تمہیں جو یہ حکم دیا گیا ہے کہ کافروں سے دوستی نہ کرنا تو جو کوئی بغیر جان کے خطرے کے اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنے اُس مواخذے اور عذاب سے ڈراتا ہے جسے کوئی ٹال نہیں سکتا کیونکہ ایک دن تم سب کو اُس کے پاس جانا ہے اور اپنے کیے کا حساب دینا ہے۔

﴿قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۲۹﴾ (آل عمران: 29)

Marfat.com

فرمایا اوپر جو تم مسلمانوں کو کافروں سے دوستی کرنے سے منع کیا گیا ہے اس کے بعد اگر تم کافروں سے ظاہری طور پر یا خفیہ طریقے سے دوستی کرو گے تو اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ وہ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ تمہاری نیتوں اور تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔ وہ کائنات کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ اگر تم اس کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرو گے تو وہ اس پر تمہیں سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ۭ ﴾ (آل عمران : 30)

فرمایا قیامت کے دن سے ڈرتے رہو جب ہر شخص اچھے برے اعمال کو حاضر پائے گا اور اس کی جزا و سزا بھی دیکھ لے گا۔ اس میں وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ کے بعد مُحْضَرًا (حاضر، موجود) کا لفظ تکرار سے بچنے کے لیے حذف ہو گیا ہے لیکن معنوں میں شامل ہے۔

اُس وقت برے لوگ یہ چاہیں گے کہ اے کاش! اُن کے برے اعمال اُن سے دور رہیں تا کہ وہ ان کے سبب سے برے انجام سے بچ جائیں۔

﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ۧ ﴾ (آل عمران : 30)

یہ مزید تاکید کے انداز میں اور عام حکم کے طور پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی پکڑ اور اپنے عذاب سے ڈراتا ہے تا کہ تم لوگ برے کاموں اور اُن کے برے انجام سے بچ جاؤ۔ اُس کی یہ نصیحت بھی اُس کی طرف سے اُس کے بندوں کے حق میں خیر خواہی ہے کیونکہ وہ شفقت کرنے والا ہے اور انسانوں کو پیشگی طور پر خطرات سے آگاہ فرماتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے گناہ گار بندوں کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(آل عمران : 31 تا 32)

"اے نبی ﷺ! آپ ﷺ ان لوگوں سے کہیں: "اگر واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے اور اے نبی ﷺ! آپ ﷺ ان سے کہیں: "اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو" اگر وہ نہ مانیں تو اللہ ایسے کافروں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔"

Marfat.com

آیات کی تفسیر:

﴿قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۱﴾﴾ (آل عمران: 31)

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے مدینے میں مشہور یہودی سردار کعب بن اشرف اور اُس کے کچھ ساتھیوں کو اسلام لانے کی دعوت دی تو جواب میں کعب بن اشرف نے کہا:

((نَحۡنُ اَبۡنَآءُ اللّٰہِ وَ اَحِبَّآءُ ہٗ.))

''ہم اللہ کے بیٹے، اس کے پیارے اور چہیتے ہیں۔''

مطلب یہ تھا کہ ہمیں کس لیے دعوت دیتے ہو جب کہ ہم اللہ والے ہیں۔ اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور وہ ہم سے محبت کرتا ہے۔ اس کے بعد ہمیں کیا پڑی ہے کہ تمہاری دعوت کو قبول کریں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ ان کو یہ دونوں آیتیں سنا دیں کہ اگر یہودیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں تو میں اُسی اللہ کا رسول تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم لوگ میری اتباع اور پیروی کرو۔ میں خود بھی اللہ کے حکموں پر چلتا ہوں۔ تم میری پیروی کر کے اور اپنے اللہ کے احکام پر چل کر اُسے راضی کرلو۔ وہ تمہارے سارے گناہ معاف کر دے گا۔ کیونکہ وہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا اور اسلام لانے والوں کے تمام گناہوں کو بخشنے والا مہربان ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ رکھتے ہوں وہ صرف اسی صورت میں اپنے دعوے میں سچے ہو سکتے ہیں جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام پر عمل بھی کرتے ہوں۔ ورنہ اُن کا دعوائے محبت جھوٹا اور باطل ہے۔ یہ کیا مذاق ہے کہ اللہ سے محبت کا دعویٰ کیا جائے اور اُسی کے بھیجے ہوئے رسول ﷺ کی پیروی سے انکار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ اور اُسی کی راہ بتانے والے نبی کے پیچھے چلنے سے انکار، یہ دونوں چیزیں ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

وراق نامی شاعر کہتا ہے:

تَعْصِی الْاِلٰـہَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّہٗ
هٰذَا لَعَمْرِیْ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعٌ

''تو اللہ سے محبت کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور اُس کی نافرمانی بھی کرتا ہے۔ یہ چیز نہایت عجیب اور ناممکن ہے۔''

لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَاَطَعْتَہٗ
اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُحِبُّ مُطِیْعٌ

Marfat.com

”اگر تو اپنی محبت میں سچا ہوتا تو اللہ کی اطاعت بھی کرتا۔ کیونکہ جو جس سے محبت کرتا ہے اُس کی بات بھی مانتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ اللہ سے محبت کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اُس کے رسول ﷺ کی پیروی کی جائے۔

افسوس آج مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے جو اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اُس کے احکام پر نہیں چلتے۔ نبی ﷺ کے عاشق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر آپ ﷺ کی سنت کی پیروی نہیں کرتے۔ قرآن کو ماننے کے دعوے دار ہیں مگر اُس کی تعلیمات و ہدایات پر عمل نہیں کرتے۔

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲﴾ (آل عمران : 32)

یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ یہودیوں اور مشرکینِ عرب سے کہہ دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت یہ ہے کہ اس کے نازل کیے ہوئے قرآن کے احکام کو مانا جائے اور اُن کے مطابق عمل کیا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ اور آپ ﷺ کی حدیث و سنت کی پیروی کی جائے۔ گویا ہدایت اور نجات کا راستہ یہی ہے کہ قرآن و سنت پر عمل کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا یہی قانون ہے جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔ اس کی پابندی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے اور کفر و شرک کرنے والوں کے لیے فلاح نہیں ہے۔ وہ سراسر گھاٹے میں رہیں گے۔

آخر میں واضح طور پر فرما دیا کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے انکار کریں گے، وہ کافر ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا اس لیے اُن کو عذاب دے گا۔

یاد رہے کہ یہ کفر اعتقادی یعنی عقیدے کا بھی ہو سکتا ہے اور عملی کفر بھی ہو سکتا ہے۔ اعتقادی کفر یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن و سنت کی اطاعت کو اپنے لیے لازم نہ سمجھے بلکہ اس کا منکر ہو۔ ایسا شخص کافر ہو جاتا ہے عملی کفر یہ ہے کہ قرآن و سنت کے احکام پر عمل نہ کیا جائے اور ان کی خلاف ورزی کی جائے۔ ایسے آدمی کو فقہی اصطلاح میں فاسق و فاجر کہا جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۳ۙ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۴ۚ
اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ
مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۵ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا
قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَ

Marfat.com

لَيۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰى ۚ وَ اِنِّىۡ سَمَّيۡتُهَا مَرۡيَمَ وَ اِنِّىۡۤ اُعِيۡذُهَا
بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوۡلٍ
حَسَنٍ وَّ اَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا
زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا ۚ قَالَ يٰمَرۡيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ
قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

(آل عمران : 33 تا 37)

''بے شک اللہ نے آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو دنیا والوں کے لیے پیشوا چنا تھا۔ یہ سب ایک ہی نسل سے تھے۔ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ یاد کرو جب عمران کے خاندان کی عورت نے کہا: ''اے میرے رب! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے، میں اُس کی نذر مانتی ہوں۔ اُسے صرف تیری عبادت کے لیے آزاد اور وقف کرتی ہوں۔ میری طرف سے یہ نذر قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔'' پھر جب اس کے ہاں بچی پیدا ہوگئی تو اس نے کہا: ''اے میرے رب! یہ تو لڑکی ہے، حالانکہ اُس نے جو جنا تھا، اللہ اُسے خوب جانتا تھا، اور لڑکا تو لڑکی کی طرح نہیں ہوتا۔ خیر، اب میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ میں اُسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے بچانے کے لیے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ پھر مریم کو اس کے رب نے نذر کے طور پر اچھی طرح قبول فرمایا۔ اسے عمدہ طریقے سے پروان چڑھایا اور زکریا علیہ السلام کو اُس کا سرپرست بنایا۔ جب زکریا علیہ السلام اس کی عبادت کے حجرے میں داخل ہوتے تو مریم کے پاس کھانے کی کئی چیزیں دیکھتے۔ ایک روز پوچھا: ''مریم! یہ چیزیں تمھیں کہاں سے ملتی ہیں؟ اس نے جواب دیا: ''یہ اللہ نے بھیجی ہیں۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

نُوۡحًا: ......حضرت نوح علیہ السلام مراد ہیں جو اللہ کے نبی اور رسول لفظ ''نوح'' کے معنی ایسے شخص کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری میں گریہ وزاری اور عاجزی کرنے والا ہو۔

اٰلِ عِمۡرٰنَ: ......(عمران کا خاندان)۔ عمران دو ہیں: ایک وہ جو موسیٰ علیہ السلام کے والد ہیں، دوسرے سیّدہ مریم علیہا السلام کے والد کا نام بھی عمران تھا۔

Marfat.com

مُحَرَّرًا: ...... (ح ر ر) اس کے معنی ہیں آزاد کیا گیا۔ مراد ہے اللہ کی راہ میں وقف کیا گیا۔ (DEVOTED)

لَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی: ...... (لڑکا، لڑکی کی طرح نہیں ہوتا) یہ اصل میں تھا لَیْسَ الْاُنْثٰی کَا لذَّکَرِ کہ لڑکی لڑکے کی طرح نہیں ہوتی۔

مَرْیَمَ: ...... مریم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا نام۔ عبرانی زبان میں اس کے معنی "اللہ والی" یا "رب کی بندی" کے ہیں۔

اَنْبَتَھَا: ...... (ن ب ت) اس کے اصل معنی ہیں: اس نے اُسے اُگایا۔ لیکن مراد ہے اللہ تعالیٰ نے اُس (مریم علیہا السلام) کی خوب پرورش کی۔

کَفَّلَ: ...... (اُس نے کفالت میں دیا) گویا اُس کا کفیل اور سرپرست بنایا۔ جو اس کی پرورش کرے۔

یُصَلِّیْ: ...... (وہ دعا کرتا ہے) اس جگہ اس سے مراد دعا ہے نماز مراد نہیں ہے۔

الْمِحْرَابَ: ...... (محراب، عبادت کا حجرہ) یہ وہ محراب نہیں ہے جو ہمارے ہاں کی مساجد میں امام کے کھڑے ہونے کے لیے بنائی جاتی ہے بلکہ اس سے مراد حجرے بیت المقدس میں عبادت کے لیے جو دو کمرے مخصوص تھے۔ یہ اُن میں سے ایک کا ذکر ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾﴾

(آل عمران : 33)

اس مقام پر عیسائیوں کے شرک، اُن کی بدعات اور گمراہیوں کا مضمون شروع ہو رہا ہے...... اور اُن کو توحید اختیار کرنے اور اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس سے پہلے یہ بیان ہوا تھا کہ: سچا اور مقبول دین صرف اسلام ہے جو توحید کی تعلیم دیتا ہے۔ جو تمام نبیوں اور رسولوں کا دین ہے مگر اہل کتاب کے دونوں گروہ...... یہودی اور عیسائی...... محض ضد، حسد اور تعصب کی وجہ سے اُس سچے دینِ اسلام کی مخالفت پر اتر آئے ہیں جو نبی ﷺ نے اُن کے سامنے پیش کیا ہے پھر فرمایا گیا کہ اب دنیا اور آخرت کی کامیابی کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی پیروی کی جائے۔ جو کوئی اس پیروی سے انکار کرتا ہے اُس کا اللہ پر بھی ایمان معتبر نہیں سمجھا جائے گا۔

اب اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ، محبوب اور منتخب بندوں، خاص طور پر نبیوں اور رسولوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جنھوں نے مختلف زمانوں میں توحید کا عقیدہ اپناتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کی، اُس پر ایمان لائے اور اُس کے ہر حکم کی اطاعت کی۔ ان ہستیوں کا طریقہ ہی صحیح دین ہے۔ اسی دین کی طرف حضرت محمد ﷺ دعوت دیتے ہیں۔ اب جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں گے وہی دنیا اور آخرت میں کامیاب اور سرخ رُو ہوں گے۔ جو اس سے منہ موڑیں گے وہ دونوں جہانوں میں ناکام اور نامراد رہیں گے۔

اس آیت میں سب سے پہلے آدم علیہ السلام کا ذکر ہے جو ابو البشر یعنی تمام انسانوں کے باپ تھے، جیسا کہ صحیح مسلم کی

Marfat.com

حدیث رقم: 480 سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو رشد و ہدایت کے لیے چن لیا اور نبی بنایا۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى﴾ (طٰہٰ 20: 122)

''پھر اُس کے رب نے اُسے (آدم علیہ السلام کو) چن لیا۔ پھر اُن کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں ہدایت عطا فرمائی۔''

صحیح حدیث سے آدم علیہ السلام کا سب سے پہلا نبی ہونا بھی ثابت ہے۔

(ابن ابی شیبہ، طبرانی، مسند احمد، رقم: 21879 عن ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ)

خود قرآن نے بھی اس مقام پر اِصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا (اللہ نے آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کو چن لیا) کہہ کر اُن کے نبی ہونے کی طرف واضح اشارہ کر دیا ہے۔

پھر آگے چل کر آدم علیہ السلام کی نسل سے تمام نبی اور رسول پیدا ہوئے۔

ان میں سب سے پہلے رسول سیّدنا نوح علیہ السلام تھے۔ جن کو آدمِ ثانی (دوسرے آدم) بھی کہا جاتا تھا۔ ان کے زمانے میں پانی کا سخت طوفان اور سیلاب آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کے ذریعے اُن کی اور اُن کے ساتھیوں کی حفاظت فرمائی۔ بعد میں ان کی نسل سے بہت انبیاء ورُسل پیدا ہوئے۔ ان کا تفصیلی ذکر آگے چل کر سورۃ الاعراف اور دوسری کئی سورتوں میں آئے گا۔

پھر اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی آل و اولاد کا ذکر آیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ اور امام الانبیاء بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی اور رسول بنایا۔ ان کا مفصل حال انشاء اللہ سورۃ الانعام (6) اور بعض دوسرے مقامات پر آئے گا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل و اولاد میں بہت سے انبیاء اور رسول پیدا ہوئے۔ جیسے اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف علیہم السلام۔

- آیت میں آلِ ابراہیم علیہ السلام کے بعد آلِ عمران کا ذکر آیا ہے۔ یہ عمران وہ ہیں جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے والد ماجد ہیں۔

اور ان سب کے بعد اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ جو اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔ جو آلِ ابراہیم سے بھی ہیں، اور اسی سلسلۂ ہدایت و نبوت کی آخری کڑی ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے چن لیا تھا۔ اس لیے اب ان پر ایمان لانے اور ان کی پیروی کرنے ہی میں کامیابی اور نجات ہے۔

﴿ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ﴾ (آل عمران: 34)

فرمایا، یہ سب لوگ ایک دوسرے کی نسل سے تھے۔ آلِ عمران نسل ہیں آلِ ابراہیم علیہ السلام کی، آلِ ابراہیم علیہ السلام نسل ہیں نوح علیہ السلام کی اور نوح علیہ السلام نسل ہیں آدم علیہ السلام کی۔ اس طرح یہ سب ایک باپ آدم علیہ السلام کی نسل اور اولاد ہیں۔

Marfat.com

اوپر کے فقرے کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی طرح کے نیک اور صالح انسان تھے۔ ان کو یکساں طور پر اللہ تعالیٰ نے ہدایت و نبوت کے لیے اَصْطَفٰی یعنی چن لیا تھا۔

جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ (التوبة 9: 67)

''(منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں) آیا ہے۔''

آگے چل کر سورۂ الانعام (6) آیت 87 میں آلِ ابراہیم یعنی ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی اولاد کا تفصیلی ذکر ہے:

﴿وَ تِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَیْنَا ۚ وَ نُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَ زَكَرِیَّا وَ یَحْیٰى وَ عِیْسٰى وَ اِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ الْیَسَعَ وَ یُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ وَ هَدَیْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝﴾ (الانعام 6: 83 تا 87)

''یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اُس کی قوم کے مقابلے میں دی۔ ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب حکمت والا اور علم والا ہے۔ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام بیٹا اور یعقوب علیہ السلام پوتا عطا فرمایا۔ انہیں ہم نے ہدایت بخشی۔ ان سے پہلے ہم نے نوح علیہ السلام کو بھی ہدایت سے نوازا۔ اُس کی نسل میں سے داوٗد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون علیہم السلام...... سب کو ہم نے ہدایت کی توفیق دی۔ نیک لوگوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ اسی طرح زکریا، یحیٰ، عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام کو بھی ہم نے ہدایت کی راہ دکھائی۔ ان میں سے ہر ایک صالح اور نیک تھا۔ اس کے علاوہ اسماعیل، یسع، یونس اور لوط علیہم السلام کو بھی ہدایت سے سرفراز کیا۔ ان میں سے ہر ایک کو ہم نے دنیا والوں پر فضیلت عطا کی۔ اور ان کے باپ دادوں، ان کی اولاد، اور ان کے بھائی بندوں میں سے بہت سے لوگوں کو ہم نے راہِ راست دکھائی۔ ہم نے اُن کو چن لیا اور اُنہیں سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق دی۔''

﴿وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۳۴﴾ (آل عمران: 34)

فرمایا، جن نیک لوگوں اور خاندانوں کا اوپر ذکر ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کی باتیں سننے والا اور ان کی نیت کے خلوص کو جاننے والا ہے۔ وہ ان کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے۔

﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ

Marfat.com

﴿اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ (آل عمران : 35)

فرمایا، یاد کرو جب عمران کی بیوی (سیّدہ مریم کی ماں، جس کا نام حَنّہ بتایا جاتا ہے) نے حاملہ ہونے کے بعد اپنے رب سے دعا کی تھی...... یاد رہے یہ وہ عمران ہیں جو سیّدہ مریم کے والد اور عیسیٰ علیہ السلام کے نانا ہیں۔ اس سے پہلے جس عمران کا ذکر تھا وہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے والد ماجد تھے۔ ان دونوں "عمرانوں" کے زمانے میں قریباً اٹھارہ سو (1800) برس کا فرق ہے...... وہ دعا یہ تھی کہ اے میرے رب! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے، میں اُس کی نذر مانتی ہوں۔ اسے دنیا کے کاموں اور والدین کی خدمت سے فارغ اور آزاد کرتی ہوں۔ صرف تیری عبادت کے لیے وقف کرتی ہوں۔ میری طرف سے یہ نذر قبول فرما! بے شک تو دعائیں سنتا اور دلوں کا حال جانتا ہے۔

﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی﴾ (آل عمران : 36)

پھر جب عمران کی بیوی کے ہاں بچی پیدا ہوگئی تو اس نے پریشان ہو کر کہا: اے میرے رب! یہ تو لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ میں نے تو نذر مانی تھی اور یہ چاہا تھا کہ لڑکا ہوتا جس کو میں تیرے دین کے لیے وقف کرتی۔ وہ بیت المقدس (ہیکل) میں عبادت کرتا اور وہاں خدمت سرانجام دیتا۔

یاد رہے کہ بنی اسرائیل کے ہاں بیت المقدس (ہیکل) میں عبادت اور خدمت کا کام صرف مرد کر سکتے تھے، عورتوں کو اس کی اجازت نہ تھی۔

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ﴾ (آل عمران : 36)

یہ جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم تھا کہ اس عورت نے جس بچی کو جنم دیا ہے، اُس کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔ وہ کئی لڑکوں سے بڑھ کر بلند درجہ لڑکی ہے۔ اسے معمولی لڑکی سمجھ کر اس کی ماں کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تو بڑی شان اور مرتبے والی ہے۔ اس کا درجہ بہت سے مردوں سے بڑھ کر ہوگا اور یہ بیت المقدس (ہیکل) میں عبادت اور خدمت کا کام بھی کرے گی۔

﴿وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی﴾ (آل عمران : 36)

اس فقرے کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

1۔ ایک یہ کہ اُس عورت نے کہا اگر میرے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ ذکر و عبادت اور بیت المقدس (ہیکل) کی خدمت کا کام کر سکتا تھا۔ میں نے اُسی کی خاطر نذر مانی تھی۔ لڑکیوں کو تو اس کام کی اجازت نہیں تو میری نذر کیسے پوری ہو سکے گی۔

2۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ عورت جس طرح کا لڑکا چاہتی تھی کہ اُس کے ہاں پیدا ہو، اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر لڑکی اُسے عطا فرما دی۔ اگر لڑکا ہوتا تو وہ بھی اس لڑکی کے درجے اور مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔

ہماری رائے میں یہ دوسرے معنی راجح اور زیادہ صحیح ہیں۔

Marfat.com

﴿وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾

(آل عمران : 36)

مریم کی ماں بولی میں نے اپنی اس بچی کا نام مریم رکھا ہے۔ (مریم کے معنی ہیں اللہ کی بندی، اللہ والی) اگر یہ لڑکا ہوتا تو میں اسے اپنی نذر کے مطابق اللہ کی عبادت اور بیت المقدس (ہیکل) کی خدمت ونگرانی کے لیے وقف کر دیتی۔ بہر حال میں اپنی مانی ہوئی نذر کو اب اس طرح پورا کرنا چاہتی ہوں کہ اس لڑکی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کر دوں۔ یہ بیت المقدس کی عبادت گاہ کے کسی حجرے اور کمرے میں رہے اور ذکر وعبادتُ میں مشغول رہے۔ میں اس کو اور اس کی آیندہ ہونے والی اولاد کو شیطان مردود سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتی ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے مریم کی ماں کی یہ دعا قبول فرمائی۔

جیسا کہ ایک متفق علیہ حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیّدہ مریم اور اُن کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام دونوں کو اُن کی پیدائش کے موقع پر شیطان کے وسوسے اور اثر سے محفوظ رکھا تھا۔

(صحیح بخاری، رقم: 3286، صحیح مسلم، رقم: 6133)

خود حضرت محمد ﷺ کے شق صدر اور غسلِ قلب (دل کو دھونے) سے متعلق ایک متفق علیہ حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے قلب مبارک کو بھی ہر طرح کے شیطانی وسوسے سے بالکل محفوظ فرما دیا تھا۔ جیسا کہ معراج کے واقعے سے ثابت ہے)۔ (صحیح بخاری، رقم: 3887، صحیح مسلم، رقم: 416، نسائی، رقم: 448)

صحیح بخاری میں ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”نبی ﷺ مکے میں تھے کہ آپ ﷺ کے گھر کی چھت کھلی اور جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ انہوں نے پہلے آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا۔ پھر اُسے زمزم کے پانی سے دھویا۔ اس کے بعد سونے اک ایک تھال ایمان وحکمت سے بھر کر لائے اور ان کو سینہ مُبارک میں ڈال کر بند کر دیا۔

(صحیح بخاری، رقم 349)

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ﴾ (آل عمران : 37)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیّدہ مریم کی ماں کی دعا قبول فرمائی۔ اُس کی نذر کو بھی منظور فرمایا۔ ذکر وعبادت اور بیت المقدس (ہیکل) کی خدمت کے لیے سیّدہ مریم کا وقف ہونا بھی قبول کیا اور اُسے فطری طور پر اس کام کے لیے موزوں اور اہل بھی بنا دیا۔

﴿وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾ (آل عمران : 37)

اور اسے خوب پروان چڑھایا۔ جیسے زرخیز زمین کے کسی پودے کی عمدہ نشوونما ہوتی ہے۔ اس طرح اُس کی اچھی پرورش اور اعلیٰ تربیت فرمائی۔ وہ جسمانی صحت، روحانی اخلاق اور صورت وسیرت ہر لحاظ سے ایک بہترین لڑکی بن کر اُبھری۔ اسے زُہد وعبادت کا پاکیزہ ماحول میسر تھا اور ایک نیک آدمی کی نگرانی حاصل تھی۔

Marfat.com

﴿وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾ (آل عمران : 37)

اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کو مریم کا سرپرست اور نگران (GUARDIAN) مقرر کیا۔ جو اُس کی دیکھ بھال اور نگہداشت کرتے۔ ویسے رشتے میں وہ مریم کے خالو بھی تھے۔

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾ (آل عمران : 37)

جب بھی زکریا علیہ السلام سیّدہ مریم کی عبادت کے حجرے میں داخل ہوتے تو وہاں اُس کے پاس غیر معمولی طور پر کھانے پینے کی چیزیں دیکھتے۔

یہ اسرائیلی روایت ہے کہ سیّدہ مریم کو سردیوں میں گرمیوں کے پھل اور گرمیوں میں سردیوں کے پھل ملتے تھے۔ مگر چونکہ اس روایت کی قرآن وحدیث سے ہمیں کوئی تائید نہیں ملتی اس لیے اسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔

﴿قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا﴾ (آل عمران : 37)

ایک دن زکریا علیہ السلام نے سیّدہ مریم سے پوچھ لیا کہ یہ کھانے پینے کی چیزیں غیر معمولی طور پر (UNUSUALLY) تمہارے پاس کیسے آجاتی ہیں، جب کہ اس حجرے میں میرے سوا کوئی اور داخل نہیں ہوتا اور تم یہاں اکیلی رہتی ہو۔

﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (آل عمران : 37)

''سیّدہ مریم نے جواب دیا: یہ سب اللہ کی طرف سے آتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے۔''

بعض لوگ سیّدہ مریم علیہا السلام کی اس کرامت کا انکار کرتے ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ واقعی اُن کی کرامت تھی جو اُن کو غیر معمولی طور پر اشیائے خورد ونوش مل جاتی تھیں۔ کیونکہ اس کے حق میں قرآن مجید ہی میں دو واضح اشارے موجود ہیں۔ ایک تو سیّدہ مریم کا یہ فرمانا کہ: هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بھیجی ہیں۔ دوسرے سیّدہ مریم کا یہی جواب سن کر زکریا علیہ السلام کا اپنے لیے بیٹے کی دعا کرنا، جیسا کہ وہ خود اور اُن کی بیوی دونوں بانجھ تھے کہ جو خدا غیر معمولی طور پر روزی دے سکتا ہے وہ مجھے بڑھاپے اور بانجھ پن کے باوجود اولاد بھی دے سکتا ہے۔

اس دعا کا ذکر آگے آرہا ہے۔

بعض لوگ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ''بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔'' کے فقرے کو سیّدہ مریم کے جواب کا حصہ نہیں مانتے۔ اُن کے خیال میں ایسی عمدہ بات کوئی انسان نہیں کہہ سکتا۔ مگر یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اسی قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کی ایک دعا بیان ہوئی ہے۔ جس کے آخر میں وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ:

﴿وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ (آل عمران 5: 114)

''اور ہمیں رزق عطا فرمایا اور تو ہی بہترین رزق عطا فرمانے والا ہے۔''

Marfat.com

اور دیکھیے کیا یہ بھی اُسی شان کا کلام نہیں جیسے سیّدہ مریم کی زبان سے ادا ہوا ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً
طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ
يُّصَلِّىْ فِى الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ
اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ۗ قَالَ
كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ۗ قَالَ
اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ
كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع ۴ / ۱۱ / ۱۲

(آل عمران: 38 تا 41)

''اس موقع پر زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا: ''اے میرے رب! مجھے اپنی جناب سے نیک اولاد عطا فرما۔ بے شک تو دعائیں سنتا ہے۔'' ابھی زکریا علیہ السلام اپنے عبادت کے حجرے میں کھڑے دعا مانگ رہے تھے کہ فرشتوں نے انہیں آواز دی ''اللہ آپ کو یحییٰ بیٹا پیدا ہونے کی خوشخبری دیتا ہے، جو بڑا ہو کر اُس عیسیٰ نبی علیہ السلام کی تصدیق کرے گا جو اللہ کے خاص حکم سے پیدا ہوگا۔ یحییٰ علیہ السلام لوگوں کا سردار ہوگا، وہ کسی عورت کے قریب نہیں جائے گا اور اللہ کے نیک بندوں میں سے نبی ہوگا۔'' زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: ''اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا، میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟ فرمایا: ''ہاں ایسا ہی ہوگا۔'' اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: ''اے میرے رب! میرے دل کی تسلی کے لیے قبولیت کی کوئی نشانی مقرر کر دے؟'' فرمایا: تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ تین دن تک اشارے کنائے کے سوا تم کوئی بات نہیں کرو گے، اپنے رب کو کثرت سے یاد کرنا اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہنا۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

هُنَالِكَ: ...... (وہاں، اُس جگہ، اُس وقت) یہ اسم ظرف ہے جو جگہ اور وقت دونوں معنوں میں آتا ہے۔

Marfat.com

يُصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ: ......کا مطلب ہے عبادت گاہ میں دعا کر رہے تھے۔ اس جگہ صلاۃ بمعنی دعا ہے جیسے کہ قرآن میں ہے۔

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (التوبة : 103)

''(اے نبی ﷺ) آپ (ﷺ) ان لوگوں کے مال سے زکوۃ لیں۔ اس کے ذریعے اُن کو پاک کریں، اُن کا تزکیہ کریں اور اُن کے لیے دعا کریں۔ بے شک آپ (ﷺ) کی دعا اُن کے لیے باعث تسکین ہوگی۔ اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔''

اس آیت میں "صَلِّ" اور "صَلٰوۃ" کے دونوں الفاظ دعا کے معنوں میں آئے ہیں۔

سَيِّدًا: ......(سردار) یہ سیادت سے ہے جس کے معنی سردار ہونے کے ہیں۔

حَصُوْرًا: ......اس کے معنی ہیں، عورت کے پاس نہ جانے والا۔ اس جگہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف میں یہ لفظ آیا ہے کہ وہ پاک دامنی اور عفت کی وجہ سے کسی عورت کے پاس جانے والا نہ ہوگا۔

عَاقِرٌ: ......اس کے معنی ہیں بانجھ عورت۔ ایسی عورت جس کے ہاں اولاد پیدا نہ ہو۔

اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ: ......(کہ تو لوگوں سے کلام نہیں کرے گا) مراد ہے: اَلَّا تَسْتَطِيْعَ الْكَلَامَ کہ تو بات نہیں کر سکے گا۔

رَمْزًا: ......(اشارے سے)۔ اس سے ہر وہ اشارہ مراد ہے جو ہاتھ سے کیا جائے، یا سر ہلا کر کیا جائے۔ رمز کو کلام اس لیے کہا گیا ہے کہ اس سے بھی وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے جو کلام کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اَلْعَشِيِّ: ......(شام کے وقت)۔ اصل میں اس دوپہر کے بعد سے لے کر رات تک کا وقت مراد ہوتا ہے۔ انگلش میں (EVENING) کا لفظ بھی انہی معنوں میں بولا جاتا ہے۔

اَلْاِبْكَارِ: ......(صبح کے وقت) اصل میں اس سے مراد فجر سے لے کر دن چڑھے کا وقت ہوتا ہے۔ جیسا کہ انگلش میں (MORNING) کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾﴾ (آل عمران : 38)

زکریا علیہ السلام نے سیّدہ مریم کا جواب سنا تو فوراً خیال آیا کہ جو خدا ظاہری اسباب کے بغیر اپنی قدرت سے مریم علیہا السلام کو روزی پہنچاتا ہے، وہی مجھے بھی بغیر ظاہری اسباب کے اولاد دے سکتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے اپنی جناب سے نیک اولاد عطا فرما۔ بے شک تو دعائیں سنتا ہے۔

یاد رہے کہ نیک اور صالح اولاد حاصل کرنے کے لیے یہ قرآنی دعا پڑھنی چاہیے اور یہ بہت مستجاب اور مقبول دعا ہے۔ اس میں صرف اولاد ہی نہیں مانگی جاتی بلکہ نیک اور صالح اولاد مانگی جاتی ہے۔ زکریا علیہ السلام کے اسی واقعے کو سورہ

Marfat.com

مریم کے شروع میں ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے:

﴿ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّاo اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّاo قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّاo وَاِنِّىْ خِفْتُ الْمَوَالِىَ مِنْ وَّرَآءِىْ وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا فَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّاo يَّرِثُنِىْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّاo يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّاo قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّاo قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًاo﴾

(مریم 19: 2 تا 9)

''یہ ذکر ہے اُس رحمت کا جو آپ ﷺ کے رب نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر کی۔ جب زکریا علیہ السلام نے چپکے چپکے اپنے رب کو پکارا، اور دعا کی ''اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی۔ اے میرے رب! تجھ سے مانگ کر میں کبھی محروم نہیں رہا۔ مجھے اپنے رشتہ داروں کے بارے میں اندیشہ ہے کہ میرے بعد وہ دین میں خرابی پیدا نہ کر دیں۔ میری بیوی بانجھ ہے۔ تو اپنے فضل سے مجھے بیٹا عطا فرما جو میرا وارث ہو اور خاندانِ یعقوب علیہ السلام کا بھی وارث ہو۔ اور اے میرے رب! تو اسے پسندیدہ بنا دینا۔'' آواز آئی ''اے زکریا! ہم تمہیں ایک بیٹے کے پیدا ہونے کی خوش خبری دیتے ہیں۔ نام اُس کا یحییٰ علیہ السلام ہوگا۔ اس نام کا کوئی آدمی ہم نے اس سے پہلے نہیں بنایا۔'' زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: ''اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ گیا ہوں۔'' ارشاد ہوا: ''ایسا ہی ہوگا۔ تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے آسان ہے۔ میں نے اس سے پہلے خود تمہیں پیدا کیا حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔''

﴿فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىْ فِى الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٣٩﴾﴾

(آل عمران: 39)

زکریا علیہ السلام کی دعا فوراً قبول ہوئی۔ وہ ابھی بیت المقدس (ہیکل) کی عبادت گاہ میں کھڑے تھے کہ فرشتوں نے اُن کو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ نامی بیٹا پیدا ہونے کی خوش خبری دیتا ہے۔ (یہ وہی یحییٰ ہیں جن کو بائیبل میں یوحنا اور JOHN کہا گیا ہے) جو بڑا ہو کر اُس عیسیٰ نبی علیہ السلام کی تصدیق کرے گا جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُـــنْ (ہو جا) سے پیدا ہوگا۔ یحییٰ علیہ السلام لوگوں کا سردار بنے گا۔ وہ کسی عورت کے قریب نہیں جائے گا کیونکہ وہ شادی نہیں کرے گا اور وہ اللہ کے نیک بندوں میں سے نبی ہوگا۔

اس جگہ ﴿فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ''پھر فرشتوں نے اُسے پکارا'' کے الفاظ آئے ہیں۔ ہماری رائے میں جیسا کہ

Marfat.com

تفسیر طبری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول موجود ہے کہ یہ آواز تو صرف جبرائیل علیہ السلام کی تھی مگر اُن کو جمع کے صیغے میں ملائکہ (فرشتے) کہا گیا ہے۔ یہ جمع کہہ کر واحد مراد لینے کا عام اسلوب ہے جو دنیا کی کئی دوسری زبانوں کی طرح عربی زبان میں بھی پایا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی تمہید تھی۔ اس کے علاوہ یحییٰ علیہ السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کی غیر معمولی پیدائش اور نبوت و رسالت کی پیش گوئی بھی کی تھی اور تصدیق بھی کی تھی۔

﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾ (آل عمران : 40)

بیٹا پیدا ہونے کی خوش خبری سن کر زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا جب کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟ تیری قدرت تو ہے مگر اسباب موجود نہیں ہیں۔

اس آیت میں اَلْكِبَرُ تعریف کے اسلوب پر دوسری آیت میں اَلْكِبَرِ عِتِيًّا (انتہائی زیادہ بڑھاپا) کہا گیا ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا﴾ (مریم 19 : 8)

"(زکریا علیہ السلام نے) عرض کیا: "اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی آخر حد کو پہنچ گیا ہوں۔"

اس پر جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ہاں، ایسا ہی ہوگا جیسا کہ بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ اسباب و وسائل کا محتاج نہیں۔ وہ اپنی قدرت سے جو چاہے کر سکتا ہے۔ یہ جواب سن کر زکریا علیہ السلام کو اطمینان حاصل ہوگیا۔

﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً﴾ (آل عمران : 41)

مگر پھر خوشی کے عالم میں زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میرے دل کی تسلی کے لیے میری اس دعا کی قبولیت کی کوئی نشانی بتا دیجیے کہ حمل ٹھہر گیا ہے تاکہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کر سکوں۔

﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ﴾ (آل عمران : 41)

اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کو بیٹا پیدا ہونے کی یہ نشانی بتائی کہ تم تین دن کے روزے رکھ لینا اور اس دوران میں زبان سے کوئی بات چیت نہ کرنا سوائے اشارہ کرنے کے۔

یاد رہے اُس زمانے کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ روزے کی حالت میں بات چیت منع تھی جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے کہ مریم علیہا السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ روزے کی حالت میں کسی سے کوئی بات نہیں کر سکتیں:

﴿فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِىْٓ اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ

Marfat.com

اِنۡسِیًّا﴾

(مریم 19 : 26)

''پھر اگر کوئی آدمی تجھے دیکھ لے تو اسے اشارے سے کہہ دینا کہ میں نے خدائے رحمان کے لیے روزہ رکھا ہے، جس کی وجہ سے آج میں کسی انسان سے نہیں بولوں گی۔''

اس لیے ہمارے نزدیک بعض لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین دنوں کے لیے زکریا علیہ السلام کی زبان گنگ کر دی تھی اور وہ اس دوران میں کوشش کے باوجود بھی کچھ بول نہ سکتے تھے۔ ظاہر ہے ایسی حالت کسی نبی یا رسول کے شایانِ شان ہرگز نہیں ہو سکتی کہ اُس کی زبان بندی کر دی جائے اور اُسے دعوت و ارشاد کے کام سے روک دیا جائے۔ دوسرے اسی آیت میں آگے صبح و شام ذکر و تسبیح کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو ظاہر ہے کسی ایسے شخص کے حال کے مناسب نہیں ہے جو کچھ بول نہ سکتا ہو۔

اُس (زکریا علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! میرے لیے اس کی کوئی نشانی مقرر کر دے؟''

فرمایا: ''تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ تم تین رات دن تک لوگوں سے بات نہ کرو گے جب کہ تم تندرست ہو گے۔''

وَ اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰکِ وَ طَہَّرَکِ وَ اصۡطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۲﴾ یٰمَرۡیَمُ اقۡنُتِیۡ لِرَبِّکِ وَ اسۡجُدِیۡ وَ ارۡکَعِیۡ مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہِ اِلَیۡکَ ؕ وَ مَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَہُمۡ اَیُّہُمۡ یَکۡفُلُ مَرۡیَمَ ۪ وَ مَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾

(آل عمران : 42 تا 44)

''یاد کرو جب فرشتوں نے کہا: ''اے مریم! بے شک اللہ نے تمہیں افضل قرار دیا، پاک دامنی بخشی اور دنیا کی عورتوں پر فضیلت عطا کی۔ اے مریم! اپنے رب کی فرماں برداری کرو۔ اُسی کو سجدہ کرو۔ اُسی کے آگے جھکنے والوں کے ساتھ جھک جاؤ۔'' اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ غیب کی باتیں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت اُن کے پاس موجود نہ تھے جب وہ قلموں کے ذریعے قرعہ اندازی کر رہے تھے کہ مریم کی کفالت اور سرپرستی کون کرے؟ اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت اُن کے پاس موجود تھے جب وہ اس کی کفالت کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے۔''

Marfat.com

الفاظ کی تحقیق اور آیات تفسیر:

اَقْلَامُهُمْ :...... (اُن کے قلم) اَقْلَامٌ جمع ہے قَلَمٌ کی جس کے اصل معنی ہیں کاٹنا۔ جیسے سر قلم کرنا۔ اس سے لکھنے کا قلم بھی مراد ہوتا ہے اور قرعہ اندازی کا تیر بھی۔ اس جگہ دوسرے معنی مراد ہیں یعنی قرعہ اندازی کے تیر۔

یَخْتَصِمُوْنَ: ...... (خ ص م) اس کے معنی ہیں: وہ (اس معاملے میں) جھگڑ رہے تھے۔ اس سے پہلے کَانُوْا (وہ تھے) کا لفظ محذوف ہے۔

﴿وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۲﴾ (آل عمران : 42)

اس سے پہلے یہ ذکر تھا کہ آلِ عمران (خاندانِ عمران) کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہدایت و رہنمائی اور نبوت کے لیے چن لیا تھا۔ پھر اسی خاندان کے کچھ لوگوں ...... زکریا اور یحیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا اور اب کچھ مزید افراد سیّدہ مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان ہو رہا ہے۔ اس میں ملائکہ یعنی فرشتوں سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ اس کی وضاحت موجود ہے:

﴿فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۝﴾ (مریم 19 : 17)

”پھر ہم نے اُن کی طرف اپنی طرف سے ایک روح (فرشتے جبرائیل علیہ السلام) کو بھیجا جو اُن کے سامنے ایک پورا انسان بن کر ظاہر ہوا۔“

اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے جبرائیل علیہ السلام نے سیّدہ مریم کو اس آیت میں یہ خوش خبری دی کہ اللہ سبحانہٗ نے تجھے دو طرح سے چن لیا ہے۔ ایک تو اس لیے چن لیا ہے کہ تو اپنے آپ کو وقف کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کرے گی، اور بیت المقدس کے معبد (ہیکل) کی خدمت کرے گی۔ یہ کام اگرچہ مردوں کے لیے مخصوص تھا لیکن سیّدہ مریم کو بھی اس کام کے لیے چنا گیا تھا۔ اس کام کے لیے جو جسمانی طہارت اور روحانی پاکیزگی درکار تھی وہ بھی مہیا کر دی گئی۔ اسے حیض و نفاس سے پاک رکھا گیا۔ اعلیٰ اخلاق و کردار سے آراستہ کیا گیا۔

دوسرے سیّدہ مریم کو ایک آزمائش کے لیے چنا گیا جو اُس کے لیے اعزاز بن گیا کہ وہ ایک ایسے بیٹے کی ماں بنے گی جو بغیر باپ کے پیدا ہوگا اور وہ نبی ہوگا۔ جس کا نام عیسیٰ علیہ السلام ہوگا۔

آیت میں سیّدہ مریم کو دوبارہ چننے (اِصطفاء) کا جو ذکر آیا ہے، یہ ہم نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سیّدہ مریم کو نہ صرف اُن کے اپنے زمانے کی عورتوں پر بلکہ قیامت تک آنے والی تمام خواتین پر فضیلت عطا فرمائی۔

ایک متفق علیہ حدیث میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا آسِيَةُ امْرَءَةُ فِرْعَوْنَ، وَ مَرْيَمُ بِنْتُ

Marfat.com

عِمْرَانَ، وَ اِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ .))

(صحيح بخاری، رقم: 3411، صحيح مسلم، رقم: 6272)

''مردوں میں سے تو بہت سے کامل ہوئے مگر عورتوں میں سے آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران درجۂ کمال تک پہنچ گئیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر ایسی برتری حاصل ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔''

ترمذی میں سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((حَسْبُكَ مِنْ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَ خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ، وَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، وَ آسِيَةُ امْرَءَةُ فِرْعَوْنَ .)) (ترمذی، رقم: 3878)

''سارے جہان کی عورتوں میں سے کمال کے لحاظ سے یہ کافی ہیں: مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد ﷺ اور آسیہ زوجہ فرعون۔''

﴿يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَ ارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ (آل عمران: 43)

سیّدہ مریم کو دوطرح کی فضیلتوں کے لیے چن لینے کے ذکر کے بعد اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اُن کو چاہیے کہ وہ ان فضائل و انعامات کے ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اپنے رب کی اطاعت و فرماں برداری کریں۔ نماز میں دوسروں کی طرح عاجزی اور انکساری کے ساتھ قیام، رکوع اور سجدہ کریں۔

اس جگہ رکوع سے پہلے سجدے کا ذکر آ گیا ہے۔ اس کے بارے میں امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ: واؤ (وَ) کے لیے ترتیب ضروری نہیں ہوتی۔

قدم السجود ھاھنا علی الرکوع لِاَنَّ الواو لا توجب الترتیب کہ اس جگہ سجدے کو رکوع سے پہلے بیان کیا گیا ہے کیونکہ واؤ کے ساتھ کچھ چیزوں کو بیان کرنے میں ترتیب ضروری نہیں ہوتی۔

قرآن مجید میں بھی اس ترتیب کے ضروری نہ ہونے کا اسلوب موجود ہے۔ سورۂ الجاثیہ میں ہے کہ مشرکین کہتے ہیں کہ:

﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ﴾

(الجاثیہ 45: 24)

''اور وہ (مشرکین) کہتے ہیں: زندگی صرف اس دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہم مرتے جیتے ہیں۔''

((وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ .)) ''اور تو بھی رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔'' سے با جماعت نماز مراد نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ سیّدہ مریم کو چاہیے کہ وہ بھی اسی طرح نماز پڑھیں جس طرح بیت المقدس کی عبادت گاہ میں دوسرے عبادت گزار اپنے اپنے حجرے اور گوشوں میں نماز پڑھتے ہیں۔ البتہ

Marfat.com

سورۃ البقرہ میں جو یہ آیا ہے کہ:

﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ﴾ (البقرۃ 2: 43)

''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ تم بھی رکوع کرو۔''

تو اس سے باجماعت نماز ادا کرنے کا ثبوت ملتا ہے جس کے فضائل میں حدیثیں موجود ہیں...... جو مردوں کی ذمہ داری ہے اور اب عورتوں کے لیے یہ لازم نہیں ہے۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۴۴﴾ (آل عمران: 44)

یہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم علیہا السلام کے بارے میں یہ تفصیلی واقعات آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے بتائے جا رہے ہیں۔ ورنہ اس سے پہلے آپ ﷺ وہاں موجود نہ تھے جب اس بات کے لیے قرعہ اندازی کی جا رہی تھی کہ سیدہ مریم کی کفالت اور پرورش کون کرے؟ اور نہ آپ ﷺ اُس وقت وہاں حاضر تھے جب اُن میں جھگڑا پیدا ہو گیا تھا کہ مریم علیہا السلام کا سرپرست اور کفیل کون بنے؟ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ یہ سعادت اُسی کے حصے میں آئے۔ آخر یہ سعادت زکریا علیہ السلام کے حصے میں آئی اور اُن کو سیدہ مریم علیہا السلام کا کفیل اور سرپرست بنا دیا گیا۔

اس مقام پر آیت: ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ ''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو بتا رہے ہیں۔'' کا وہی اسلوب ہے جیسے نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا:

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾ (ھود 11: 49)

''(اے نبی ﷺ) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ ﷺ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ ورنہ اس سے پہلے ان باتوں کو نہ آپ ﷺ جانتے تھے اور نہ آپ ﷺ کی قوم جانتی تھی۔''

یا جیسے موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝﴾ (القصص 28: 44)

''اور اے نبی ﷺ! آپ ﷺ اُس وقت (کوہِ طور کے) مغربی کنارے پر موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو احکام دیے اور نہ آپ ﷺ اس واقعے کے گواہ ہیں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ وَ مَا

Marfat.com

كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا﴾ (القصص 28: 45-46)

''اور آپ ﷺ اہل مَــدْيَــن میں بھی نہیں رہے کہ انہیں ہماری آیتیں سناتے ہوں۔لیکن ہم نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر اُن کا واقعہ بتایا۔ اور آپ ﷺ اُس وقت بھی کوہِ طور کے دامن میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا تھا۔''

قرآن مجید کے ان مقامات کو سامنے رکھیے اور پھر اس کے برعکس ہمارے زمانے کے بعض لوگوں کا یہ عقیدہ دیکھیے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی ﷺ وفات کے بعد بھی اسی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ اور ذاتی صفت کے لحاظ سے ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہے اور نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے اس وصف کی وجہ سے حاضر و ناظر اور ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر نبی ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہوتے ہیں تو پھر وہ کون حاضر و ناظر اور ہر جگہ موجود رہنے والا تھا جس نے مکے سے مدینے ہجرت فرمائی۔ جس نے خیبر اور تبوک کا سفر کیا اور اپنے پیچھے اپنے نائب قائم مقام چھوڑے۔ اس بارے میں صحیح عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کوئی دوسرا اُس کا شریک نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی کسی صفت سے کسی اور کو متصف مان لیا جائے تو اسلام میں یہ شرک کہلاتا ہے جس سے بڑا گناہ کوئی اور نہیں۔

اس بارے میں پوری تفصیل ان شاء اللہ سورۂ احزاب آیت 45 کی تفسیر میں ملے گی۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ
الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ
الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ
قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ
كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ۚ
وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ
اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ

Marfat.com

طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ
اللّٰهِ ۚ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ ۙ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي
ذٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ
بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٥٠﴾ إِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوهُ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾

(آل عمران 3: 45-51)

’’اور یاد کرو جب فرشتوں نے کہا: ’’اے مریم! اللہ اپنے حکم کے ذریعے تمھیں بیٹے کی خوش خبری دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہوگا۔ وہ دنیا اور آخرت میں مرتبے والا ہوگا اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا۔ وہ لوگوں سے باتیں کرے گا جب ماں کی گود میں ہوگا، اور اُس وقت بھی جب وہ بڑی عمر کو پہنچے گا اور وہ اللہ کے نیک بندوں میں سے ہوگا۔‘‘ یہ سن کر مریم علیہا السلام نے عرض کیا: ’’اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا؟ مجھے آج تک کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔‘‘ فرمایا، اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ وہ کہے گا: لوگو! مجھے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ میں تمھارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمھارے لیے مٹی سے کسی پرندے کی صورت بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو اللہ کے حکم سے واقعی پرندہ بن جاتا ہے۔ میں اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں۔ اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کرتا ہوں اور میں تمھیں بتا سکتا ہوں تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا ذخیرہ کرتے ہو؟ بے شک میری ان باتوں میں تمھارے لیے بڑی نشانی ہے، اگر تم ایمان والے ہو۔ اور جو مجھ سے پہلے توریت موجود ہے، میں اُس کی پیش گوئی کو پورا کرنے والا ہوں۔ اور اس لیے آیا ہوں کہ بعض چیزوں کو تمھارے لیے حلال ٹھہراؤں جو اِس سے پہلے تم پر حرام کر دی گئیں۔ میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے کتنی بڑی نشانی لے کر آیا ہوں! لٰہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمھارا بھی۔ صرف اُسی کی عبادت

Marfat.com

کرو۔ سیدھا راستہ یہی ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَلْمَسِیْحُ: ...... (MESSIAH, CHRIST) یہ اصل میں عبرانی زبان (HEBREW) کا مشیحا تھا جو معرب ہو کر (عربی میں آ کر) مسیح بن گیا۔ جیسا کہ عیسیٰ (JESUS) کا لفظ ہے جو اصل میں عبرانی کا یسوع تھا۔

وَجِیْهًا: ...... (و ج ہ) اس کے معنی ہیں: باوقار، معزز۔

اَلْمَهْدِ: ...... اس کے معنی ہیں: جھولا، پنگھوڑا، گہوارہ، گود۔

كَهْلًا: ...... اس کے معنی ہیں: بڑی عمر، اُدھیڑ عمر، پختہ عمر۔

هَیْئَةِ: ...... اس کے معنی ہیں: شکل، صورت۔

اَكْمَهَ: ...... (ک م ہ) اس کے معنی ہیں: پیدائشی اندھا۔

اَبْرَصَ: ...... (ب ر ص) اس کے معنی ہیں: برص (LEPROSY) کا مریض، کوڑھی۔

تَدَّخِرُوْنَ: ...... (ذ خ ر) (تم ذخیرہ یا جمع کرتے ہو، تم رکھ چھوڑتے ہو)۔ اس کا مصدر اِدِّخَارٌ ہے جو اصل میں اِذْتِخَارٌ (افتعال کے وزن پر) تھا۔ یہ لفظ اصل میں تَذْتَخِرُوْنَ تھا جو اِدغام کی وجہ سے تَدَّخِرُوْنَ ہو گیا۔

﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿٤٥﴾﴾ (آل عمران : 45)

فرمایا، یاد کرو جب فرشتوں نے یعنی جبرائیل علیہ السلام نے سیّدہ مریم علیہا السلام سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں خوش خبری ہو کہ بغیر کسی مرد کی ملاقات کے تیرے ہاں بیٹا پیدا ہو گا جو صرف اللہ سبحانہٗ کے ایک کلمے (کُــنْ) سے پیدا ہوگا۔ اُس کا نام عیسیٰ اور لقب مسیح ہوگا۔ وہ دنیا میں محترم، نیک نام، باوقار اور بابرکت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اُسے نبوت کے درجے پر سرفراز فرمائے گا اور اُسے آخرت میں اپنا خاص قرب عطا فرما کر اپنے مقرب بندوں میں شامل کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُنْ (ہو جا) کی تشریح سورۂ یٰسین میں اس طرح کی گئی ہے:

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ○﴾ (یٰسٓ 36: 82)

"بے شک جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا، اور وہ ہو جاتا ہے۔"

ممکن ہے یہ کُنْ (ہو جا) کا کلمہ ایک تمثیل اور اشارہ ہو جس کا مطلب ہے کہ اللہ جو چاہے فوراً کر سکتا ہے۔ اُوپر کی آیت میں جہاں سیّدہ مریم سے بات ہو رہی تھی اُن کے بیٹے کے نام کے ساتھ اُن کا اپنا نام "مریم" بھی لیا گیا ہے تاکہ اس بات کی وضاحت بھی ہو جائے کہ وہ بیٹا بغیر باپ کے پیدا ہوگا۔ اس لیے اُس کا نسب ماں کی طرف ہوگا۔ قرآن مجید میں سولہ (16) مقامات پر عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ ابن مریم کے الفاظ آئے ہیں تاکہ یہ حقیقت سب کو معلوم ہو جائے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور اس بارے میں جو غلط اور جھوٹی روایتیں پائی جاتی ہیں اُن سب کا خاتمہ ہو جائے۔

Marfat.com

﴿ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ (آل عمران : 46)

یہ اُسی خوش خبری کا حصہ ہے جو اُوپر جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سیّدہ مریم علیہا السلام کو دی گئی کہ تمہارے ہاں جو بیٹا پیدا ہو گا وہ بچپن میں ابھی جھولے میں اور ماں کی گود میں ہوگا کہ لوگوں سے کلام کرے گا کہ اُس کی ماں پاک دامن ہے۔ وہ خود بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ وہ کہولت یعنی بڑی عمر میں بھی لوگوں سے باتیں کرے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں...... جیسے انبیائے کرام اور صدیقین...... میں شمار ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے، جھولے میں صرف ایک ہی موقع پر کلام کیا تھا جس میں انہوں نے اپنی ماں کی پاک دامنی کی گواہی دی تھی۔

لیکن عیسائیوں کا عقیدہ قرآن کے بیان کے برعکس یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے نہ تو جھولے میں کوئی کلام کیا تھا اور نہ اُس وقت اپنی ماں کی پاک دامنی اور عصمت وعفت بیان کی تھی۔

اس آیت کے مضمون کی وضاحت سورہ مریم کی درج ذیل آیات سے ہو جاتی ہے:

﴿ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ط قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّاo قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّاo وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّاo وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّاo وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّاo ﴾ (مریم 19 : 29 تا 33)

”پھر اُس (مریم علیہا السلام) نے بچے کی طرف اشارہ کیا تو لوگوں نے کہا: ”ہم کیسے اِس سے بات کریں جو ابھی گود میں بچہ ہے؟“ بچہ بولا: ”میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں، اُس نے مجھے برکت والا بنایا۔ اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی جب تک میں زندہ رہوں۔ اُس نے مجھے میری ماں کا خدمت گزار بنایا۔ مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔ مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا، جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا۔“

﴿ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ط ﴾ (آل عمران : 47)

اپنے ہاں بیٹا پیدا ہونے کی بات سن کر سیّدہ مریم نے تعجب سے کہا کہ اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا جب کہ مجھے آج تک کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔

﴿ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾

(آل عمران : 47)

آواز آئی، ایسے ہی ہوگا جیسے بتا دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ وہ اسباب اور وسائل کا محتاج نہیں۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ جب کسی کام کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو اس کے لیے صرف کُنْ (ہو جا) کہتا ہے اور وہ کام ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

﴿وَ یُعَلِّمُهُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ﴾ (آل عمران : 48)

یہ بھی اُسی خوش خبری کا حصہ ہے جو سیّدہ مریم علیہا السلام کو عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے دی گئی کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب وحکمت اور توریت وانجیل سکھائے گا۔

﴿وَ رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ (آل عمران : 49)

سیّدہ مریم علیہا السلام کو یہ خوش خبری بھی دی گئی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس بیٹے کو بنی اسرائیل کے لیے نبی اور رسول بنائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی تیس (30) سال کے تھے کہ اُن کو آسمان پر اُٹھایا گیا۔ اس طرح اُن کی نبوت ورسالت کا عرصہ صرف تین سال بنتا ہے۔

یہی مضمون سورہ الصّف میں بھی بیان ہوا ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ﴾

(الصف 61: 6)

''یاد کرو جب عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ سیّدنا مسیح علیہ السلام کی نبوت ورسالت صرف بنی اسرائیل کی قوم تک محدود تھی اور وہ ساری دنیا کے لیے نبی اور رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ موجودہ عیسائیوں کا یہ دعویٰ قرآن مجید کے بیان کے خلاف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور اُن کا پیغام ساری دنیا کے لیے ہے۔ خود بائیبل میں بھی ان کی اپنی تصریح موجود ہے کہ مجھے صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو اکٹھا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ انہوں نے اپنے حواریوں کو بھی غیر قوموں کی طرف تبلیغ کرنے سے روکا تھا۔ مگر اس کے باوجود عیسائی مبلغین اور مشنری ساری دنیا میں مسیح علیہ السلام کے نام سے منسوب غلط تعلیم کا پرچار کرتے پھرتے ہیں۔

﴿اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِکُمْ ؕ﴾ (آل عمران : 49)

اب وہ باتیں بیان کی جا رہی ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام نے نبوت ورسالت ملنے کے بعد اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے کہی تھیں۔ یہ گویا اپنی قوم سے اُن کی منادی تھی۔

عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل (یہودیوں) کو خطاب کر کے کہا تھا کہ: میں تمہارے رب کی طرف سے اپنی نبوت ورسالت کے سچا ہونے کی نشانی اور معجزے لے کر آیا ہوں۔ مثلاً میں تمہارے سامنے مٹی سے کسی پرندے کی صورت بناتا ہوں اور پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے واقعی پرندہ بن جائے گا۔ اسی طرح اللہ کے حکم سے میں پیدائشی اندھوں کو بینا اور دیکھنے والا بنا سکتا ہوں۔ کوڑھیوں (LEPERS) کو اچھا اور تندرست کر سکتا ہوں اور

Marfat.com

مردوں کو زندہ کرسکتا ہوں۔ اِس کے علاوہ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ تم لوگ اپنے گھروں میں کیا کھاتے ہو اور کیا جمع رکھتے ہو جو کل کھاؤ گے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (آل عمران : 49)

یہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی اُس منادی کا حصہ ہے جو اوپر سے چلی آ رہی ہے کہ انہوں نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ اب میرے اتنے معجزے اور میری اتنی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد تمہیں یقین کر لینا چاہیے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا واقعی سچا نبی اور رسول ہوں۔ تمہیں اب میری نبوت و رسالت پر ایمان لانا چاہیے اور میری اطاعت اور پیروی کرنی چاہیے۔

اس مقام پر یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ ہر نبی کو جو معجزہ دیا گیا وہ اُس کی قوم کی نفسیات اور اُس زمانے کے حالات کے مطابق دیا گیا۔ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں جادوگری کا بڑا چرچا تھا تو اُن کو ایسا معجزہ دیا گیا جو جادوگری کا ٹھیک ٹھیک توڑ ثابت ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں حکیموں اور طبیبوں کا بہت زور تھا۔ جو مختلف امراض کا بہت اچھا علاج کر لیتے تھے۔ اسی مناسبت سے مسیح علیہ السلام کو ایسے معجزات دیے گئے جو ایسی بیماریوں کا علاج بھی کر سکتے تھے جن کا علاج کرنے سے وقت کے حکیم اور طبیب لوگ عاجز تھے۔ آپ نے اپنے زمانے میں کئی پیدائشی اندھوں اور کوڑھیوں کو صرف اُن کے جسموں پر ہاتھ پھیر کر (مسح کر کے) ٹھیک کر دیا تھا۔ چند مردوں کو بھی زندہ کر دیا۔ بلکہ خود آپ کی اپنی پیدائش بھی سراسر ایک معجزہ تھا۔

اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عربوں کو اپنی زبان آوری، فصاحت و بلاغت، شاعری اور خطابت پر بڑا ناز تھا اور وہ دوسری قوموں کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا معجزہ عطا فرمایا جس کے سامنے عرب شاعروں اور خطیبوں کی زبانیں گنگ ہو گئیں وہ اس کلام کا جواب لانے سے قاصر رہے۔ بلکہ انہوں نے قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اعجازِ بیان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عام قوانینِ فطرت (LAWS OF NATURE) سے ہٹ کر کچھ ایسے معجزے دکھاتا اور مافوق الفطرت کام کرتا ہے جس سے انسانوں کو یقین ہو جائے کہ اللہ سبحانہٗ واقعی موجود ہے اور وہ ہر شے کا خالق اور ہر چیز پر قادر ہے۔

﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾
(آل عمران : 50)

یہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی منادی کا حصے ہے کہ انہوں نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ میں موسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی توریت کا انکار نہیں کرتا بلکہ اُس کی تصدیق کرتا ہوں اور اسے مانتا ہوں۔ میری نبوت کے بارے میں اُس میں جو پیش گوئی (FORTELLING) موجود ہے میں اس کو سچا ثابت کرنے والا ہوں۔ البتہ بعض پاکیزہ چیزیں

Marfat.com

(طیبات) جو تمہاری سرکشی و نافرمانی اور تمہارے علماء کی غلط بیانی کی وجہ سے تم پر حرام کر دی گئی تھیں، اُن کو حلال اور جائز قرار دیتا ہوں۔ جیسے اونٹ کا گوشت، حلال جانوروں کی چربی اور ہفتے کے دن دنیا کے کام کرنے کی اجازت وغیرہ۔

یاد رہے کہ ہر نبی کا دین ایک ہی تھا اور وہ اسلام ہے۔ اس لیے عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دوسرے نبیوں اور رسولوں کے دین اور اُن کی کتابوں کی تصدیق کی تھی۔ البتہ ہر نبی اور رسول کی شریعت الگ الگ تھی۔

﴿وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝﴾ (آل عمران : 50)

یہ فقرہ دوبارہ آ گیا ہے اور اس کا تعلق بعد والے فقرے سے ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: جب تم نے میرے بہت سے معجزے دیکھ لیے ہیں۔ میرے نبی ہونے کی کئی نشانیوں کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ تو اب تم پر لازم ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے ڈرو۔ اس کی سرکشی اور نافرمانی سے بچو۔ زندگی کے ہر معاملے میں میری اطاعت اور پیروی کرو۔ اسی میں تمہارے لیے کامیابی اور نجات ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝﴾ (آل عمران : 51)

یہ عیسائیوں کے اس عقیدے کی تردید ہے جو وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ خود مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہی توحید کی تعلیم دی تھی کہ میرا اور تمہارا رب ایک اللہ ہے۔ تم صرف اُسی کی عبادت کرو۔ یہی ہدایت کا سیدھا راستہ ہے۔

مگر عیسائیوں نے جو عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کے دعوے دار ہیں، توحید کی جگہ تین خداؤں کی تثلیث (TRINITY) کا مشرکانہ عقیدہ گھڑ لیا اور ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ
قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ اشْهَدْ بِاَنَّا
مُسْلِمُوْنَ ۝٥٢ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا
مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝٥٣ وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝٥٤ ع ٥ ١٣/١٢
اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ
مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ

Marfat.com

فِيهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا
شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَ اَمَّا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ط وَ
اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٧﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَ
الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿٥٨﴾

(آل عمران 3: 52 تا 58)

''پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر پر تلے ہوئے ہیں تو فرمایا: ''کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنتا ہے؟'' حواریوں نے عرض کیا ''ہم حاضر ہیں، اللہ کے دین کے خادم! ہم اللہ پر ایمان لائے۔ آپ گواہ رہنا کہ ہم فرماں بردار ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم اُس کتاب پر ایمان لائے جو تو نے نازل کی۔ ہم نے تیرے رسول کی پیروی قبول کی۔ ہمارا نام دینِ حق کی گواہی دینے والوں میں لکھ لے!'' مگر یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف چال چلی اور اللہ نے بھی ان کے مقابلے میں ایک چال چلی۔ اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔ یاد کرو جب اللہ نے فرمایا: ''اے عیسیٰ علیہ السلام! میں تمہارا وقت پورا کر کے تمہیں اپنی طرف اُٹھالوں گا۔ کافروں کی تہمتوں سے تمہیں پاک رکھوں گا اور تیرے پیروکاروں کو تیرے مخالفوں پر غلبہ عطا کروں گا۔'' آخر ایک دن تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے۔ پھر میں تمہارے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کروں گا جن کے بارے میں تم دنیا میں اختلاف کرتے رہے اور کافروں کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور اُن کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، اللہ اُن کو پورا اجر دے گا۔ مگر اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآنِ حکیم کی یہ آیتیں سنا رہے ہیں۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَحَسَّ: ......(ح س س) اس کے معنی ہیں: اُس نے محسوس کیا، اُس نے اچھی طرح جان لیا۔ جیسے حواس سے کسی چیز کو معلوم کر لیا جاتا ہے۔ یہ اصل میں اَحْسَسَ يُحْسِسُ اِحْسَاسٌ باب افعال سے ہے۔

اَنْصَارِیْ: ......(میرے مددگار) یہ نَاصِرٌ یا نَصِیْرٌ کی جمع ہے۔

Marfat.com

اَلْحَوَارِیُّوْنَ: ...... (ح و ر) یہ جمع ہے حَوَارِیٌّ کی جس کے معنی ہیں خاص مددگار۔ دلی دوست۔ جانثار دوست، جگری، دوست۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کا لقب یا خطاب ہے۔ اس جگہ یہ لفظ عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں کے لیے آیا ہے۔

مَکَرُوْا: ...... (انہوں نے مکر کیا، خفیہ تدبیر کی، چال چلی)۔ عربی زبان میں بھی اردو زبان کی طرح مکر کا لفظ بری چال اور بری تدبیر کے معنوں میں آتا ہے۔ لیکن جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اُن کی بری چال چلنے پر بدلہ اور سزا دے گا۔ اس طرح لوگوں کی بری چال خود اُنہی پر اُلٹا دی جاتی ہے۔

مُتَوَفِّیْكَ: ...... (و ف ی) مُتَوَفِّیْ: یہ باب تفعل سے اسم فاعل ہے۔ مشہور ماہر لغت علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر ''الکشاف'' میں مُتَوَفِّیْكَ کے یہ معنی لکھتے ہیں:

((اَیْ مُسْتَوْفِیْ اَجَلَكَ .)) ''میں تیری مقررہ مدت پوری کروں گا'' اور اس سے یہ مراد لی ہے کہ:

((اِنِّیْ عَاصِمُكَ مِنْ اَنْ یَّقْتُلَكَ الْکُفَّارُ وَمُؤَخِّرُكَ اِلٰی اَجَلٍ کَتَبْتُهٗ لَكَ وَمُمِیْتُكَ حَتْفَ اَنْفِكَ لَا قَتْلًا بِاَیْدِیْهِمْ .))

''بے شک میں تجھے کافروں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچاؤں گا۔ میں نے تیری لیے جو مقررہ مدت لکھ دی ہے اُس تک تجھے مہلت دوں گا۔ میں تجھے طبعی وفات دوں گا۔ تو کفار کے ہاتھوں سے قتل نہیں ہوگا۔''

اَلذِّکْرِ الْحَکِیْمِ: ...... (حکمت بھری نصیحت، یاددہانی) اس سے مراد قرآن حکیم ہے۔

﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْکُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ﴾ (آل عمران : 52)

پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اُس کی قوم بنی اسرائیل کے سردار اور مذہبی پیشوا اُس کی دعوت کو ماننے پر تیار نہیں ہیں اور وہ کفر و سرکشی پر تلے ہوئے ہیں تو اُن سے فرمایا:

''کون ہے جو دین کے کام میں میرا ساتھی اور حواری بنے؟''

﴿قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾

(آل عمران : 52)

اس پر عیسیٰ علیہ السلام کے چند ساتھیوں اور حواریوں نے کہا:

''ہم حاضر ہیں، اللہ کے دین کے خادم! ہم اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان لائے ہیں۔ آپ گواہ رہیں کہ ہم اللہ ہی کے فرماں بردار ہیں اور اسلام لا چکے ہیں۔''

حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے ایمان اور اسلام پر اس لیے گواہ بنایا تھا کیونکہ قیامت کے دن تمام پیغمبر اپنی اپنی اُمت پر گواہ بنیں گے اور لوگوں کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ حواریوں نے اپنے آپ کو مُسْلِمُوْنَ (اسلام لانے

Marfat.com

والے مسلمان اور فرماں بردار) کہا ہے۔ جس سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ ہر نبی کا دین صرف اسلام تھا۔ اگر چہ شریعت جدا جدا تھی۔

اس مقام پر "اَنْصَارُ اللّٰہِ" (اللہ کے مددگار) کی ترکیب کے بارے میں ہمارے ہاں کے کچھ مترجمین اور مفسرین کو سخت اُلجھن اور اِشکال پیش آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے، اُسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں، پھر یہ ''اللہ کے مددگار'' کے کیا معنی ہوئے؟

اصل بات یہ ہے کہ جو بندہ بھی کسی کا کوئی کام کرتا ہے یا کوئی خدمت سرانجام دیتا ہے تو عربی اسلوب میں اس کا ''ناصر'' ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کو علم حدیث کی خاص خدمت کرنے پر ''ناصر الحدیث'' کا لقب دیا گیا تھا۔ جو بندہ اللہ کے دین کی خدمت کرتا ہے وہ "نَاصِرُ اللّٰہِ" (ہم اللہ کے مددگار) ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اَنْصَارُ اللّٰہِ کے معنی ہیں: اَنْصَارُ نَبِیِّہٖ وَ دِیْنِہٖ (اللہ کے نبی اور اُس کے دین کے مددگار) اسی طرح تفسیر فتح القدیر میں اس کے یہ معنی بیان کیے گئے ہیں: انصار دینه و رُسُلِهٖ (اللہ کے دین اور اس کے رسولوں کے مددگار اور خدمت گار)۔

تفسیر مراغی میں نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ (ہم اللہ کے مددگار ہیں) کے معنی یہ لکھے گئے ہیں:

نَحْنُ اَنْصَارُ دِیْنِ اللّٰہِ (ہم اللہ کے دین کے مددگار اور خدمت گار ہیں)۔

خود قرآن میں نَصَرَ سے متعلق آیات پر غور کرنے سے یہ اُلجھن بالکل صاف ہو جاتی ہے: مثال کے طور پر چند مقامات دیکھیے:

(۱)۔۔۔۔ ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ﴾ (محمد 47: 7)

''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔''

(۲)۔۔۔۔ ﴿وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ (الحج 22: 40)

''اور اللہ اُن لوگوں کی ضرور مدد فرمائے گا جو اُس کی مدد کریں گے۔ بے شک اللہ بڑی قوت والا اور سب پر غالب ہے۔''

(۳)۔۔۔۔ ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰہِ﴾ (الصف 61: 14)

''اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ۔''

مذکورہ آیات پر جو شخص بھی غور و فکر کرے گا اُسے یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ اللہ کے دین کی خدمت کرنے ہی کو اللہ کی مدد کرنا کہا گیا ہے۔

اس آیت کا نظیر سورۃ الصف کی یہ آیت ہے:

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ

Marfat.com

اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَ کَفَرَتۡ طَّآئِفَۃٌ ۚ فَاَیَّدۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰی عَدُوِّہِمۡ فَاَصۡبَحُوۡا ظٰہِرِیۡنَ ﴿

(الصف 61: 14)

''اے ایمان والو! اللہ کے دین کے خادم بن جاؤ۔ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے حواریوں سے کہا: کون ہے جو میرا ساتھی بنتا ہے اللہ کے دین کی خدمت کرنے میں۔ حواریوں نے جواب دیا: ''ہم ہیں اللہ کے دین کے خادم!'' پھر بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ نے انکار کیا۔ ہم نے ایمان لانے والوں کی اُن کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی جس کے بعد وہ غالب آ گئے۔''

﴿ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ وَ اتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ فَاکۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰہِدِیۡنَ ﴿۵۳﴾ ﴾(آل عمران : 53)

یہ بھی اُنہی حواریوں کی پُر خلوص دعا ہے جس میں انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اب اپنے رب سے بھی اپنے ایمان لانے کا دوبارہ اظہار کیا ہے کہ ہم اُس وحی پر ایمان لا چکے ہیں جو تو نے اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام پر کی ہے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تیرے بھیجے ہوئے رسول یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے ہر حکم کی پیروی کریں گے۔ اب تو ہمیں توحید کی گواہی دینے والے لوگوں میں لکھ لے، جو قیامت کے دن تیری توحید اور تیرے نبیوں اور رسولوں کی نبوت و رسالت کی گواہی دینے والوں میں سے ہوں گے۔

اوپر کا سارا مضمون سورۃ المائدہ (5) آیت 110، 111 میں بھی بیان ہوا ہے:

﴿اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ اذۡکُرۡ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکَ وَ عَلٰی وَالِدَتِکَ ۘ اِذۡ اَیَّدۡتُّکَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ۟ تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَہۡدِ وَ کَہۡلًا ۚ وَ اِذۡ عَلَّمۡتُکَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ ۚ وَ اِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ بِاِذۡنِیۡ فَتَنۡفُخُ فِیۡہَا فَتَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِیۡ وَ تُبۡرِیُٔ الۡاَکۡمَہَ وَ الۡاَبۡرَصَ بِاِذۡنِیۡ ۚ وَ اِذۡ تُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِیۡ ۚ وَ اِذۡ کَفَفۡتُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَنۡکَ اِذۡ جِئۡتَہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡہُمۡ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿ وَ اِذۡ اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِیۡ وَ بِرَسُوۡلِیۡ ۚ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَ اشۡہَدۡ بِاَنَّنَا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿

(المائدہ 5: 110-111)

''جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ ابن مریم! میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری ماں پر کی تھیں۔ میں نے پاک روح جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے تمہاری مدد کی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے جھولے میں بھی اور بڑی عمر میں بھی۔ جب میں نے تمہیں کتاب وحکمت اور توریت وانجیل کی تعلیم دی تھی۔ اور جب تم مٹی سے پرندے جیسی صورت میرے حکم سے بناتے اور پھر اس میں پھونک مارتے تو میرے حکم سے واقعی پرندہ بن جاتا تھا۔ جب تم پیدائشی اندھے اور کوڑھی (LEPER) کو

Marfat.com

میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے۔ جب تم مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکال کھڑا کرتے تھے۔ میں نے تمہیں بنی اسرائیل کے شر سے بچایا۔ جب تم اُن کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے تو اُن کے کافروں نے کہا تھا: یہ سب جادو کے سوا کچھ نہیں...... یاد کرو جب میں نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ: ''ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر!'' وہ بول اٹھے: ہم ایمان لائے۔ تو گواہ رہنا ہم تیرے فرماں بردار ہیں۔''

اِس آیت میں ایمان اور اطاعتِ رسول کے واسطے سے حواریوں کی جو دعا بیان ہوئی ہے وہ ہم مسلمان بھی کر سکتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے سچے اور نیک لوگوں میں شامل کر لے۔ ہماری بخشش ہو اور ہم جنت کے مستحق ٹھہریں۔

﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ (آل عمران : 54)

پھر عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے لیے بنی اسرائیل کے کافروں نے ایک خفیہ چال چلی مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ چال ناکام بنا دی۔ کیونکہ وہ بہترین چال چلنے والا اور خفیہ چالوں کو ناکام بنانا جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بحفاظت آسمان پر اُٹھالیا۔ اس مضمون کی تفصیل انشاء اللہ سورہ النساء (4) آیات 157، 158 میں آئے گی۔

اس مقام پر ﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ﴾ ''اور انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی مکر کیا۔'' آیا ہے جو کہ عربی زبان کا اسلوبِ مشاکلہ کہلاتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ نے مکر کیا اور وہ بہترین مکر کرنے والا ہے بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ کافروں نے ایک خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے اُس کا توڑ کیا اور اُن کو اس خفیہ تدبیر کا بدلہ دیا۔ قرآن کے اس اسلوب کی وضاحت ہم اس سے پہلے سورۃ البقرہ (2) آیت 15 کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں وہاں دیکھ لی جائے۔

﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ ﴾ (آل عمران : 55)

فرمایا، لوگو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ایک نبی اور رسول کی حیثیت سے جتنی مقررہ مدت تو نے دنیا میں رہنا ہے وہ مدت میں پوری کر دوں گا۔ یہودی کفار تجھے قتل کرنے کی سازش کریں گے۔ مگر میں اُن کی اِس سازش کو ناکام بنا کر تجھے آسمان پر بحفاظت اُٹھالوں گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر واضح فرمایا:

﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ﴾ (النساء 4: 157-158)

''اور اُن (یہودیوں) نے اُن کو (عیسیٰ علیہ السلام کو) یقینی طور پر قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اُن کو اپنی طرف اٹھالیا۔''

﴿ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ (آل عمران : 55)

یہ بھی اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ میں تجھے کافروں کی طرف سے لگائی گئی جھوٹی تہمتوں سے، اُن کے جھوٹے الزامات سے اور اُن کے گندے ماحول سے پاک رکھوں گا۔

یہاں کافروں سے مراد ایک تو وہ یہودی ہیں جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام پر ولد الحرام یعنی ناجائز بچہ ہونے کا بہتان لگایا

Marfat.com

اور آپ کی والدہ سیدہ مریم پر بدکار ہونے کی تہمت لگائی تھی۔ دوسرے اس سے مراد وہ عیسائی کافر ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور واقعی مصلوب ہوئے تھے یعنی اُن کو پھانسی دے کر قتل کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعے اور رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کے ذریعے ایسی تمام تہمتوں اور الزامات کی تردید فرمائی اور عیسیٰ علیہ السلام کو ان سب سے بری قرار دیا۔ پھر اُن کو وقت کے گندے ماحول اور ناپاک معاشرے سے الگ کر کے آسمانوں پر فرشتوں کے پاکیزہ ماحول میں پہنچا دیا۔

مسیحیوں کو قرآن اور اسلام کا ممنون ہونا چاہیے تھا کہ جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ پر لگائے گئے یہودیوں کے تمام بہتانوں اور الزاموں کو جھوٹا اور غلط ثابت کیا۔ مگر افسوس آج اُلٹا عیسائیوں کی یہودیوں سے دوستی ہے اور پھر دونوں مل کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہو گئے ہیں۔

﴿وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾ (آل عمران : 55)

یہ بھی اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ میں تیرے سچے پیروکاروں کو قیامت تک کافروں پر غلبہ عطا کروں گا۔

اس جگہ کافروں سے مراد وہ یہودی ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو نہیں مانتے اور سچے پیروکاروں سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت کے وہ لوگ ہیں جو آپ پر سچا ایمان لائے، جنہوں نے آپ کو خدا کا بیٹا قرار نہیں دیا اور جو اپنے زمانے کے صحیح مسلمان تھے۔ دوسرے اِس سے امتِ مسلمہ کے نیک اور مخلص مسلمان مراد ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش گوئی ہے کہ یہودی کفار پر ہمیشہ اہلِ حق کا غلبہ رہے گا جو کبھی دلائل و براہین کے ذریعے فکری غلبہ ہوگا اور کبھی قوت و طاقت کے ساتھ سیاسی اور حکومتی غلبہ رہے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ گذشتہ دو ہزار برسوں میں یہودیوں کو دنیا میں کبھی سیاسی غلبہ حاصل نہیں ہوا، نہ دنیا میں کہیں اُن کی حکومت قائم ہوئی۔ بلکہ وہ پہلے رومیوں کے اور پھر مسلمانوں کے محکوم اور غلام رہے۔ آج اگر اُن کو اسرائیل نامی ریاست حاصل ہوئی ہے تو دراصل یہ ایک طفیلی ریاست ہے جو مغربی عیسائی حکومتوں کے سہارے کھڑی ہے۔ اس استثنیٰ کو بھی قرآن نے دوسرے مقام پر بیان فرما دیا ہے:

﴿ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾

(آل عمران 3: 112)

”وہ (یہودی) جہاں بھی ہوں گے، اُن پر ذلت مسلط رہے گی۔ البتہ اللہ کی طرف سے کسی عہد کی وجہ سے، یا لوگوں کی جانب سے کسی معاہدے کے تحت انہیں کچھ پناہ مل جائے گی۔“

زیرِ نظر آیت میں عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے تین وعدے فرمائے ہیں:

1۔ میں تیرا وقت پورا کروں گا اور تجھے اپنی طرف اُٹھا لوں گا۔

Marfat.com

2۔ تیرے بارے میں مخالفین نے جو جھوٹے الزامات لگائے ہیں، اُن سے تجھے پاک اور بری ثابت کروں گا۔

3۔ تیرے ماننے والوں کو تیرے مخالفوں پر قیامت تک غلبہ عطا کروں گا۔

﴿ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝﴾ (آل عمران : 55)

یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اُس فرمان کا حصہ ہے جو اُس نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ پھر آخرت میں تیرے تمام سچے پیروکاروں کو اور تیرے سارے منکروں اور مخالفوں کو میرے پاس آنا ہے۔ اُس موقع پر میں اُن کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کروں گا۔

باہمی اختلافات سے مراد ہیں عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے دین کے بارے میں بعد کے لوگوں کے اختلافات۔ مثال کے طور پر یہ اختلاف کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کیسے ہوئی تھی؟ یا یہ کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں یا اللہ کے بندے۔ یا پھر یہ کہ اُن کو صلیب پر موت آئی تھی یا اُن کو آسمان پر زندہ اُٹھالیا گیا تھا، وغیرہ۔

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؗ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝﴾ (آل عمران : 56)

"یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اُس کلام کا حصہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا اور اس میں اُس فیصلہ کی وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دے گا اور اُن کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کہیں کوئی مددگار نہ ملے گا۔"

﴿وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝﴾ (آل عمران : 57)

"یہ بھی عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے کہ وہ اُن لوگوں کو جو ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے، پورا پورا اچھا بدلہ دے گا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔"

﴿ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ۝﴾ (آل عمران : 58)

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ سارا واقعہ اور قصہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وحی اور قرآن کی آیتوں کے ذریعے بتا رہے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی سچے نبی اور رسول ہیں۔ رہا یہ قرآن تو یہ ایک ایسی نصیحت کی کتاب ہے جو حکمت سے بھری ہوئی ہے۔

یاد رہے اس آیت میں جو واؤ آیا ہے وہ تفسیر یا عطف بیان کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آیات سے مراد ذکر حکیم ہے اور ان دونوں سے مراد قرآن ہے۔

Marfat.com

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ
لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾
فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا
نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ قف
ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ
الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾ ع ٦ ٩ ١٤

(آل عمران 3: 59 تا 63)

"بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی سی ہے جسے اللہ نے مٹی سے بنایا۔ پھر اپنے حکم سے اسے واقعی آدم علیہ السلام بنا دیا۔ اے نبی ﷺ! آپ ﷺ کے رب کی طرف سے جو کچھ بیان ہوا ہے یہی اصل واقعہ ہے اور آپ ﷺ ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جو شک کرنے والے ہیں۔ اب آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں علم ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی آپ ﷺ سے اِس معاملے میں جھگڑتا ہے تو آپ ﷺ کہہ دیں "میدان میں آ جاؤ، ہم اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں سمیت نکلتے ہیں، تم بھی اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کو ساتھ لے کر نکلو۔ پھر سب مل کر بد دعا کریں کہ جو فریق جھوٹا ہو اُس پر اللہ کی لعنت! اے نبی ﷺ! یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے، برحق ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ لوگ آپ ﷺ کا چیلنج قبول نہ کریں تو یاد رکھیں اللہ اُن جیسے فسادیوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

تُرَاب:...... اس کے معنی مٹی یا خاک کے ہیں۔

تَعَالَوْا:...... (تم آؤ) اِس کے معنی هَلُمَّ (تم آؤ) کے ہیں۔

یہ تَعَالِیٌ (بلندی) سے بنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو بلند مقام کی طرف بلایا جائے۔ لیکن پھر یہ لفظ صرف بلانے کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

Marfat.com

نَبْتَهِلْ:......(ہم دعا کریں) یہ بَهْلَةٌ (یا بُهْلَةٌ) سے بنا ہے۔ جس کے اصل معنی لعنت کرنے کے ہیں لیکن بعد میں اس لفظ کے معنی دعا یا بددعا کرنے کے ہو گئے۔

لَعْنَتَ:......لعنت کے معنی اللہ کی رحمت سے دُوری یا ہلاکت کے ہیں۔

﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ﴾ (آل عمران : 59)

فرمایا جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش انسانی تاریخ کا ایک عجیب وغریب واقعہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُنْ (ہو جا) سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ اس سے بھی عجیب تر ہے کہ وہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اُن کو بھی اللہ تعالیٰ نے کُنْ (ہو جا) کے کلمے کے ذریعے مٹی سے پیدا کیا تھا۔ یہ تَشْبِيْهُ الْغَرِيْبِ بِالْاَغْرَبِ یعنی عجیب سے عجیب تر کی تشبیہ کی مثال ہے۔

پھر اگر آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا ہونے پر اللہ کا بیٹا اور لوگوں کا معبود نہیں مانا جاتا تو عیسیٰ علیہ السلام کو جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے کیوں اللہ کا بیٹا اور لوگوں کا معبود مانا جائے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہو جانے سے اللہ کا بیٹا اور بندوں کا معبود بن جانے کے حق دار تھے تو آدم علیہ السلام جو ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے، اس بات کے زیادہ حق دار تھے کہ اُن کو اللہ کا بیٹا اور بندوں کا معبود مانا جاتا۔ حالانکہ دنیا کا کوئی مذہب بھی ایسا عقیدہ نہیں رکھتا کہ وہ آدم علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور لوگوں کا معبود مانتا ہو۔ اس لیے عیسائیوں کا یہ عقیدہ بالکل غلط ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی غیر معمولی پیدائش کی وجہ سے اللہ کے بیٹے اور لوگوں کے معبود ہیں۔

اِس مقام پر ان لوگوں کے عقیدے کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو آدم علیہ السلام کو ایک شخص (PERSON) نہیں مانتے بلکہ آدم سے بنی آدم یا پوری نوعِ انسانی (HUMANITY) مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ اس جگہ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کا ذکر ہے اس طرح آدم علیہ السلام کی شخصیت (PERSONALITY) کو بیان کیا گیا ہے:

﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝۶۰﴾ (آل عمران : 60)

بظاہر یہ نبی ﷺ کو خطاب ہے مگر حقیقت میں یہ خطابِ عام ہے اور اِس میں وہ سب لوگ شامل ہیں جن تک قرآن کی دعوت پہنچے گی کہ عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ سیّدہ مریم کا جو واقعہ اس جگہ وحی کے ذریعے بتایا گیا ہے وہ سب سچ ہے، حقیقت پر مبنی ہے اور اس بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں نے جو داستانیں مشہور کر رکھی ہیں وہ سب کی سب جھوٹی اور من گھڑت ہیں۔

اس آیت سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ دینِ اسلام عیسائیت پر غالب آئے گا کیونکہ اسلام حق ہے اور عیسائیت باطل ہے۔

Marfat.com

﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝﴾

(آل عمران: 61)

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کو فرمایا گیا کہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے وہی اصل حقیقت ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ سب غلط ہے۔ اس کے بعد بھی اگر نجران کے عیسائی لوگ آپ ﷺ سے بحث اور جھگڑا کرتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور رسول ماننے کی بجائے اُس کا بیٹا ماننے پر بضد ہیں تو پھر ان کو مباہلے کا چیلنج دے دیں کہ ہمارے اور تمہارے اِس اختلاف کا فیصلہ اِس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی اولاد، اپنے بیوی بچوں سمیت آ جاتے ہیں اور تم بھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ میدان میں آ جاؤ۔ پھر ہم سب مل کر یہ بددعا کریں کہ اے اللہ! ہم میں سے جو جھوٹا ہے اُس پر تیری لعنت ہو اور وہ ہلاک ہو۔

پھر جب نبی ﷺ مباہلے کے لیے نکلے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ، سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ تو وفد نجران ہی میں سے ایک شخص نے یہ رائے دی کہ ہمیں مباہلہ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر یہ شخص واقعی نبی ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اس لیے ہمیں مباہلے سے بچنا چاہیے۔

اس طرح نجران کے عیسائی لوگ اس چیلنج کا جواب دینے سے ڈر گئے۔ پھر انہوں نے اسلام تو قبول نہ کیا مگر جزیہ دینے کی شرط پر ذِمّی بن کر رہنا قبول کر لیا۔

مباہلے کے اس واقعے کی تفصیل یہ ہے:

نبی ﷺ نے 9 ہجری کو یمن کے قریب آباد نجران کے علاقے کے عرب عیسائیوں کو اسلام لانے کے لیے خط لکھا تو وہاں کے ساٹھ (60) آدمیوں کا ایک وفد خود ہی مدینے آ گیا۔ نبی ﷺ نے اُن کو مسجد نبوی کے صحن میں رہنے کی اجازت دی اور اُن کے لیے خیمے نصب کیے گئے۔ اس وفد میں عیسائی سرداروں کے علاوہ کئی عیسائی علما بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے نبی ﷺ سے کئی سوالات کیے اور مسائل پوچھے۔ آپ ﷺ نے وحی کے مطابق اُن کو جوابات دیے۔ اس وفد کو مسجد نبوی کے صحن میں اُن کے طریقے کی نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی اور انہوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ ان کے علما پر دین اسلام واضح ہو گیا مگر انہوں نے جان بوجھ کر اسلام قبول نہ کیا۔ جب نبی ﷺ نے اُن کو اسلام لانے کی دعوت دی تو وہ کہنے لگے ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارا اسلام درست نہیں کیونکہ تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہو۔ صلیب کی پوجا کرتے ہو اور خنزیر کا گوشت کھاتے ہو۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پوچھا تو اُس موقع پر آل عمران کی آیات 59 تا 61 نازل ہوئیں جن میں اُن کو مباہلے کا چیلنج دیا گیا تو وہ مباہلہ کرنے پر تیار ہو گئے۔ کہ ہم اور تم دونوں طرف کے لوگ کھلے میدان میں جا کر مباہلہ یعنی بددعا کرتے ہیں کہ ہم میں سے جو فریق جھوٹا ہے اور اُس کا مذہب غلط ہے، اُس پر اللہ کی لعنت ہو اور وہ برباد

Marfat.com

ہو۔ پھر نبی ﷺ بھی اپنے اہل وعیال، جن میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا شامل تھے، کو لے کر مباہلے کے لیے باہر نکلے۔ لیکن اسی وفد کے ایک آدمی نے اپنے لوگوں کو مباہلہ کرنے سے روک دیا اور صلح کر کے ذمی بننا قبول کر لیا۔

اِس آیت میں لعنت کا لفظ لمبی (ت) کے ساتھ آیا ہے۔ اسی طرح سورۃ النور (24) آیت 7 میں بھی یہ لمبی (ت) کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ پورے قرآن کے اندر صرف یہی دو مقامات ہیں جہاں لعنت کا لفظ لمبے "تا" کے ساتھ آیا ہے۔ باقی جگہوں پر لعنت کو لَعْنَةٌ گول "تا" (ۃ) کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ لعنت سے لعنت کا فعل یعنی لعنت کرنا مراد ہوتا ہے جو کہ ایک ظاہری چیز ہے مگر لَعْنَةٌ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری مراد ہوتی ہے اور وہ ایک باطنی اور چھپی چیز ہے۔ اس لیے دونوں کا فرق ظاہر کرنے کے لیے الگ رسم الخط اختیار کیا گیا۔

﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۶۲﴾﴾
(آل عمران : 62)

فرمایا، عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت، اُن کی نبوت و رسالت اور اُن کی تبلیغ و دعوت کے بارے میں یہی اصل واقعہ ہے جو قرآن نے بیان کر دیا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور لوگوں کے معبود نہ تھے۔ معبود صرف ایک اللہ ہی ہے جو سب کا خالق ہے۔ جو سب پر غالب ہے اور وہ حکیم ہے جس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِالْمُفْسِدِیْنَ ﴿۶۳﴾﴾
(آل عمران : 63)

فرمایا، اگر نجران کے عیسائی لوگوں کا وفد اس حق کو نہیں مانتا اور توحید کے عقیدے کا اقرار نہیں کرتا۔ اُلٹا اپنے کفر و شرک کے غلط عقیدے پر اصرار کرتا ہے تو پھر یہ بگڑے ہوئے فسادی لوگ ہیں جن کے بگاڑ اور فساد کو اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے اور اُن کو اس پر سزا دے گا۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ مَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾

Marfat.com

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ
تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا وَّ
لٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۶۷﴾
اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا
النَّبِیُّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۸﴾

(آل عمران 3: 64۔ 68)

''اے نبی ﷺ! آپ ﷺ کہیں ''اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک (COMMON) ہے کہ ہم سب اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائیں۔'' اگر وہ یہ بات مان لیں تو آپ ﷺ اُن سے صاف کہہ دیں ''تم گواہ رہو کہ ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔'' اے اہل کتاب! تم ابراہیم علیہ السلام کو یہودی یا عیسائی ثابت کرنے کے لیے کیوں جھگڑتے ہو، جب کہ توریت اور انجیل اُن کی وفات کے بعد اُتری ہیں۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ دیکھو، اُن باتوں میں تم بہت جھگڑا کر چکے جن کے بارے میں تمہیں کچھ علم تھا، لیکن اب ایسی باتوں میں کیوں جھگڑتے ہو جن کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں؟ یاد رکھو، اللہ سب کچھ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی۔ وہ یکسُو مسلمان تھے اور مشرک نہ تھے۔ ابراہیم علیہ السلام سے سچی نسبت والے وہ ہیں جنہوں نے اُن کی پیروی کی۔ یا پھر یہ نسبت حاصل ہے اِس نبی ﷺ کو اور اِن پر ایمان لانے والوں کو۔ اور اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَرْبَابًا:...... یہ لفظ ''رب'' کی جمع ہے۔

مُسْلِمُوْنَ:......(س ل م) یہ ''مُسْلِمٌ'' کی جمع ہے جس کے معنی ہیں فرماں بردار۔ اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار مسلمان۔

تُحَآجُّوْنَ:......(ح ج ج) اِس کے معنی ہیں تم جھگڑا یا حجت بازی کرتے ہو۔

Marfat.com

هٰاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ: ......اس میں ھَا حرفِ تنبیہ ہے، ''ارے'' یا ''دیکھو'' کے معنوں میں اور اَنْتُمْ مبتدا اور ھٰٓؤُلَآءِ اس کی خبر ہے۔ (الکشاف)۔

حَنِيْفًا: ...... (یکسُو، مُوحِّد) اس کے معنی ہیں: اَلْمَائِلُ عَنِ الْبَاطِلِ اِلَی الْحَقِّ گویا ایسا شخص جو باطل سے دور ہو اور حق کے قریب ہو۔

اَوْلٰی: ......اس کے معنی ہیں زیادہ قریب۔

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (آل عمران: 64)

اس سے پہلے کتاب عیسائیوں کو مباہلے کا چیلنج دیا گیا تھا مگر وہ مقابلے پر نہیں آئے تھے۔ اب اہل کتاب، یہودیوں اور عیسائیوں سے ایک دوٹوک اور فیصلہ کن بات کہی جا رہی ہے کہ آؤ، تمام اختلافی باتوں کو چھوڑو اور ہم سے ان باتوں میں متفق ہو جاؤ جنہیں تم بھی مانتے ہو اور ہم بھی مانتے ہیں۔ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک (COMMON) ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں کی دعوت کا مرکزی نکتہ اور بنیاد ہے۔ جو تمام الہامی کتابوں......توریت، انجیل اور قرآن کی مشترکہ تعلیم ہے اور وہ تین نکاتی بات یہ ہے:

1۔ ایک اللہ کی عبادت کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے۔

2۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ مانا جائے۔

3۔ کسی غیر نبی انسان کو اتنا مقدس اور معصوم نہ سمجھا جائے کہ گویا اُسے رب اور خدا بنا لیا ہے۔

یہی تمام نبیوں اور رسولوں کی تعلیم ہے۔ اس کی دعوت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے دی تھی۔ یہی پیغام ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے دیا تھا۔ یہی مُنادی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام نے کی تھی۔ لُوقا کی انجیل میں ہے کہ:

''تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اُسی کی بندگی کر۔'' (لوقا 4: 8)

مگر اس کے برعکس کتاب کے ایک گروہ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر شرک کا ارتکاب کیا۔

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ (التوبة 9: 30)

''اور یہودی کہتے ہیں کہ عزیر (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے۔''

اور اہل کتاب کے دوسرے گروہ عیسائیوں نے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہہ کر اور پھر تین خداؤں (TRINITY) کا عقیدہ ایجاد کر کے شرک کیا۔

﴿وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ (التوبة 9: 30)

''اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے۔''

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ (المائدہ 5: 73)

Marfat.com

''بے شک وہ (عیسائی) لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں سے ایک ہے۔''

لیکن قرآن نے عقیدۂ توحید پر زور دے کر فرمایا:

(۱)..... ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ﴾ (البقرۃ 2: 255)

''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ اور سب کو سنبھالنے والا ہے۔''

﴿وَ مَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (المائدہ 5: 73)

اور سوائے ایک معبود کے کوئی اور معبود نہیں۔''

(۲)..... ﴿وَ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (البقرۃ 2: 163)

''اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔''

نبی ﷺ نے رومی بادشاہ ہرقل (HERCULES) کو اور مصر (قبط) کے بادشاہ مقوقس کو جو دعوتی خطوط بھیجے تھے ان کی پیشانی پر یہی آیت لکھوائی تھی۔

﴿ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَیۡـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۶۴﴾﴾ (آل عمران: 64)

''اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، کہ ہم سب ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائیں۔ اگر وہ یہ بات مان لیں تو اُن سے صاف کہہ دیجیے: تم گواہ رہو کہ ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔''

اِس خط کی تفصیل صحیح بخاری، رقم: 4553 میں موجود ہے اور ان میں سے ایک خط آج بھی محفوظ ہے جو شاہِ مصر مقوقس کو لکھا گیا تھا۔

یہ بات کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو بھی رب بنا رکھا تھا ایک تو قرآن سے ثابت ہے کہ:

﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَ رُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ 9: 31)

''انہوں نے اللہ کے علاوہ اپنے علماء اور مشائخ کو بھی رب بنا لیا۔''

دوسرے اسی بات کا ثبوت ہمیں اُس روایت سے بھی مل جاتا ہے جو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور جسے ترمذی میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

((اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَفِیْ عُنُقِیْ صَلِیْبٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ یَا عَدِیُّ اطْرَحْ عَنْكَ هٰذَا الْوَثَنَ، وَسَمِعْتُهٗ یَقْرَءُ فِیْ سُوْرَةِ بَرَاءَةَ: ﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَ رُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ

Marfat.com

اللّٰهِ﴾ (التوبۃ 9: 31) قَالَ: اَمَا اِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا اَحَلُّوْا لَهُمْ شَيْئًا اِسْتَحَلُّوْهُ، وَاِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوْهُ۔)) (ترمذی، رقم: 3095)

''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اِس بت کو اُتار پھینکو۔ پھر میں نے آپ ﷺ کو سورہ براءت (سورۃ التوبہ) کی آیت 31 کے الفاظ ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے سنا کہ اہل کتاب اپنے علما اور مشائخ کو معبود تو نہیں مانتے تھے۔ لیکن وہ اُن کی حرام کی ہوئی چیز کو حرام اور اُن کو حلال کی ہوئی چیز کو حلال سمجھتے تھے۔ اور یہی اُن کو رب بنانا تھا۔''

عدی بن حاتم 9ھ میں اسلام لائے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ کتب سیرت میں تفصیل سے موجود ہے۔ ان سے بہت سی احادیث بھی مروی ہیں۔

اِس سے معلوم ہوا کہ عبادات اور حلال و حرام جیسے بنیادی دینی امور صرف وحی سے لیے جا سکتے ہیں اور کسی غیر معصوم انسان کی رائے سے نہیں لیے جا سکتے۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۝۶۴﴾ (آل عمران: 64)

فرمایا اگر اہل کتاب...... یہودی اور عیسائی...... توحید کی اِس واضح دعوت کو قبول نہ کریں۔ شرک اور تثلیث (TRINITY) کو نہ چھوڑیں اور اپنے مذہبی پیشواؤں کو ﴿اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (اللہ کے سوا رب) (التوبۃ 9: 31) بناتے رہیں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ ہم تو صرف ایک اللہ کو معبود اور رب مانتے ہیں اور اُسی کے فرماں بردار ہیں۔ کسی کو اُس کا شریک نہیں مانتے۔ اُس کی نازل کردہ شریعت کے سوا کسی اور شریعت پر نہیں چلتے۔

اس آیت سے دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کا ایک اہم اصول ملتا ہے۔ وہ یہ کہ مخاطب سے وہ بات پہلے کی جائے جو باہم مشترک (COMMON) ہو اور جسے وہ بھی مانتا ہو، تا کہ بات چیت اتفاق و اتحاد کے ماحول سے شروع ہو اور پھر دلائل کے ساتھ اپنا نقطہ نظر واضح کیا جائے۔ جیسا کہ قرآن نے دعوت کا ایک جامع اسلوب اور طریقہ ہمیں بتایا ہے کہ:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (النحل 16: 125)

''(اے نبی ﷺ!) اپنے رب کے راستے کی طرف (لوگوں کو) بلایئے حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور اُن سے اچھے طریقے سے بحث کیجیے۔''

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝۶۵﴾ (آل عمران: 65)

اِس آیت کا شانِ نزول، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، یہ ہے کہ:

Marfat.com

''جب وفد نجران کے عیسائی لوگ اور یہودی علماء سب نبی ﷺ کے پاس مدینے میں جمع ہوئے تو وہ حضور ﷺ سے بحث ومباحثہ کرنے لگے۔ یہودی علماء نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے۔ اس پر نجرانی عیسائیون نے کہا: ابراہیم علیہ السلام تو نصرانی (عیسائی) تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات 65 تا 67 نازل کیں۔''

اہلِ کتاب کے دونوں گروہوں...... یہودیوں اور عیسائیوں...... کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ تم میں سے ایک گروہ کا دعویٰ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور دوسرے گروہ کا دعویٰ ہے کہ وہ نصرانی یعنی عیسائی تھے۔ لیکن حقیقت میں دونوں گروہوں کے یہ دعوے غلط اور جھوٹے ہیں۔ کیونکہ پہلے گروہ کی مذہبی کتاب توریت اور دوسرے کی انجیل ہے اور یہ دونوں کتابیں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے سینکڑوں برس بعد نازل ہوئی ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام ان کتابوں کے نزول سے بہت پہلے ہو گزرے ہیں۔ پھر وہ یہودی یا نصرانی (عیسائی) کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ تو بڑی بے عقلی اور ہٹ دھرمی کی بات ہوئی کہ ایک مذہب جو بعد میں پیدا ہوا ہو، اُس کو ماننے والا ایک ایسے شخص کو قرار دیا جائے جو اس مذہب کے وجود میں آنے سے بھی پہلے ہو گزرا ہو۔

﴿هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ (آل عمران: 66)

یہ بھی اہلِ کتاب کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم لوگ بعض ایسی باتوں میں جھگڑا کر چکے ہو جن کے بارے میں تمہیں تھوڑا بہت علم تھا اور جن کا ذکر تمہاری مذہبی کتابوں...... توریت اور انجیل...... میں بھی تھا۔ جیسے بعض چیزوں کے حلال وحرام ہونے کا مسئلہ وغیرہ۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کے یہودی یا نصرانی (عیسائی) ہونے کے بارے میں تمہاری کسی کتاب میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ پھر تم کس علم کی بنیاد پر دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی تھے؟ تمہارے لیے معقول اور درست بات یہی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے کلام قرآن مجید پر یقین کرو جو یہ سچی بات کہتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ وہ ایک اللہ کو ماننے والے توحید پرست انسان تھے اور مشرک نہ تھے۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (آل عمران: 66)

یہ بھی اہلِ کتاب کو خطاب ہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ تمہیں ایک ایسی بات کا علم کیسے ہو سکتا تھا جو تمہاری نظروں سے اوجھل تھی۔ جس کا تمہیں کبھی مشاہدہ نہیں ہوا، جس کے بارے میں کوئی یقینی شہادت اور گواہی موجود نہ تھی۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جو عالمِ غیب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کس مذہب پر تھے۔ تمہیں کیا خبر اُن کا کیا مذہب تھا؟

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا﴾ (آل عمران: 67)

اب اللہ تعالیٰ نے اصل حقیقت ظاہر فرما دی کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودیوں کے دعوے کے مطابق یہودی تھے، نہ عیسائیوں کے دعوے کے مطابق عیسائی تھے اور نہ اس طرح کی کسی اور گروہ بندی کے پیروکار تھے بلکہ وہ ایک اللہ کو ماننے والے موحد اور اُس کے فرماں بردار تھے۔

Marfat.com

﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ (آل عمران : 67)

اس فقرے میں یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ مشرکین قریش کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جن کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ بھی ابراہیمی ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور اُن کے مذہب پر ہیں۔

فرمایا ابراہیم علیہ السلام کوئی مشرک نہ تھے جب کہ ان کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے قریش مکہ مشرکین ہیں اور بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ بھلا بتوں کی پوجا کرنے والوں کو اُس ہستی سے کیا نسبت جو بت شکن تھی اور جس نے صرف ایک اللہ کی عبادت کے لیے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا۔

اس لیے یہودی، عیسائی اور مشرکین عرب تینوں اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والے اور اُن کے دین کے پیروکار ہیں۔ بلکہ یہ سارے مذہبی گروہ اصل دینِ ابراہیمی سے منحرف اور دور ہو چکے ہیں۔

اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کے سچے پیروکار کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے:

﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾

(آل عمران : 68)

فرمایا، ابراہیم علیہ السلام کے سچے پیروکار، اُن کے صحیح ماننے والے اور اُن کے دین پر چلنے والے تو وہ لوگ تھے جو اُن کی زندگی میں اُن پر ایمان لائے اور اُن کا ساتھ دیا تھا۔ دوسرے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے مسلمان ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کے سچے پیروکار ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (آل عمران : 68)

فرمایا، اللہ تعالیٰ اُن اہل ایمان کا دوست، حامی اور مددگار ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے سچے پیروکار ہیں اور اُن کے دین پر چلنے والے ہیں، خواہ وہ پہلے زمانے کے ہوں یا بعد کے دور کے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے کام بھی سنوارے گا، ان کی مدد بھی فرمائے گا اور ان کو دنیا اور آخرت کی کامیابیوں سے بھی نوازے گا۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ
وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝٦٩ يٰٓاَهْلَ
الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝٧٠
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ
وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٧١ ع وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ ع ٨ ١٥

Marfat.com

أُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَ لَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾

(آل عمران 3: 69 تا 74)

''(اے مسلمانو!) اہلِ کتاب کے کچھ لوگ تمہیں گواہ بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ اس طرح وہ خود گمراہ ہو رہے ہیں مگر نہیں سمجھتے۔ اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم ان کے گواہ ہو؟ اے اہلِ کتاب! تم کیوں جان بوجھ کر باطل کو حق بنا کر پیش کرتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو؟ اہلِ کتاب کا ایک گروہ اپنے لوگوں سے کہتا ہے: ''تم جا کر صبح کے وقت اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو مسلمانوں پر اُتری ہے اور شام کو انکار کر دو تاکہ اس طرح اور مسلمان بھی اپنے دین سے پھر جائیں۔ اور کسی کی بات کا یقین نہ کرو سوائے اس کے جو تمہارے دین پر چلے، ورنہ دوسرے لوگ تمہارے رب کے ہاں تمہارے خلاف حجت کریں گے۔'' اے نبی ﷺ! آپ ﷺ ان سے کہیں: ''اصل ہدایت اللہ کی ہدایت ہے اور کسی پر فضل کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ جس پر چاہتا ہے فضل کرتا ہے۔ اور اللہ وسعت والا ہے جاننے والا ہے۔ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

طَآئِفَةٌ:...... (ط و ف) اس کے معنی ہیں: جماعت، گروہ۔

وَجْهَ النَّهَارِ:...... (دن کا پہلا حصہ) اس سے صبح کا وقت مراد ہے۔

اَلْفَضْلَ:...... اس کے معنی ہیں: فضل کرنا، عطا کرنا، مہربانی کرنا۔ لیکن اس جگہ اس سے نبوت مراد ہے۔

﴿وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ﴾ (آل عمران: 69)

Marfat.com

اِس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ بعض یہودیوں نے کچھ مسلمانوں کو اپنے دین یہودیت کی دعوت دی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ اہلِ کتاب...... یہودی اور عیسائی......تو یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم مسلمانوں کو بھی تمہارے دین سے ہٹا کر اپنے غلط مذہب کی طرف لے آئیں تاکہ تم بھی اُن کی طرح گمراہ ہو جاؤ۔ لیکن صحابہ کرام اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے اہلِ کتاب کی چالوں میں نہیں آتے تھے۔ بلکہ اُلٹا اہلِ کتاب کو اُن کی اس حرکت پر دُگنا عذاب ہوگا۔ کیونکہ نہ صرف وہ خود گمراہ ہیں بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ عقل سے کام نہیں لیتے کہ وہ کیسی حرکت کر رہے ہیں اور اس کا انجام کیا ہوگا۔

﴿ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴾ (آل عمران : 70)

یہ اہلِ کتاب...... یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ تم اللہ تعالیٰ کی اُن واضح نشانیوں کا انکار کیوں کرتے ہو جو تمہاری کتابوں......توریت اور انجیل...... میں حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت اور قرآن مجید کے سچے ہونے کے بارے میں پیش گوئیوں کی صورت میں موجود ہیں۔ جن کو تم پڑھتے پڑھاتے ہو۔ ان کو الہامی مانتے ہو اور اُن میں درج باتوں کا اقرار کرتے ہو۔

﴿ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾

(آل عمران : 71)

یہ بھی حسرت اور افسوس کے انداز میں یہودیوں اور عیسائیوں کے علما کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ تم لوگ کیوں جان بوجھ کر حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرتے ہو اور حق بات کو چھپاتے ہو۔

اہل کتاب کے علما کی عادت تھی کہ وہ حق اور باطل کو آپس میں ملا دیتے تھے۔ اس طرح وہ اصل حق کو چھپاتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ صرف اُن کا دین ہی سچا دین ہے اور باقی ساری دنیا گمراہ ہے۔ وہ اپنے گروہ کے سوا کسی اور کو ہدایت یافتہ نہیں مانتے تھے۔ وہ یہ خیال بھی کرتے تھے کہ دین وہدایت اور نبوت و رسالت صرف اُن کے خاندان...... بنی اسرائیل تک محدود ہیں۔ باقی تمام دنیا ان سے محروم ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی رحمت پر مہر لگ گئی ہے اس لیے وہ کسی اور قوم کو اس سے نواز نہیں سکتا۔

اِس مقام کی مزید وضاحت کے لیے سورۃ البقرہ (2) کی آیت 42 کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

اِس جگہ خاص طور پر یہودی علما کی اُن تحریفوں اور تبدیلیوں کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے حسد اور تعصب کی وجہ سے حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کو چھپانے کے لیے توریت کے اندر کر ڈالی تھیں۔ اور وہ آج تک کر رہے ہیں۔

﴿ وَ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ (آل عمران : 72)

Marfat.com

بعض یہودیوں نے مسلمانوں کو دینِ اسلام سے ہٹانے اور پھیرنے کے لیے یہ سازش تیار کی کہ اُن کے کچھ لوگ صبح کے وقت محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے اور شام کے وقت کافر ہو جائیں گے۔ پھر یہ دعویٰ کریں گے کہ اِس دین اسلام میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں ہے۔ ورنہ ہم اس پر قائم رہتے اور اسے کبھی نہ چھوڑتے۔ تاکہ اس طرح عام مسلمان بھی اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لیں اور مرتد ہو جائیں۔ اور دینِ اسلام کو فروغ حاصل نہ ہو۔ حالانکہ وہ اس بات کو اچھی بات جانتے تھے کہ صحابہ کرام اپنے ایمان میں بہت مضبوط ہیں اور اپنے دین میں پکّے ہیں۔ اس کے باوجود یہودیوں نے یہ چال چلی اور جیسا کہ تفسیر ابن جریر میں مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ چند یہودیوں نے نبی ﷺ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی اور ظاہر کیا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ لیکن پھر شام کے وقت یہ کہہ کر کفر اختیار کر لیا کہ یہ دینِ اسلام بھی گمراہی ہے اس لیے ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔

لیکن یہودیوں کی یہ سازش ناکام ہوئی۔ وہ مسلمانوں میں سے کسی ایک کو بھی مرتد بنانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اپنے نبی ﷺ کو ان کی سازش سے پہلے ہی وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا تھا۔

اسلام میں مرتد کے بارے میں تفصیلی احکام جاننے کے لیے سورۃ البقرہ (2) آیت 217 کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

اس جگہ قرآن کا عدل وانصاف دیکھیے کہ اُس نے تمام اہل کتاب کو سازشی قرار نہیں دیا بلکہ اُن کے صرف ایک گروہ کو سازشی کہا جس نے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی سازش کی تھی۔

یہودیوں نے ہمیشہ قوموں میں گھس کر گہری سازشیں کی ہیں۔ اُن کے سینٹ پال نے عیسیٰ علیہ السلام کے سچے دین کو بگاڑا اور موجودہ عیسائیت کی بنیاد رکھی۔ اُن کے عبداللہ بن سبا نے بظاہر اسلام قبول کر کے یہ سازش کی کہ مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا۔ اُمتِ مسلمہ میں انتشار پیدا کیا اور ان میں ایک فرقے کے قیام کے لیے راہ ہموار کی۔

ہمارے دور میں یہ لطیفہ بھی مشہور ہو گیا ہے کہ دنیا بھر میں یہودیوں کی سازش چلتی ہے، عربوں کا تیل اور امریکہ کا رعب چلتا ہے۔

﴿ وَ لَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ﴾ (آل عمران : 73)

یہ بھی بعض یہودیوں کی اسی سازش اور شرارت کا حصہ ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ جس میں انہوں نے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوشش کی تھی۔ جو یہ سمجھتے تھے کہ نبوت و رسالت صرف بنی اسرائیل کے گھرانے کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی غیر اسرائیلی شخص اللہ تعالیٰ کا نبی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے جب تم صبح کے وقت اپنے ایمان لانے کا اظہار کرو تو یہ حقیقت سوائے اُن نئے مسلمانوں کے جو پہلے تمہارے دین...... یہودیت...... پر تھے، دوسرے کسی غیر اسرائیلی شخص پر ظاہر نہ کرنا کہ حضرت محمد ﷺ اگرچہ بنی اسماعیل کے خاندان سے ہیں لیکن وہ ہماری کتاب کے مطابق اللہ تعالیٰ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔ ورنہ وہی لوگ آخرت میں اللہ کے ہاں تمہاری اس بات کو تمہارے خلاف بحث میں حجت اور

Marfat.com

دلیل بنالیں گے۔

دوسری طرف اِس حقیقت کو چھپانے سے عام لوگوں کا راستہ بھی بند ہوگا جو اسلام لانا چاہتے ہیں۔

یہی مضمون سورہ البقرہ (2) آیت 76 میں بھی گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

﴿قُلۡ اِنَّ الۡهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ﴾ (آل عمران : 73)

یہ اصل میں جملہ معترضہ ہے جو دو باتوں کے بیچ میں آ گیا ہے تاکہ یہودیوں کی اِس غلط فہمی کا ازالہ کیا جائے جو یہ سمجھتے تھے کہ ہدایت صرف اُنہی کے پاس ہے۔ دین صرف اُنہی کا سچا ہے۔ نبوت و رسالت صرف اُن کے گھرانے کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسری تمام غیر اسرائیلی قومیں ہدایت سے محروم اور گمراہ ہیں۔ اُن کے دین جھوٹے ہیں اور اُن میں کبھی کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا۔

اِس جگہ قرآن نے یہودیوں کے اسی غلط تصور اور خوش فہمی کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ ہدایت کسی خاندان یا قوم کی جاگیر نہیں اور نہ اس میں محدود ہے۔ اللہ سبحانہٗ جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور نبوت کے منصب پر فائز کرتا ہے۔ اِس میں کسی خاندان یا قوم کی تخصیص نہیں۔

﴿اَنۡ يُّؤۡتٰٓى اَحَدٌ مِّثۡلَ مَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ اَوۡ يُحَآجُّوۡكُمۡ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ﴾ (آل عمران : 73)

یہ بھی یہودیوں کی اسی بات کا حصہ ہے جو اس آیت کے شروع میں بیان ہوئی ہے اور جس کی وضاحت وہاں کر دی گئی ہے کہ یہودی اپنے حسد اور تعصب کی وجہ سے یہ دعویٰ کرتے تھے کہ کوئی غیر اسرائیلی نہ تو نبی ہوسکتا ہے، نہ ہدایت پا سکتا ہے اور نہ اُسے نجات حاصل ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں 73، 74 میں اُن کے اِس جھوٹے دعوے کی قلعی کھول دی ہے۔

﴿قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ۚۙ﴾ (آل عمران : 73)

فرمایا یہودیوں کا یہ دعویٰ جھوٹا اور غلط ہے کہ ہدایت و نبوت صرف انہی کے خاندان تک محدود ہے اور باقی دنیا اس سے محروم ہے۔ اللہ سبحانہٗ کا فضل، اُس کی رحمت، اُس کی ہدایت، اُس کی طرف سے نبوت و رسالت کا منصب، غرض سب کچھ اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہے ان سے دوسروں کو نوازے۔ وہ بڑی وسعت اور کشادگی والا ہے۔ اُس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ وہ بہت علم والا ہے اور جانتا ہے کہ اُس نے کون سی چیز کس کو کتنی اور کب عطا کرنی ہے۔ اُس کا فضل و کرم کسی ایک شخص، گروہ، قوم، خاندان یا قبیلے تک محدود نہیں ہے۔ وہ رب العالمین ہے، صرف بنی اسرائیل کا رب نہیں ہے۔

﴿يَّخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۝﴾ (آل عمران : 74)

فرمایا اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے خاص کر لیتا ہے۔ وہ بڑے فضل والا ہے۔ جسے چاہتا ہے ہدایت اور نبوت سے سرفراز فرما دیتا ہے۔ اہل کتاب کا یہ دعویٰ بالکل غلط اور جھوٹا ہے کہ اللہ کی رحمت، ہدایت اور نبوت و رسالت

Marfat.com

صرف بنی اسرائیل کے گھرانے کے ساتھ مخصوص ہے، کسی اور کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

وَ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَ اتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿76﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿77﴾

(آل عمران 3: 75 تا 77)

"اہل کتاب میں دیانت دار بھی ہیں۔ اگر تم ان کے پاس مال و دولت کا ڈھیر بھی امانت کے طور پر رکھ دو تو مانگنے پر لوٹا دیں گے۔ لیکن اُن میں ایسے بددیانت بھی ہیں کہ ان کے پاس اگر ایک دینار امانت رکھو تو تمہیں واپس نہیں دیں گے، جب تک تم اُن کے سر پر سوار ہو کر اُن سے وصول نہ کرلو۔ یہ ذہنیت اُن میں اس لیے پیدا ہوئی کہ وہ کہتے ہیں غیر اہلِ کتاب کا حق مار لینے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں۔ حالانکہ وہ جان بوجھ کر اللہ کے بارے میں ایسی جھوٹی بات کہتے ہیں۔ البتہ جو لوگ اپنا عہد پورا کریں اور اللہ سے ڈریں تو اللہ ایسے پرہیز گاروں کو پسند کرتا ہے۔ جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے میں دنیا کا حقیر مال حاصل کریں، ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ قیامت کے دن اللہ اُن سے بات نہیں کرے گا، اُن کی طرف رحمت کی نظر سے نہ دیکھے گا، اُنہیں گناہوں سے پاک نہیں کرے گا، اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

تَاْمَنْهُ:...... (ء م ن) اس کے معنی ہیں: تو اس کو امانت دے، تو اس کو امین بنائے۔

Marfat.com

اَلْاُمِّیّٖنَ:......(اَن پڑھ لوگ) اس جگہ اس سے وہ تمام اہل عرب مراد ہیں جو اہلِ کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) کے سوا تھے۔

لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ:......(اللہ اُن سے کلام نہیں کرے گا) اس سے مراد ہے کہ اللہ اُن سے سخت ناراض ہوگا۔

﴿وَمِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْہُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّہٖٓ اِلَیْکَ ۚ وَمِنْھُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْہُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّہٖٓ اِلَیْکَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْہِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾﴾ (آل عمران: 75)

فرمایا، اہلِ کتاب یہودیوں میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو واقعی دیانت دار ہیں اور دوسروں کے ڈھیروں مال کی امانت بھی واپس لوٹا دیتے ہیں۔ لیکن ان میں ایسے بد دیانت بھی ہیں جو کسی کی ایک دینار کی امانت بھی واپس نہیں کرتے جب تک کوئی ان کے سر پر سوار ہو کر اُن سے واپس نہ لے لے۔

یہودیوں کے دنیا پرست علماء نے اپنے لوگوں میں یہ بات مشہور کر رکھی تھی کہ غیر قوموں کا مال ہڑپ کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اُن کی کوئی امانت اُن کو واپس کرنی ضروری نہیں۔ اُن کا دعویٰ تھا کہ توریت میں جو حرام مال کھانے سے روکا گیا ہے اُس کا تعلق صرف بنی اسرائیل سے ہے۔ غیر اسرائیلیوں اور غیر یہودیوں کے بارے میں توریت نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا ہے۔ غیروں سے سود لینا بھی جائز ہے۔ البتہ کسی یہودی کا کسی یہودی سے سود لینا منع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کو غلط قرار دیا اور فرمایا کہ یہ لوگ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ توریت کے احکام کی من مانی اور غلط تشریح کر کے دوسروں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں۔ اس جگہ بھی قرآن مجید کا عدل و انصاف دیکھیے کہ اُس نے سارے یہودیوں کو بد دیانت قرار نہیں دیا بلکہ اُن میں جو دیانت دار تھے اُن کی تحسین فرمائی۔

روایات میں ہے کہ عبداللہ بن سلام (جو یہودی عالم تھے اور ابھی اسلام نہیں لائے تھے) نے ایک قریشی مسلمان کی امانت واپس لوٹا دی تھی جو بارہ سو (1200) اوقیہ سونا تھا۔

(ایک اوقیہ چالیس درہم چاندی کے برابر تھا) مگر ایک یہودی سردار کعب بن اشرف نے ایک قریشی مسلمان کی ایک دینار کی امانت بڑی مشکل اور جھگڑے کے بعد واپس لوٹائی تھی۔ یاد رہے کہ امانت میں خیانت اور بد دیانتی کرنا منافقت ہے......اور یہ منافق کی نشانی ہے جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِّنْھُنَّ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَھَا: اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَاِذَا حَدَّثَ کَذَبَ، وَاِذَا عَاھَدَ غَدَرَ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ..))

(صحیح بخاری، رقم: 34، صحیح مسلم، رقم: 210، ابو داؤد، رقم: 4688، نسائی، رقم: 5020، ترمذی، رقم: 2632)

Marfat.com

''جس شخص میں چار خصلتیں (نشانیاں) ہوں وہ پکا منافق ہے۔ جس میں اُن میں سے کوئی ایک خصلت (نشانی) ہو تو وہ منافقت کی علامت ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے: جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں سے خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب کوئی عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اُتر آئے۔''

﴿بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (آل عمران: 76)

اس آیت میں یہودیوں کے اس تصور کی تردید کی گئی ہے جو وہ غیر قوموں کے ساتھ بددیانتی، خیانت اور سود خواری وغیرہ کو جائز سمجھتے تھے۔

فرمایا جو شخص اپنے عہد و پیمان کو پورا کرتا ہے اور دیانت داری برتتا ہے، خواہ اس عہد و پیمان اور دیانت داری کا تعلق حقوق العباد سے ہو یا حقوق اللہ سے، اور وہ تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے اور اُن کو اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

اس آیت میں ان یہودیوں پر طنز و تعریض ہے جو دوسرے مذاہب کے لوگوں سے بددیانتی اور بدعہدی کرتے تھے اور اُن کا مال ناجائز طور پر ہڑپ کر جاتے تھے کہ ایسے لوگ تقوے سے خالی ہیں، بے دین ہیں اگرچہ اپنی دین داری کا ڈھنڈورا پیٹتے رہیں۔ کیونکہ خیانت ہو یا سود خواری، دونوں ہر حال میں اور ہر صورت میں حرام ہیں خواہ معاملہ اپنے ہم مذہب لوگوں سے ہو یا غیر مذاہب والوں سے، دونوں حالتوں میں منع اور حرام ہیں۔

معلوم ہے کہ مدینے کے یہودیوں نے نبی ﷺ سے ہمیشہ بدعہدی کی۔ انہوں نے ''میثاق مدینہ'' کی خلاف ورزی کی۔ وہ آپ ﷺ کے خلاف اور اسلام کی مخالفت میں سازشوں میں لگے رہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

(آل عمران: 77)

فرمایا جو لوگ اللہ کے عہد یعنی اُس کی نازل کی ہوئی شریعت کے بدلے میں اور جھوٹی قسموں کے ذریعے دنیا کا حقیر مال حاصل کرتے ہیں۔ رشوت کا مال کھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ وہاں اُن کو نہ کوئی فائدہ ملے گا اور نہ کوئی نعمت ملے گی۔ اللہ تعالیٰ اُن سے ناراض ہوگا۔ اُن کے ساتھ شفقت سے کلام نہیں کرے گا۔ اُن کی طرف رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔ اُن کو گناہوں سے پاک نہیں کرے گا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کی ہوگی۔ اُن کے لیے وہاں دوزخ کا دردناک عذاب ہوگا۔

اِس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے جس غصے اور غضب کا اظہار کیا ہے، وہ اُس نے دوسرے گناہوں جیسے چوری، زنا اور شراب نوشی...... کے بارے میں ظاہر نہیں کیا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ شریعت کے احکام کو بدلنا، فتویٰ فروشی، امانت

Marfat.com

میں خیانت اور جھوٹی قسمیں کھا کر دنیا کا حقیر مال و مفاد حاصل کرنا اتنے سخت گناہ ہیں جن پر اتنی شدید وعیدیں آئی ہیں۔
سیاقِ کلام میں اِس سے یہودیوں کے علماء اور عوام مراد ہیں۔ مگر افسوس ہماری امت میں بھی اسی طرح کے فتویٰ فروشوں، خیانت کرنے والوں، رشوت خوروں اور جھوٹی قسمیں کھا کر دنیا کا مال و مفاد حاصل کرنے والوں کی کمی نہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں یہ روایت ہے کہ:
اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کی ملکیت کا جھگڑا تھا۔ اس کے فیصلے کے لیے میں اُس یہودی کو نبی ﷺ کے پاس لے گیا۔ حضور ﷺ نے مجھ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس زمین کی ملکیت کا کوئی گواہ یا ثبوت ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہودی سے فرمایا: تم قسم اٹھاؤ۔ اس پر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ تو (جھوٹی) قسم کھا جائے گا اور میرا مال جاتا رہے گا۔ اس پر مذکورہ آیت (77) نازل ہوئی تھی:

وَ اِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ یَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

(آل عمران: 78)

”اور اہل کتاب کا ایک گروہ کتاب الٰہی کو اس طرح توڑ مروڑ کر پڑھتا ہے کہ تم سمجھو کہ جو کچھ انہوں نے پڑھا ہے، وہ کتابِ الٰہی کا حصہ ہے، حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہوتا۔ مگر وہ کہتے ہیں جو انہوں نے پڑھا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے، جب کہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔ اس طرح یہ لوگ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔“

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

یَلْوٗنَ: ...... (ل ی ی) اس کے معنی ہیں: وہ پھیرتے گھماتے ہیں۔ اس کا مصدر لَیٌّ ہے۔ یَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ (وہ اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں) کا مطلب ہے وہ تحریف کرتے ہیں۔

اَلْسِنَة: ...... (زبانیں) یہ لِسَانٌ کی جمع ہے جس کے معنی زبان کے ہیں۔

﴿وَ اِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ یَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾﴾ (آل عمران: 78)

اب یہودی علماء کی گمراہیوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کی اخلاقی پستی اور بدعملی کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے وعظ و نصیحت میں

Marfat.com

اللہ کی کتاب......توریت کے الفاظ کو زبان سے اِس طرح توڑ مروڑ کر ادا کرتے تھے جس سے اُن کے معنی بدل جاتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ جان بوجھ کر کتاب اللہ کی لفظی اور معنوی تحریف کرتے تھے جیسا کہ ان کے بارے میں دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾

(البقرة 2: 79)

''پھر ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں: ''یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے'' تا کہ اس طرح وہ دنیا کا حقیر مال حاصل کر لیں۔''

سورۃ النساء میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ....﴾ (النساء 4: 46)

''یہودیوں کا ایک گروہ باتوں کو ان کی جگہوں سے ہٹا دیتا ہے......''

اُن کے عام لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اُن کے علماء اللہ کی کتاب کی باتیں بیان کر رہے ہیں حالانکہ یہ اُن کی اپنی من گھڑت باتیں ہوتی تھیں۔

صحیح احادیث میں بھی یہودیوں کی بعض ایسی حرکتوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ وہ کبھی رسول اللہ ﷺ کو رَاعِنَا (ہماری طرف توجہ فرمایے) کی بجائے رَاعِیْنَا (ہمارے چرواہے) کہتے تھے۔ ایک موقع پر کچھ یہودیوں نے آپ ﷺ کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کی بجائے اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ (تمہیں موت آئے)......کہا تھا۔

(صحیح بخاری، رقم: 6401، صحیح مسلم، رقم: 5656، ترمذی، رقم: 2701)

افسوس خود ہمارے امت کے علمائے سوء نے بھی یہودی علماء کی طرح فرقہ پرستی کے جنون میں مبتلا ہو کر قرآن مجید کی معنوی تحریف کر ڈالی ہے۔ وہ قرآن کے الفاظ بدلنے میں بے بس تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اِس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے رکھی ہے۔ لیکن قرآن کے معنی بدلنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ع

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾

Marfat.com

وَ لَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَ النَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع

ع ۸ ۹ ۱۶

(آل عمران 3: 79 تا 80)

”کسی انسان کا کام نہیں کہ اللہ تو اُسے کتاب وحکمت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہے: ”تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ“ بلکہ وہ تو کہے گا لوگو! اللہ والے بنو، اس لیے کہ تم دوسروں کو اللہ کی کتاب سکھاتے اور خود بھی اُسے پڑھتے ہو۔“ ”اللہ کا نبی لوگوں سے یہ نہیں کہتا: ”تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنالو!“ کیا وہ تم لوگوں کو کفر سکھانے آتا ہے جب کہ تم اسلام لا چکے ہو؟“

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

بَشَرٍ:......(بشر) اس کے معنی ہیں انسان، آدمی۔ یہ لفظ واحد بھی استعمال ہوتا ہے اور جمع بھی، مذکر بھی اور موثث بھی۔

اَلْحُكْمَ:......اس کے معنی حکم، حکمت اور دانائی کے ہیں۔ اس جگہ اس سے مراد دین کی سمجھ اور بصیرت ہے۔

عِبَادًا:......(بندے) یہ عَبْدٌ کی جمع ہے جس کے معنی بندے یا غلام کے ہیں۔ اس جگہ اس سے مراد ہیں بندے۔

رَبَّانِيّٖنَ: ...... یہ جمع ہے رَبَّانِيٌّ کی جس کے معنی ہیں اللہ والا، درویش، زاہد، عبادت گزار اور مذہبی پیشوا۔ کہا جاتا ہے کہ جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا تو حضرت علی کے بیٹے محمد بن حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: آج اس اُمت کا ربانی (اللہ والا) فوت ہو گیا“ دینی رہنما۔

تَدْرُسُوْنَ:......(درس) اس کے معنی ہیں: تم علم پڑھتے ہو، تم علم پڑھتے پڑھاتے ہو۔

(To Study Knowledge)

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران: 79)

اِس سے پہلے اہلِ کتاب کے علما کی اس شرارت اور گمراہی کا ذکر تھا جو وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط باتیں منسوب کرتے اور کتابُ اللہ (توریت اور انجیل) میں تحریف اور ردّ و بدل کرتے تھے۔ اب اُن کی اس شرارت اور گمراہی کا بیان ہے جو وہ نبیوں کے بارے میں جھوٹی باتیں پھیلاتے اور اُن کی کردار کشی (CHARACTER ASSASINATION) کرتے تھے تاکہ وہ یہ ظاہر کر سکیں کہ وہ جو گناہ کرتے ہیں یہی گناہ انبیائے کرام بھی کیا کرتے تھے۔ اس میں کوئی عیب نہیں۔ العیاذ باللہ۔

اِس آیت اور اِس سے اگلی آیت کے شانِ نزول کے بارے میں کئی روایتیں ہیں جن میں سے ایک وہ ہے جسے

Marfat.com

ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''جب رسول اللہ ﷺ کے پاس وفدِ نجران آیا ہوا تھا۔ وہاں کچھ یہودی علما بھی جمع تھے۔ حضور ﷺ نے ان سب کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے نبی ﷺ سے کہا: کیا آپ (ﷺ) چاہتے ہیں کہ ہم آپ (ﷺ) کی اس طرح عبادت کریں جیسے عیسائی لوگ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں؟ پھر نجران کے وفد میں سے ہی ایک عیسائی شخص بولا: کیا یہی کچھ آپ (ﷺ) چاہتے ہیں؟ اس پر نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: معاذ اللہ! ہم اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کریں۔ یا ہم دوسروں کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کاموں کے لیے نہیں بھیجا۔''

اس پر یہ آیت اتری تھی:

''فرمایا، کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اُسے نبی بنائے، اُس پر اپنی کتاب نازل فرمائے اور اسے دین و دانش سکھائے.....تو وہ انسان لوگوں سے اُلٹا یہ کہنے لگے کہ وہ اُسے معبود مان لیں اور اُسے سجدے کریں اور اُسے خدائی کا درجہ دیں۔''

اہلِ کتاب کے علماء و مشائخ (احبار و رُہبان) نے اپنی عوام کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ وہ اُن کی دینی رہنمائی کرنے کے بجائے اُن پر اپنی خدائی کا سکّہ جماتے تھے۔ عوام اپنی جہالت کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ نیکی اور بدی، حلال اور حرام، جنت اور دوزخ، اور بخشش و نجات سب کا اختیار اُن کے علماء و مشائخ کو حاصل ہے۔ اس لیے عوام اپنے مذہبی پیشواؤں کے غلام بنے ہوئے تھے۔

﴿وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝۷۹﴾

(آل عمران : 79)

فرمایا، ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ نے نبوت اور کتاب، حکمت و بصیرت دی ہو وہ تو یہی کہے گا کہ اے لوگو! تم ربّانی بن جاؤ۔ سچے اللہ والے اور دین کے صحیح رہنما بن جاؤ۔ کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ۔ خدا پرستی اختیار کرو۔ غیر اللہ کی پوجا نہ کرو۔ کیونکہ اللہ کی کتاب پڑھنے کا تقاضا اور مقصد یہی ہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔ ورنہ کتابُ اللہ کا پڑھنا بے کار اور فضول ہے۔

﴿وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ﴾ (آل عمران : 80)

فرمایا، کوئی پیغمبر ایسا نہیں جو لوگوں کو یہ تعلیم دے کہ وہ فرشتوں کو یا نبیوں کو اپنا رب بنا لیں۔ بلکہ وہ تو اس کام سے روکتا اور منع کرتا ہے۔

معلوم ہے عرب کے مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مان کر اُن کی پوجا کرتے تھے۔ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ

Marfat.com

کا بیٹا کہہ کر شرک کیا اور اُن کو اپنا رب بنا لیا۔ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر شرک کا ارتکاب کیا اور پھر تین خداؤں کی تثلیث (TRINITY) کا مشرکانہ عقیدہ ایجاد کر لیا۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے عوام نے بھی اپنے اپنے علماء اور مشائخ کو خدائی کا درجہ دے کر اپنا رب بنا رکھا تھا۔ وہ اُن کو شریعت سازی کا حق دیتے تھے۔ اُن کے حرام کو حرام اور حلال کو حلال سمجھتے تھے جیسا کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے واقعے میں ہے جو پہلے عیسائی تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے تھے۔

دیکھیے اسی سورت آل عمران (3) کی آیت 64 کی تفسیر میں ترمذی، رقم: 3095 کا حوالہ۔

فرمایا یہ تمام نبیوں اور رسولوں کی تعلیم کے خلاف ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو معبود مانا جائے اور اُس کی عبادت کی جائے۔ یا کفر اور شرک کیا جائے۔ سب پیغمبروں نے ہمیشہ توحید ہی کی تبلیغ کی ہے۔ صرف ایک اللہ کے معبود ہونے کا اعلان کیا ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کرنے اور شرک کرنے سے روکا ہے۔ (اور اللہ کے سوا سب غیر اللہ ہیں)۔ لیکن گمراہ لوگوں نے کفر و شرک اختیار کر کے اِس گمراہی کو نبیوں کی طرف منسوب کر دیا ہے کہ اُن کی تعلیم یہی تھی۔

﴿اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ (آل عمران : 80)

فرمایا، کیا کوئی نبی کفر و شرک کی تعلیم دے گا اور اس کی تبلیغ کرے گا؟ غیر اللہ کی پوجا کرائے گا؟ بالفرض اگر وہ ایسا کرے تو جب خود وہ کفر کرے گا تو اُس کی نبوت بھی اس سے چھن جائے گی اور اُس کا اپنا ایمان بھی جاتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو کتاب عطا کی ہوتی ہے، اُن کو حکمت و دانائی سے نوازا ہوتا ہے، نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کیا ہوتا ہے۔ وہ انتہائی نیک، پاکیزہ اور ہدایت یافتہ انسان ہوتے ہیں جو کفر و شرک کے قریب نہیں جاتے اور اس سے دُور رہتے ہیں۔

فرمایا جس طرح کوئی نبی لوگوں کو اپنا غلام اور بندہ بنانے اور خود معبود بننے کے لیے نہیں آتا۔ وہ یہ تبلیغ نہیں کرتا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لیا جائے۔ ایک نبی ایمان و ہدایت دینے کے لیے آتا ہے نہ کہ کفر و شرک کی گمراہی کی طرف بلانے کے لیے۔

آخر جس نبی کی تعلیم کے نتیجے میں تم لوگ اللہ کے فرماں بردار بندے بن جاتے ہو، وہی نبی تمہیں کفر و شرک کی طرف کیوں بلائے گا؟ کچھ عقل سے کام لو کہ ایک پاکیزہ صفت پیغمبر لوگوں کو کفر و شرک کی آلودگی کی طرف کیوں دعوت دے گا؟

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ

وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ

Marfat.com

بِهٖ وَ لَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِكُمۡ اِصۡرِیۡ ؕ
قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ فَاشۡهَدُوۡا وَ اَنَا مَعَكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾
فَمَنۡ تَوَلّٰی بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَیۡرَ
دِیۡنِ اللّٰهِ یَبۡغُوۡنَ وَ لَهٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ
طَوۡعًا وَّ كَرۡهًا وَّ اِلَیۡهِ یُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾

(آل عمران 3: 81 تا 83)

’’اور یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا جب اُن کو کتاب وحکمت دی تھی کہ: ’’اگر تمہارے پاس کوئی ایسا پیغمبر آئے جو سچا ثابت کرنے والا ہو اُن پیش گوئیوں کو جو تمہارے پاس موجود ہیں، تو اُس پر ایمان لانا اور اس کی حمایت کرنا۔‘‘ اُس وقت اللہ نے پوچھا: ’’کیا تم نے اِس عہد کا اقرار کیا اور اس کی ذمہ داری قبول کی؟‘‘ انہوں نے کہا: ’’ہم اقرار کرتے ہیں‘‘ اس کے بعد اللہ نے فرمایا: ’’اب تم اس بات کے گواہ رہو اور تمہارے ساتھ میں بھی گواہ رہوں گا۔ اور جو اس عہد سے پھر جائیں گے وہ نافرمان ہوں گے۔‘‘ کیا یہ لوگ اللہ کا دین چھوڑ کر کوئی اور دین چاہتے ہیں؟ حالانکہ زمین وآسمان کی ہر شے اللہ کے آگے جھکی ہوئی ہے، خوشی سے اور ناخوشی سے۔ اور سب اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔‘‘

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ:...... (نبیوں کا عہد) اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ نبیوں کے بارے میں بنی اسرائیل سے لیا گیا عہد۔ دوسرے یہ کہ تمام نبیوں سے لیا گیا عہد۔

اِصۡرِیۡ:...... اس کے اصل معنی ’’میرا بوجھ‘‘ کے ہیں لیکن اس سے ’’میرا عہد‘‘ مراد ہے کیونکہ عہد کی ذمہ داری بھی انسان کے لیے بوجھ ہوتا ہے۔ اس لیے عہد کو بھی اِصۡرٌ (بوجھ) کہا گیا ہے۔

طَوۡعًا:...... اس کے معنی ہیں: خوشی سے، مرضی سے۔

كَرۡهًا:...... اس کے معنی ہیں: ناخوشی سے، مجبوری سے۔

﴿وَ اِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُكُمۡ مِّنۡ كِتٰبٍ وَّ حِكۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِكُمۡ اِصۡرِیۡ ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ فَاشۡهَدُوۡا وَ اَنَا مَعَكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنۡ تَوَلّٰی بَعۡدَ ذٰلِكَ

Marfat.com

﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (آل عمران : 81)

یہ آیت بھی اِس سے پہلے چند آیتوں کی طرح حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کو سچا ثابت کرتی ہے۔ اس لیے اہل کتاب...... یہودیوں اور عیسائیوں پر بھی لازم ہے کہ وہ نبی ﷺ پر ایمان لائیں جیسا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اس آیت میں جس میثاق النبیین (نبیوں کے عہد) کا ذکر ہے اس کے بارے میں مفسرینِ کرام کے درمیان بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن ان میں دو رائیں زیادہ مشہور ہیں:

1۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ عہد نبیوں سے لیا گیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی تائید و نصرت کریں گے۔ جب کوئی نیا نبی اپنے سے پہلے نبی کے زمانے میں آئے تو اُسے چاہیے کہ وہ پہلے نبی کی تصدیق اور حمایت کرے۔ اُس پر ایمان لائے۔ جیسا کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں اُن کی نبوت پر حضرت لوط علیہ السلام ایمان لائے تھے۔ جس کا ذکر قرآن میں ہے:

﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ﴾ (العنکبوت 19 : 26)

"پھر لوط علیہ السلام اُس (ابراہیم علیہ السلام) پر ایمان لائے۔"

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ہارون علیہ السلام بھی ایمان لائے اور اُن کی تائید و نصرت کرتے رہے جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ یا جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانے میں اپنے سے پہلے نبی یحییٰ علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کی تھی۔

2۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ عہد نبیوں سے نہیں اہل کتاب...... یہودیوں اور عیسائیوں سے لیا گیا تھا اور میثاق النبیین میں اضافت فاعل کی طرف نہیں بلکہ مفعول کی طرف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کتاب و حکمت کا وارث بنا کر اُن سے نبیوں کے بارے میں یہ عہد لیا تھا کہ آئندہ اگر کوئی ایسا نبی آئے جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو تم اس پر ایمان لانا، اُس کی تائید و حمایت کرنا۔

اس رائے کے حق میں سورۃ الاعراف (7) کی آیات 156، 157 کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ:

﴿وَ اكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ؗ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ (الاعراف 7: 156 تا 157)

"اور (اے اللہ) ہمارے لیے دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔" اللہ نے فرمایا: میں اپنا عذاب جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں مگر میری رحمت ہر چیز پر چھائی

Marfat.com

ہوئی ہے۔ اس لینے میں اُن لوگوں کے لیے رحمت لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور میری نشانیوں پر ایمان لائیں گے۔ اور ان لوگوں پر بھی میری رحمت ہوگی جو اُس رسول کی پیروی کریں گے جو اُمی نبی ﷺ ہے۔ جس کے آنے کی پیش گوئی وہ اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے اور اُن کے لیے پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ وہ اُن پر سے جاہلیت کے بوجھ اور طوق ہٹاتا ہے۔ پھر جو لوگ اُس پر ایمان لائے، جنھوں نے اس کی عزت کی، اس کی مدد کی، اور اُس نور کی پیروی کی جو اُس پر اتارا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

ہمارے نزدیک مذکرہ بالا دونوں آراء صحیح ہوسکتی ہیں۔ لیکن ہم ان میں سے دوسری رائے کو بہتر اور راجح سمجھتے ہیں کہ نبیوں کے بارے میں عہد بنی اسرائیل ہی سے لیا گیا تھا جس میں یہودی اور عیسائی دونوں اہلِ کتاب شامل ہیں۔

فرمایا، اب بنی اسرائیل کیوں اپنے اس عہد سے پھر کر حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ ان کی کتابوں کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار سب کا انکار ہے۔ جو شخص موسیٰ علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتا ہے لازم ہے کہ وہ محمد ﷺ کو بھی نبی مانے ورنہ اُس کا ایمان معتبر نہیں ہے۔

﴿ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ ﴾ (آل عمران : 83)

فرمایا کیا اہل کتاب کو اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہیے؟ جب کہ اس دین کے سوا ہر مذہب گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنا سچا دین اپنے تمام پیغمبروں کے ذریعے بھیجا ہے۔ یہ ایک ہی دین ہے جس کا نام اسلام ہے۔ جو اسے قبول کرے گا اُسے ایمان کی دولت نصیب ہوگی اور وہ آخرت میں نجات پا جائے گا۔

﴿ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾

(آل عمران : 83)

فرمایا، اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا اور پسندیدہ دین ایک ہی ہے جو اسلام ہے اور جس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری۔ یہی تمام نبیوں کی تعلیم ہے۔ کائنات کی ہر چیز خوشی اور ناخوشی سے اللہ سبحانہٗ ہی کی اطاعت اور فرماں برداری کر رہی ہے۔ وہی سب کا خالق و مالک ہے۔ انسان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی خوشی اور مرضی سے ہر حال میں اللہ ربُ العزت کی اطاعت اور فرماں برداری کرے جو صرف دینِ اسلام کی پیروی میں ہوسکتی ہے۔

آخر میں فرمایا:

﴿ وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران : 83)

Marfat.com

''اور سب اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ آج جو لوگ اُس دین اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں جو پوری کائنات کا دین ہے اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کر رہے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی اور رسول ہیں، تو ایسے لوگ یاد رکھیں کہ ایک دن اُن کو مرنا ہے اور اس کے بعد اللہ سبحانہٗ کے پاس جانا ہے۔ پھر وہاں اُن کے سچے دین اور سچے نبی کے انکار کرنے اور کفر و شرک اختیار کرنے پر عذاب ہوگا۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

(آل عمران : 84 تا 85)

''اے نبی ﷺ! آپ ﷺ اُن سے کہیں: ''ہم تو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اور اُس پر جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا، اور اُس پر جو ابراہیم، اسحاق، اسماعیل، یعقوب علیہم السلام اور اولادِ یعقوب پر نازل ہوا، اور ان کتابوں پر بھی ہمارا ایمان ہے جو موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبیوں پر اُتاری گئیں۔ ہم کسی نبی کا انکار نہیں کرتے، اور ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔ جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرتا ہے، اللہ اُس کے دین کو ہرگز قبول نہ کرے گا، اور وہ شخص آخرت میں گھاٹے میں رہے گا۔''

آیات کی تفسیر:

﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾﴾

(آل عمران : 84)

یہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں سے فرمایا گیا کہ آپ ﷺ اعلان کر دیجئے کہ ہمارا دین یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس وحی اور کتاب پر بھی ہمارا ایمان ہے جو ہم پر نازل ہوئی ہے۔ ہم ہر اُس وحی اور ہر کتاب کو مانتے ہیں جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام پر اور اولادِ یعقوب علیہ السلام یا موسیٰ، عیسیٰ علیہما السلام اور اللہ کے دوسرے

Marfat.com

انبیائے علیہم السلام پر نازل ہوئی۔ ہم اللہ کے سب نبیوں اور رسولوں کو مانتے ہیں۔ کسی ایک نبی یا رسول کا بھی انکار نہیں کرتے۔ ہم صرف اللہ کے فرماں بردار بندے ہیں۔

اس موقع پر خاص طور پر اہل کتاب پر طنز و تعریض ہے جو بعض نبیوں کو مانتے اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ اور ہدایت کا راستہ اختیار نہیں کرتے۔

﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾﴾

(آل عمران : 85)

فرمایا جب پوری کائنات کے لیے اور تمام پیغمبروں کے لیے ایک ہی دین ہے اور وہ اسلام ہے۔ اس کے سوا کوئی اور سچا دین ہے ہی نہیں، تو پھر جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور مذہب اختیار کرتا ہے تو اُس کا وہ مذہب اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوگا اور ایسا شخص آخرت میں گھاٹے میں رہے گا۔

اِس مقام پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد پوری انسانیت کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین اسلام کی پیروی کرے ورنہ نہ تو اُس کا ایمان معتبر ہے اور نہ وہ آخرت میں نجات پا سکے گا۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ، لَا يَسْمَعُ بِيْ اَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ، يَهُوْدِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِيْ اُرْسِلْتُ بِهٖ، اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ.))

(صحيح مسلم، رقم: 386)

”قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ اس امت کا کوئی شخص ایسا نہیں ہے، خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی، جو میری رسالت کی خبر سنے اور اس پیغام کو جو میں لایا ہوں، نہ مانے اور پھر وہ دوزخیوں میں سے نہ ہو۔“

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۙ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ

Marfat.com

اَصۡلَحُوۡا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۸۹﴾

(آل عمران : 86 تا 89)

"اللہ ایسے اہلِ کتاب کو کیوں ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے؟ حالانکہ وہ اِس بات کی گواہی دے چکے تھے کہ یہ سچا پیغمبر ہے۔ اور ان کے پاس روشن نشانیاں آ چکی تھیں۔ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی، اُس کے فرشتوں کی، اور سب انسانوں کی۔ اسی لعنت میں وہ ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔ نہ ان کا عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ البتہ جنہوں نے کفر سے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

لَعۡنَةَ اللّٰهِ:...... (اللہ کی لعنت) لعنت کے اصل معنی غصے کی حالت میں کسی کو دور کر دینے کے ہیں۔ پھر اس سے پھٹکار، دھتکار اور لعنت کے معنی پیدا ہو گئے اور بعد میں اس کا یہ مطلب ہو گیا کہ اللہ کی رحمت سے دُوری۔

یُنۡظَرُوۡنَ:...... (ن ظ ر) اس کے معنی ہیں: اُن کو مہلت یا ڈھیل نہیں دی جائے گی۔

﴿كَيۡفَ يَهۡدِى اللّٰهُ قَوۡمًا كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِيۡمَانِهِمۡ وَشَهِدُوۡۤا اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ﴾ (آل عمران : 86)

یہ اندازِ بیان نفی کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے اہل کتاب کو کیوں ہدایت دے۔ مراد یہ ہے کہ اُن کو ہدایت نہیں دے گا۔ کیونکہ وہ خود ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی خریدنا چاہتے ہیں۔

قرآن کے اس اسلوب بیان کی ایک اور مثال یہ ہے:

﴿كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِهٖۤ﴾ (التوبۃ 9: 7)

"مشرکین کے لیے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ذمّے کوئی عہد کیسے رہ سکتا ہے؟"

مطلب یہ ہے کہ ان مشرکین سے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد معاہدہ نہیں ہے۔

اِس سے پہلے دینِ اسلام کا ذکر ہوا تھا کہ وہی تمام انبیاء کا دین ہے۔ اس دین کے سوا کوئی اور دین مقبول و معتبر نہیں ہے، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ دینِ اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں یا اس دینِ حق کو قبول نہیں کرنا چاہتے تو وہ ظالم ہیں۔ اللہ سبحانہٗ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دے گا کیونکہ وہ خود ہدایت کی طرف آنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کو اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

﴿اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمۡ اَنَّ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةَ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ ﴿۸۸﴾﴾ (آل عمران : 87-88)

Marfat.com

فرمایا ایسے لوگوں پر جن کا اوپر ذکر ہوا ہے، اُس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی۔ اسی لعنت میں وہ گرفتار رہیں گے۔ اُن کو دوزخ میں جو عذاب دیا جائے گا اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اُن کو کوئی مہلت نہیں دی جائے گی اور ان کے عذاب کے دوران میں اُن کو کوئی وقفہ نہیں دیا جائے گا۔

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝٨٩﴾

(آل عمران : 89)

فرمایا، البتہ اُن میں سے جو لوگ مرنے سے پہلے توبہ کرلیں گے، اپنی اصلاح کر کے اچھے اعمال کریں گے تو اُن کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔ کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ سچی اور خالص توبہ کرنے والوں کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچی اور خالص توبہ وہی ہے جس کے بعد اصلاح ہو جائے۔ بندہ برائی کو چھوڑ کر نیکی کو اختیار کر لے۔

ان چاروں آیتوں (86 تا 89) کا شانِ نزول یہ ہے کہ اہل کتاب...... یہودی اور عیسائی لوگ اس سے پہلے اپنی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کے بارے میں پیش گوئیوں پر یقین و ایمان رکھتے تھے اور گویا اُن کے گواہ تھے۔ مگر جب حضور ﷺ کی بعثت ہوگئی تو عربوں سے حسد اور تعصب کی وجہ سے اپنی باتوں سے پھر گئے۔ آپ ﷺ کو نبی نہیں مانا۔ اس طرح انہوں نے گویا ایمان لانے کے بعد کفر کی راہ اختیار کر لی۔ اہل کتاب کے انہی حاسدوں اور متعصب لوگوں کے بارے میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت و ایمان کی توفیق نہیں دے گا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے لیے ہدایت و ایمان کے دروازے خود بند کر لیے اور اللہ سبحانہٗ ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے پھر ان کو ہدایت کی توفیق نہیں ملتی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ
تَوْبَتُهُمْ ج وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۝٩٠ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا
وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا
وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ط أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ
مِنْ نَاصِرِينَ ع ۝٩١ ع ٩ ١١ ١٧

(آل عمران : 90 تا 91)

”بے شک جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے، اُن کی توبہ ہرگز

Marfat.com

قبول نہ ہوگی، اور ایسے لوگ گمراہ ہیں۔ جو لوگ کافر ہوئے اور کفر کی حالت میں مر گئے، اگر وہ عذاب سے بچنے کے لیے زمین بھر کا سونا چاندی فدیے میں دے دیں تو بھی قبول نہ ہوگا۔ اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا، اور اُن کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

مِلْءُ الْاَرْضِ:......اس کے معنی ہیں: زمین بھر، زمین کے برابر۔

اِفْتَدٰی بِہٖ:......(ف د ی) اس کے معنی ہیں: اُس نے اپنے چھڑانے کا وہ بدلہ دیا۔ اُس نے اپنے آپ کا وہ فدیہ یا کفارہ دیا۔ اس کا مصدر اِفْتِدَاءٌ (فدیے میں دینا) ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ﴾

(آل عمران : 90)

یہ اُن کافروں کا ذکر ہے جو پہلے اہل کتاب تھے اور اپنی کتابوں......توریت اور انجیل میں محمد ﷺ کی بعثت اور نبوت کی پیش گوئیوں سے واقف تھے اور اُن پر یقین و ایمان رکھتے تھے۔ مگر جب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی تو عربوں سے حسد اور تعصب کی وجہ سے آپ ﷺ کی نبوت سے انکار کر بیٹھے اور کافر ہو گئے۔ پھر وہ اس حد تک کفر میں آگے چلے گئے کہ اُن کو سچی توبہ کرنے کی توفیق نہ رہی۔ کیونکہ وہ اپنے حسد اور تعصب کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ اگر چاہتے تو اپنے حسد اور تعصب کو چھوڑ کر اپنے کفر سے سچی توبہ کر سکتے تھے اور اس صورت میں اُن کی توبہ بھی قبول ہو سکتی تھی۔ مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ جس کی وجہ سے گمراہی کی اس حالت میں نہ تو ان کی توبہ سچی ہو سکتی تھی اور نہ وہ قبول ہو سکتی تھی۔

آخر میں فرمایا: ﴿وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ﴾ "اور ایسے لوگ گمراہ ہیں" کہ ایسے لوگ کفر میں بڑھتے رہے۔ گمراہی پر جم گئے اور انہوں نے ہدایت کی طرف آنا گوارا نہ کیا۔ ایسی صورت حالت میں سچی اور خالص توبہ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی اور اُن کا توبہ کرنا یا نہ کرنا برابر ہو جاتا ہے اور اُن کی کوئی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّ لَوِ افْتَدٰی بِهٖ﴾

(آل عمران : 91)

اب یہ کافروں کی حالت بیان کی گئی ہے جس میں ہر قسم کے کفار شامل ہیں اور جو دنیا میں کفر کی حالت میں ہی جیتے ہیں اور توبہ کیے بغیر کفر کی حالت ہی میں مر جاتے ہیں۔ آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے توبہ کرنے کا کوئی موقع باقی نہیں رہے گا۔ وہاں اگر بالفرض وہ یہ چاہیں گے کہ زمین بھر سونا بھی فدیے میں دے کر عذاب سے اپنی جان چھڑا لیں تو ایسا ممکن نہ ہوگا۔ اُن کا فدیہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ دوزخ کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔

قرآن نے اسی مضمون کو دوسری جگہ دُگنا کر کے بیان کیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ

Marfat.com

عَذَابِ یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنۡہُمۡ ۚ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ﴾ (المائدہ 5: 36)

''بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، اگر اُن کے پاس ساری زمین کی دولت ہو اور اتنی ہی اور بھی ہو اور وہ چاہیں کہ یہ سب کچھ فدیے میں دے کر قیامت کے دن عذاب سے چھوٹ جائیں، پھر بھی اُن کا یہ فدیہ قبول نہ ہوگا، اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔''

اسی طرح سورۃ الحدید میں ہے کہ:

﴿فَالۡیَوۡمَ لَا یُؤۡخَذُ مِنۡکُمۡ فِدۡیَۃٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ مَاۡوٰىکُمُ النَّارُ ؕ ہِیَ مَوۡلٰىکُمۡ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ﴾ (الحدید 57: 15)

''پھر آج کے دن نہ تم (منافقوں) سے کوئی فدیہ لیا جائے گا، نہ اُن لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا۔ تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہی تمہارے لیے مناسب جگہ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے!''

ایک صحیح حدیث میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((یُقَالُ لِلْکَافِرِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ: اَرَءَیْتَ لَوْ کَانَ لَكَ مِلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا، اَکُنْتَ تَفْتَدِیْ بِہٖ، فَیَقُوْلُ: نَعَمْ۔ فَیُقَالُ لَہٗ: قَدْ سُئِلْتَ اَیْسَرَ مِنْ ذٰلِكَ .))

(صحیح مسلم، رقم: 7085)

''قیامت کے دن کافر شخص سے کہا جائے گا: اگر آج تیرے پاس زمین بھر سونا ہوتا تو کیا تو عذاب سے بچنے کے لیے اسے فدیے میں نہ دے دیتا؟ وہ کہے گا: جی ہاں۔ پھر اُس سے فرمایا جائے گا: دنیا میں تو اس سے بھی کم اور آسان چیز تجھ سے مانگی گئی تھی (اور تو وہ بھی اللہ کی راہ میں نہیں دیتا تھا)۔''

﴿اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ وَّ مَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۹۱﴾﴾ (آل عمران: 91)

فرمایا جو لوگ کفر کی حالت میں مرتے ہیں اُن کو آخرت میں دردناک عذاب ہوگا اور وہاں اُن کو اپنا کوئی حامی اور مددگار نہ ملے گا۔

یہی مضمون قرآن میں اور جگہوں پر بھی آیا ہے جیسے:

﴿وَقِیۡلَ الۡیَوۡمَ نَنۡسٰىکُمۡ کَمَا نَسِیۡتُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ ہٰذَا وَمَاۡوٰىکُمُ النَّارُ وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ﴾ (الجاثیہ 45: 34)

''اور ان (کافروں) سے کہا جائے گا: ''آج ہم بھی تمہیں عذاب میں ڈال کر بھول جائیں گے جس طرح تم نے اپنے اِس دن کے آنے کو بھلائے رکھا۔ اب تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں۔''

Marfat.com

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

(آل عمران : 92)

"(اے مسلمانو!) تم نیکی کا اعلیٰ درجہ نہیں پا سکتے جب تک اللہ کی راہ میں اپنا پسندیدہ مال خرچ نہ کرو۔ تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے، اللہ اسے جانتا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیت کی تفسیر:

تَنَالُوْا:...... (تم پہنچو گے، تم پاؤ گے)۔ یہ نَالَ یَنَالُ نَیْلاً سے ہے جس کے معنی ہیں حاصل کرنا، پانا۔

مِمَّا:...... (مِنْ + مَا) اس میں مِنْ تبعیض کے لیے آیا ہے مطلب یہ ہے کہ سارا پسندیدہ مال خرچ نہ کرو بلکہ اُس میں سے کچھ خرچ کر دو۔

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ﴾ (آل عمران : 92)

اِس سے پہلے یہ مضمون بیان ہوا تھا کہ آخرت میں کافروں کی طرف سے مال و دولت کا فدیہ قبول نہیں ہوگا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔

فرمایا تم نیکی کے اُس اعلیٰ درجے کو نہیں پہنچ سکتے جس کے نتیجے میں تم آخرت میں دوزخ کے عذاب سے بچ جاؤ اور تمہیں جنت مل سکے، جب تک تم اپنا پسندیدہ مال اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ خواہ یہ اِنفاق نفلی صدقے کی شکل میں ہو یا فرض صدقے یعنی زکوٰۃ کی صورت میں۔ اس سے پہلے اہل کتاب کا ذکر چلا آ رہا تھا جن کو اپنی دین داری پر بڑا ناز اور غرور تھا۔ جو یہ سمجھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی چہیتی اور پیاری قوم ہیں۔ جنت صرف انہیں کے لیے بنائی گئی ہے۔ نبوت و رسالت صرف انہی کے خاندان کا حق ہے۔ ان کے خاندان سے باہر کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ مگر وہ لوگ مال و دولت کی ہوس، بخل، سود خواری اور دنیا پرستی میں گرفتار تھے۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ان کے لیے بہت مشکل اور ناگوار تھا۔ اس جگہ ان کو خاص طور پر مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ دین داری کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے اچھے مال میں سے اُس کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ یاد رہے کہ آیت بِر" (البقرۃ 177) میں بھی یہودیوں کی رسمی دین داری کا پول کھولا گیا تھا۔ اِس اِنفاق میں نیت خالص ہو، نمود و نمائش، ریاکاری اور دکھاوا نہ ہو۔ صرف اس طرح کے انفاق کی جزا جنت ہے اور تم ایسے انفاق سے محروم ہو۔ لہٰذا آخرت میں جنت سے بھی محروم رہو گے۔ وہاں تمہاری ظاہری دین داری کچھ کام نہ آئے گی۔ لیکن چونکہ آیت کا حکم عام ہے۔ اس لیے اہل کتاب کے ساتھ مسلمان بھی اس کے مخاطب ہیں۔

Marfat.com

آخر میں فرمایا کہ تم جو صدقہ بھی کرتے ہو اللہ جانتا ہے اور اس کے مطابق تمہیں جزا دے گا۔ اس فقرے سے صدقے کو چھپا کر دینے کی ترغیب ملتی ہے کیونکہ اُسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے دوسروں کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔

ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اِس پر عمل کرتے ہوئے اپنا ایک قیمتی اور پیارا باغ "بَیْرُحَاءُ" اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا تھا۔

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینے کے انصار میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھجوروں کے لحاظ سے زیادہ مال دار تھے۔ اُن کو اپنے مال میں سے بیرحاء نامی کھجوروں کا باغ سب سے زیادہ پسند تھا۔ یہ باغ مسجد نبوی کے سامنے واقع تھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی کبھی کبھی وہاں تشریف لے جاتے اور وہاں کا میٹھا پانی نوش فرماتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ﴾ (آل عمران 3: 92)

"تم نیکی کا اعلیٰ درجہ حاصل نہیں کر سکتے جب تک اللہ کی راہ میں اپنے اُس مال میں سے خرچ نہ کرو جو تمہیں بہت پیارا ہے۔"

تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے بیرحاء باغ سب سے زیادہ پسند ہے۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ ہے۔ میں اس کے ثواب اور اللہ سبحانہٗ کے ہاں ذخیرہ ہونے کی امید رکھتا ہوں۔ یا رسول اللہ! آپ ﷺ اِسے جیسے چاہیں اور جہاں چاہیں اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کر سکتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بہت خوب! یہ بہت نفع بخش مال ہے۔ تم نے جو کچھ کہا وہ میں نے سن لیا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم اِس باغ کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اسی طرح کروں گا۔ پھر انہوں نے اپنا وہ باغ اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں بانٹ دیا۔"

اِس واقعے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عزیز و اقارب کو صدقہ دینے کا دوہرا ثواب ہے، ایک صدقے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ سیّدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس صدقے سے دوہرا اجر کمایا اور نیکی کا اعلیٰ ترین درجہ بھی حاصل کر لیا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ کس قدر زیادہ تھا۔ آج امتِ مسلمہ میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو اس کے جملہ مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝﴾ (آل عمران 92:3)

"فرمایا، تم جو مال بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے چھپ نہیں سکتا۔ اس لیے وہ تمہارے صدقات پر تمہیں بہترین بدلہ دے گا۔"

Marfat.com

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

(آل عمران: 93 تا 95)

”بنی اسرائیل کے لیے کھانے کی تمام پاکیزہ چیزیں حلال تھیں، سوائے اُس چیز کے جو یعقوب علیہ السلام نے توریت نازل ہونے سے بہت پہلے اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان یہودیوں سے کہہ دیں ”توریت لاؤ اور اسے پڑھ کر دیکھ لو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو“ اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھیں، وہ ظالم ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے کہہ دیں ”اللہ نے سچ فرمایا ہے، لہٰذا تم ابراہیم علیہ السلام کے دین پر چلو، جو یکسو اور موحد تھے اور مشرک نہ تھے۔“

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

حِلًّا:......اس کے معنی ”حلال“ کے ہیں جو کہ حرام کی ضد ہے۔

اِسْرَآئِیْلَ:...... یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جس کے معنی ہیں اللہ کا بندہ۔

اِفْتَرٰی:......(ف ر ی): اس کے معنی ہیں: اُس نے جھوٹ گھڑ لیا۔

﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ﴾ (آل عمران: 93)

اس سورت کے آغاز سے لے کر اب تک تین بنیادی مضامین بیان ہوئے ہیں:

1۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت

2۔ اللہ تعالیٰ کی توحید

3۔ اہل کتاب سے بحث، مباہلہ اور اُن کے بعض غلط عقائد و بدعات کی تردید

اب اہل کتاب کی طرف سے کیے گئے دو اعتراضوں کا جواب دیا جا رہا ہے۔ ان میں سے پہلے اعتراض کا جواب آیات 93 تا 95 میں دیا گیا ہے اور دوسرے اعتراض کا جواب اُن سے بعد کی دو آیتوں 96، 97 میں آئے گا۔

Marfat.com

اہل کتاب کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں مگر وہ بعض ایسی چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں جو ملت ابراہیمی میں حرام ہیں۔ اس کے لیے وہ اونٹ کے گوشت کی مثال دیتے تھے کہ ملتِ ابراہیمی میں حرام ہے جب کہ حضرت محمد ﷺ اسے حلال سمجھتے ہیں۔ اس لیے ان کا یہ دعویٰ کیسے سچا ہوسکتا ہے کہ وہ ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں؟

قرآن مجید نے اہل کتاب کے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ طیبات یعنی کھانے کی تمام پاکیزہ چیزیں تورات نازل ہونے سے پہلے تک ملتِ ابراہیمی میں بھی حلال تھیں۔ البتہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کسی احتیاط یا طبی پرہیز کی خاطر اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا، حالانکہ وہ اسے حلال سمجھتے تھے۔

پھر بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر تورات میں بعض طیبات یعنی حلال اور پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دیا جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی وضاحت موجود ہے:

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ (النساء 4: 160)

''یہودیوں کے ظلم اور جرائم کی وجہ سے ہم نے کئی پاکیزہ چیزیں اُن پر حرام کر دیں جو پہلے اُن کے لیے حلال تھیں۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا کہ:

﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَايَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ٘ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۝﴾ (الانعام 6: 146)

''اور یہودیوں کے لیے ہم نے سارے ناخن والے جانور حرام کیے تھے۔ اس کے علاوہ گائے اور بکری کی چربی حرام کی، سوائے اُس چربی کے جو اُن کی پیٹھ یا انتڑیوں پر لگی ہو، یا کسی ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو...... یہ ہم نے اُن کو سزا دی اُن کی سرکشی پر اور ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔''

لیکن چونکہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھیوں اور پیروکاروں نے ایسی کوئی سرکشی یا نافرمانی نہیں کی جس کی سزا کے طور پر اُن کے لیے طیّبات یعنی پاکیزہ اور حلال چیزیں حرام ہو جائیں۔ اس لیے وہ تمام طیبات جو ملتِ ابراہیمی میں حلال تھے وہ حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لیے بھی حلال ہیں اور اس حوالے سے نبی ﷺ واقعی ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں۔

﴿قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝﴾ (آل عمران: 93)

فرمایا، ان سے کہہ دیجیے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنی تورات لاؤ اور اسے پڑھ کر دیکھ لو کہ کیا یہی معاملہ نہ تھا کہ تمہاری سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے بعض طیبات، جس میں اونٹ کا گوشت بھی شامل ہے، تم پر حرام کر دیے گئے۔

Marfat.com

موجودہ منسوخ توریت میں بھی جا بجا بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی پر اُن کو خداوند خدا کی طرف سے سزا دینے کا ذکر موجود ہے۔

توریت لانے کا یہ چیلنج بھی حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کے سچے ہونے کی کھلی دلیل ہے کیونکہ آپ ﷺ اُمی تھے اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں کبھی توریت نہیں پڑھی کہ آپ ﷺ کو معلوم ہوتا کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے اور کیا نہیں لکھا ہوا۔ یہ بات آپ ﷺ کو صرف وحی کے ذریعے بتائی گئی تھی جو اس بات کا عملی ثبوت تھا کہ آپ ﷺ واقعی سچے نبی ہیں۔

﴿فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٩٤﴾﴾

(آل عمران : 94)

فرمایا، اِس چیلنج کے بعد ثابت ہو گیا کہ یہودی علما جھوٹے، بے ایمان اور ظالم ہیں کہ اونٹ کا گوشت ملتِ ابراہیمی میں حرام ہے مگر وہ اپنے اس دعوے کو توریت سے سچا ثابت نہیں کر سکتے۔ وہ اصل حقیقت کو ظاہر نہیں کرتے کہ یہ تو بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے سزا کے طور پر توریت میں حرام ہوا تھا۔ لیکن توریت کے نازل ہونے سے پہلے کے نبیوں کی شریعتوں میں اور ملتِ ابراہیمی میں یہ حلال تھا، اور امت مسلمہ بھی چونکہ ملتِ ابراہیمی کی پیروکار ہے اس لیے اس امت کے لیے بھی اونٹ کا گوشت حلال ہے۔

آخر میں یہودی علما کو ظالم قرار دیا گیا ہے کہ وہ جھوٹے دعوے کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط باتیں منسوب کرتے ہیں، اللہ کی کتاب کے اصل احکام چھپاتے ہیں اور خلقِ خدا کو دھوکا دیتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ کے بھیجے ہوئے سچے نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ظالم ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کبھی نہ بچ سکیں گے۔

﴿قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ﴾

(آل عمران : 95)

یہ نبی ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ: اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا ہے اور اصل حقیقت واضح کر دی ہے کہ شروع میں توریت کے نازل ہونے سے پہلے تک بنی اسرائیل کے لیے تمام طیبات یعنی پاکیزہ چیزیں حلال تھیں۔ جن میں اونٹ کا گوشت بھی شامل تھا۔ مگر پھر یہودیوں کی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے توریت میں اُن کے لیے بہت سے طیبات...... پاکیزہ اور حلال چیزیں بھی حرام کر دی گئیں اور اُن میں اونٹ کا گوشت بھی شامل ہے۔

﴿فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٥﴾﴾

(آل عمران : 95)

فرمایا اصل دین ملتِ ابراہیمی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام ایک توحید پرست نبی تھے۔ مگر ان کے ماننے والے یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا کر اور عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے کر ملتِ ابراہیمی سے انحراف کر لیا ہے اور شرک کا ارتکاب کیا ہے۔ عرب کے مشرکین بھی ان دونوں گمراہ قوموں سے پیچھے نہیں رہے، وہ بھی سینکڑوں بتوں کی پوجا

Marfat.com

کر کے ملتِ ابراہیمی سے خارج ہو چکے ہیں۔ غرض تینوں مذہبی گروہوں کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ ملتِ ابراہیمی پر ہیں جب کہ اصل میں وہ سارے ملتِ ابراہیمی سے منحرف ہو چکے ہیں اور اب اُن کو اِس سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۚ﴿۹۶﴾ فِيۡهِ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۷﴾

(آل عمران: 96-97)

''بے شک اللہ کا سب سے پہلا گھر جسے اُس نے لوگوں کے لیے عبادت کا مرکز قرار دیا وہی ہے جو مکّہ میں ہے، برکت والا اور سارے جہان والوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ وہاں اللہ کی کھلی نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیم علیہ السلام ہے۔ جو کوئی وہاں داخل ہو جائے اُسے امن حاصل ہے۔ اور اللہ کی طرف سے لوگوں پر فرض ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے، وہ اس کا حج کرے۔ اور جو اس حکم کو نہ مانے تو اللہ کو کیا پروا، وہ ساری دنیا سے بے نیاز ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

بَـكَّةَ: ...... یہ مکہ مکرمہ کا پرانا قدیمی نامی ہے۔ بعد میں ب (با) م (میم) میں تبدیل ہوگئی۔ اس کے اصل معنی ''بستی'' کے ہیں۔

مَـقَـامُ اِبۡـرٰهِيۡـمَ: ...... (مقامِ ابراہیم علیہ السلام) ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ۔ یہ ایک پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشان ہیں اور جو ابراہیم علیہ السلام کا مُصلا (جائے نماز) تھا۔

اٰمِنًا: ...... یہ امن سے ہے۔ اس کے معنی ہیں: امن پانے والا، مامون اور محفوظ۔ یہ اسم فاعل ہے مگر اسم مفعول کے معنوں میں ہے۔

حِجُّ: ......اسے حَجُّ بھی پڑھا جاتا ہے۔ (جیسا کہ حِجَّةُ الوداع اور حَجَّةُ الوداع۔) اس کے اصل معنی قصد اور ارادہ کرنے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد ہے حج کی نیت سے احرام باندھنا، پھر خانہ کعبہ کا طواف کرنا، پھر خاص دنوں میں وقوفِ عرفات، طوافِ زیارت اور دوسرے مناسک حج ادا کرنا۔

Marfat.com

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۚ۹۶﴾﴾ (آل عمران : 96)

یہ یہودیوں کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے۔

یہودی کہتے تھے کہ حضرت محمد ﷺ نے بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ بنالیا ہے جب کہ بیت المقدس افضل ہے خانہ کعبہ سے۔ وہ تمام نبیوں کا قبلہ رہا ہے۔ اسحاق علیہ السلام کی اولاد اسی کو قبلہ مانتی اور اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتی آئی ہے۔ یہی ملتِ ابراہیمی کا قبلہ ہے۔ اس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کو قبلہ بنانا نہ صرف ملتِ ابراہیمی کو چھوڑ دینا ہے بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں۔

اللہ سبحانہٗ نے یہودیوں کے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ روئے زمین پر انسانوں کے لیے جو سب سے پہلا معبد اور سب سے پہلی عبادت گاہ بنی ہے وہ خانہ کعبہ ہے جو بکہ یعنی مکہ میں ہے اور جسے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام نے دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ توریت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بیت ایل (بیت اللہ) بنایا تھا۔ ظاہر ہے اس سے مراد صرف خانہ کعبہ ہوسکتا ہے کیونکہ بیت المقدس اور اس کا ہیکل تو بہت بعد میں 1005 قبل مسیح میں سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بنایا گیا اور اسے بنی اسرائیل کے لیے قبلہ قرار دیا گیا۔ اس لیے حضرت محمد ﷺ کا قبلہ خانہ کعبہ ہے اور آپ ﷺ دین ابراہیمی پر ہیں۔

اس جگہ مکہ کا قدیمی نام بکہ آیا ہے تا کہ اس کا قدیم ہونا بھی ظاہر ہو جائے ورنہ قرآن میں دوسری جگہ مکہ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورہ الفتح میں ہے:

﴿وَہُوَ الَّذِیۡ کَفَّ اَیۡدِیَہُمۡ عَنۡکُمۡ وَاَیۡدِیَکُمۡ عَنۡہُمۡ بِبَطۡنِ مَکَّۃَ﴾ (الفتح 48: 24)

''اور وہی اللہ ہے جس نے مکہ کے قریب کفار کے ساتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیے۔''

لیکن یہودی علما نے اپنی کتابوں میں تحریف کر کے وادی بکہ کو وادی بکاء (رونے دھونے کی وادی) بنا دیا تا کہ وہ نشانی ختم کر دی جائے جس سے خانہ کعبہ کا قبلہ ہونا ثابت ہوتا تھا اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت سچی ثابت ہوتی تھی۔

اس کے بعد خانہ کعبہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ﴿مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۚ۹۶﴾﴾ ہے یعنی وہ برکت کا مقام اور انسانوں کے لیے ہدایت کا مرکز ہے۔

یہ حرمِ کعبہ کی برکت ہے کہ مکّے کی غیر زرعی زمین (37:14) میں ساری دنیا کے پھل میوے اور رزق وافر ملتا ہے۔

﴿اَوَ لَمۡ نُمَکِّنۡ لَّہُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجۡبٰۤی اِلَیۡہِ ثَمَرٰتُ کُلِّ شَیۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا﴾

(القصص 28: 57)

Marfat.com

”کیا ہم نے انہیں امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہماری طرف سے روزی کے طور پر ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں۔“

وہیں پر طواف کی عبادت ہوسکتی ہے جو اور کہیں نہیں ہوسکتی۔ وہاں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ یہی سرزمین ہے جہاں سب سے پہلے قرآن پاک کا نزول ہوا اور باقی قرآن مدینے میں نازل ہوا۔

پوری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں میں خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے کشش پائی جاتی ہے۔ لوگ پیدل، مختلف سواریوں اور جہازوں کے ذریعے وہاں عمرے اور حج کے لیے جاتے ہیں۔ حاجیوں اور معتمرین (عمرہ کرنے والوں) کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ جس کے لیے حرم کی توسیع ہوتی رہتی ہے۔ اہلِ اسلام اسے قبلہ مان کر اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ جس کے بارے میں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ:

﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَ ارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ﴾

(ابراھیم 14 : 37)

”اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک غیر آباد وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ تو لوگوں کے دل اُن کی طرف مائل کر دے۔ اُن کو اناج اور پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ شکر کریں۔“

﴿فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ﴾ (آل عمران : 97)

فرمایا، حرم کعبہ میں دین حق کی کھلی نشانیاں موجود ہیں۔ جیسے:

1۔ وہاں مقامِ ابراہیم ہے جو ایک پتھر کا نام ہے۔ جو اصل میں ابراہیم علیہ السلام کا مصلا تھا جس پر وہ نماز اور عبادت کے لیے کھڑے ہوئے تھے اور اس پتھر پر اُن کے پاؤں مبارک کے نشانات پڑ گئے تھے جو اب بھی موجود ہیں۔ مگر عوام میں جو مشہور ہے کہ اس پتھر پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی دیواریں بنائی تھیں۔ جس سے اس پتھر پر اُن کے قدم مبارک کے نشانات پڑ گئے تھے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس زمانے میں خانہ کعبہ کی دیواریں اتنی اونچی نہیں بنائی گئی تھیں کہ اس کے لیے کسی پتھر پر کھڑے ہونے کی ضرورت پڑتی۔ مقامِ ابراہیم کو اہلِ عرب اچھی طرح جانتے تھے۔ اِس کے بعد مکے کے قبلۂ اول اور قدیم ترین ہونے میں کیا شک باقی رہ سکتا ہے؟

2۔ وہیں زمزم کا وہ کنواں ہے جس کا پانی نہایت خالص ہے جو پیاس بھی بجھاتا ہے، غذا کا کام بھی دیتا ہے اور اس میں شفا بھی رکھی گئی ہے۔ زمزم کا یہ پانی حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے ذریعے دنیا بھر میں پیا جاتا ہے۔

3۔ وہاں حجر اسود ہے۔ جسے طواف کے دوران میں بوسہ دیا جاتا ہے۔ جس کے بارے میں ہے کہ وہ جنت سے لایا

Marfat.com

گیا سفید پتھر تھا جو بعد میں انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے سیاہ ہو گیا۔ اس لیے عرب اُسے حجر اسود (سیاہ پتھر) کہنے لگے۔

4۔ وہاں صفا اور مروہ بھی (اللہ کی نشانیوں)......شعائر اللہ میں سے ہیں جن کے درمیان سعی کرنا واجب ہے۔

5۔ اس کے علاوہ وہاں حج کے دوسرے مشاعر بھی ہیں جیسے منیٰ، مزدلفہ اور میدانِ عرفات وغیرہ۔

6۔ اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کے لشکر سے خانہ کعبہ کو محفوظ رکھا تھا۔ یہ سب آیات بیّنات یعنی دین حق کی واضح نشانیوں میں شامل ہیں۔

﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ (آل عمران: 97)

فرمایا جو شخص حرمِ کعبہ میں داخل ہو جائے تو وہ امن کی جگہ میں آ گیا اور اُسے امن حاصل ہو گیا۔

دورِ جاہلیت میں بھی اہلِ عرب حرمِ کعبہ کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ اگر اُن میں سے کسی کے باپ کا قاتل بھی حرم میں پناہ لے لیتا تھا تو اسے بھی چھوڑ دیا جاتا تھا۔ بعد میں جب وہ حرم سے باہر نکلتا تو اسے پکڑا جا سکتا تھا۔ اس طرح پورا حرم امن وامان کی جگہ تھی اور اسلام میں بھی حرمِ کعبہ کی تعظیم اسی طرح سے برقرار رکھی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی حرم میں دیکھ لوں تو اسے کوئی سزا نہ دوں جب تک وہ خود حرم کی حدود سے باہر نہ نکل جائے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے کہ جس شخص نے کسی کو قتل کیا، یا وہ مرتد ہو گیا، یا اُس نے زنا کیا اور پھر وہ حرمِ کعبہ میں پناہ لے لے تو اس کو حرم کے اندر کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ البتہ اُس کا معاشرتی مقاطعہ (Social Boycott) کیا جائے گا۔ اسے رہائش نہیں دی جائے گی۔ کھانے پینے کی کوئی چیز اس تک پہنچنے نہیں دی جائے گی اور اس سے خرید و فروخت بھی نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ وہ حرم سے باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے اور پھر اسے پکڑ کر سزا دی جائے۔

جہاں تک فتح مکہ کا واقعہ ہے تو اس جنگ کا مقصد خانہ کعبہ کو شرک اور بتوں سے پاک کرنا تھا تاکہ وہاں صرف ایک خدا کی عبادت ہو سکے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف دن کے چند گھنٹوں کے لیے جائز تھا کہ وہاں مزاحمت کرنے والے مشرکین کے خلاف جنگ کریں۔ ورنہ حرم میں نہ اس سے پہلے لڑائی جائز تھی اور نہ بعد میں قیامت تک وہاں جائز ہے۔

جیسا کہ صحیح حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا:

((اِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَاِنَّهٗ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ، وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ اِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهٗ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهٗ، وَلَا يُلْتَقَطُ

Marfat.com

لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا، وَلَا يُخْتَلَى خَلَاهَا. فَقَالَ الْعَبَّاسُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِلَّا الْإِذْخَرَ، فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوتِهِمْ؟ فَقَالَ: إِلَّا الْإِذْخَرَ.))

(صحیح بخاری، رقم: 1834، صحیح مسلم، رقم: 3302، نسائی، رقم: 2874)

''اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کرتے وقت سے اِس شہر (مکہ مکرمہ کو محترم قرار دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت وعظمت کی وجہ سے یہ قیامت تک محترم رہے گا۔ مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس جگہ جنگ و قتال حلال نہیں تھا۔ صرف میرے لیے اور وہ بھی دن کے کچھ وقت کے لیے اس میں لڑائی جائز ہوئی۔ اب پھر یہ اللہ تعالیٰ کی حرمت وعظمت کے سبب قیامت تک کے لیے محترم ہے۔ نہ یہاں کے کانٹے اور درحت کاٹے جائیں، نہ اِس میں شکار کیا جائے، نہ اِس میں گری پڑی چیز اٹھائی جائے۔ البتہ اگر کوئی شخص اس میں گری پڑی چیز اٹھا کر لوگوں میں اس کا اعلان کر دے تو ایسا کرنا درست ہے۔ اور یہاں کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اِذخر گھاس کے؟ کیوں وہ لوہاروں کی بھٹی جھونکنے اور لوگوں کے گھر بنانے کے کام آتی ہے؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، سوائے اِذخر گھاس کے۔''

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ (آل عمران: 97)

فرمایا، اِس امت کے اُن لوگوں پر بیت اللہ شریف کا حج فرض ہے جو وہاں پہنچنے کی طاقت اور استطاعت رکھتے ہوں۔ اِس آیت میں عَلٰی کے لفظ ہی سے حج کا فرض ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ پھر اس حکم کی تشریح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوا ......))

(صحیح مسلم، رقم: 3257، نسائی، رقم: 2619، ابو داؤد، رقم: 1721، دارمی، رقم: 1788)

''اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا تم حج کیا کرو......''

وہاں پہنچنے کی طاقت اور استطاعت ہر شخص، ہر علاقے اور ہر زمانے کے حالات سے مختلف ہو سکتی ہے۔ جیسے دُور کے رہنے والوں کے لیے زادِ راہ اور سواری کا میسر ہونا شرط ہے۔ صحت جسمانی بھی ضروری ہے۔

حج اسلام کا ایک بنیادی رکن اور افضل عبادت ہے۔ ایک متفق علیہ حدیث میں ایمان اور جہاد کے بعد حج کو سب سے افضل عمل قرار دیا گیا ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: إِيمَانٌ بِاللّٰهِ

Marfat.com

وَرَسُوْلِهٖ، قِيْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، قِيْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: حَجٌّ مَبْرُوْرٌ.))

(صحیح بخاری، رقم: 26۔ صحیح مسلم، رقم: 248۔ نسائی، رقم: 2624۔ ترمذی، رقم: 1658)

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا۔ عرض کیا گیا کہ اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ عرض کیا گیا کہ اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: مقبول حج۔''

اسی طرح ایک اور متفق علیہ حدیث میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ.))

''جو شخص اللہ کے لیے حج کرے۔ اس دوران میں نہ وہ فحش کلامی کرے اور نہ کوئی گناہ کرے تو وہ ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے اُس دن گناہوں سے پاک تھا جب اُس کی ماں نے اُسے جنم دیا تھا۔''

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (آل عمران: 97)

اسی مضمون کی نظیر سورہ ابراہیم میں موجود ہے:

﴿وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ (ابراھیم 14: 8)

''اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا ''اگر تم کفر کرو اور زمین کے سارے لوگ کافر ہو جائیں جب بھی اللہ کو پروا نہیں۔ وہ بے نیاز اور تعریف کے لائق ہے۔''

سیاقِ کلام کے لحاظ سے تو یہ ہے کہ جو شخص خانہ کعبہ کے بارے میں اُن باتوں کا انکار کرے جو اُوپر بیان کی گئی ہیں جیسے اُس کا قبلہ ہونا، اُس کا قدیم معبد ہونا، مبارک اور بابرکت ہونا اور ﴿هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی سارے جہان والوں کے لیے ہدایت کا مرکز ہونا وغیرہ...... تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کی کوئی پروا نہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ وہ بے نیاز ذات ہے۔

لیکن اکثر مفسرین کی رائے میں اس سے یہ مراد ہے کہ جو شخص حج کو فرض نہ مانے، یا استطاعت کے باوجود حج نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اُس کی کوئی پروا نہیں، وہ تو سارے جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

پھر اس فقرے کے الفاظ ''وَمَنْ كَفَرَ'' کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ جو شخص حج کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ کافر

Marfat.com

ہو جاتا ہے اور جو استطاعت کے باوجود حج نہ کرے وہ عملی کفر کرتا ہے۔ جیسے نماز کو فرض نہ ماننے والا کافر ہے اور جان بوجھ کر نماز نہ پڑھنا عملی کفر ہے۔

فقہا کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ استطاعت ہونے کی صورت میں حج علی الفور یعنی فوری طور پر فرض ہو جاتا ہے۔ جب کہ دوسرے گروہ کے نزدیک یہ فوری طور پر فرض نہیں ہوتا بلکہ استطاعت کے باوجود عمر کے کسی حصے میں بھی حج کیا جا سکتا ہے۔

عمرہ اور حج کے مناسک وافعال:

عمرے کے مناسک میں نیت، احرام باندھنا، تلبیہ کہنا، طواف کرنا، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے چکر لگانا اور سر کے بال منڈانا یا کترانا شامل ہیں۔ عمرہ سال کے کسی بھی حصے میں ہو سکتا ہے۔

حج کے مناسک میں نیت، احرام باندھنا، تلبیہ کہنا، وقوفِ عرفات (عرفات میں ٹھہرنا)، مزدلفہ میں رات گزارنا، رمی کرنا (کنکریاں مارنا)، قربانی کرنا، سر کے بال منڈانا یا کترانا، طوافِ افاضہ یا طواف زیارت کرنا، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا اور طواف وداع کرنا شامل ہیں۔

حج کے سارے مناسک 8 ذوالحجہ تا 12 یا 13 ذوالحجہ ادا کیے جاتے ہیں۔ گویا یہ 5 یا 6 دن کی کارگزاری ہے۔

حج کے چند ضمنی فوائد:

حج اسلام کا ایک رکن اور عظیم عبادت ہے مگر اس کے ذریعے مسلمانوں میں عالمگیر اخوت و برادری اور مساوات پیدا ہوتی ہے۔ سب ایک ہی مقصد کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ تمام مسلمان ایک ہی طرح کے لباس میں حج کرتے ہیں۔ اُن میں وحدت اور مرکزیت پیدا ہوتی ہے۔ اُن کے باہمی تعلقات بڑھتے ہیں اور فروغ پاتے ہیں۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٨﴾ قُلْ يَٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٩﴾

(آل عمران: 98-99)

''اے نبی ﷺ! آپ ﷺ اہل کتاب سے کہہ دیں ''تم کیوں اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہو؟ حالانکہ اللہ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو'' اور آپ ﷺ کہیں ''اے اہل کتاب! تم کیوں دوسروں

Marfat.com

کو اللہ کی راہ سے روکتے ہو؟ جب کوئی ایمان لاتا ہے، تم اُسے پھر ٹیڑھی راہ پر چلانا چاہتے ہو، اور یہ سب کچھ تم جان بوجھ کر کرتے ہو؟ یاد رکھو، اللہ تمہاری ان حرکتوں سے بے خبر نہیں۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اٰيٰتِ اللّٰهِ:...... (اللہ کی آیتیں، نشانیاں) اس جگہ اس سے مراد وہ نشانیاں اور دلیلیں ہیں جن سے حضرت محمد ﷺ کی نبوت سچی ثابت ہوتی ہے۔

شَهِيْدٌ:...... (گواہ) اس جگہ اس کے معنی ''نگران'' کے ہیں۔

عِوَجًا: ...... (ٹیڑھ، کجی): عِوَجٌ کے معنی ہیں روحانی اور غیر مادی چیزوں میں ٹیڑھا پن، کجی اور انحراف۔ لیکن عَوَجٌ کے معنی ہیں مادی اشیاء (جیسے لکڑی، دیوار وغیرہ) میں ٹیڑھا پن اور کجی۔ اس جگہ پہلے معنی مراد ہیں۔

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

(آل عمران : 98)

فرمایا، اے نبی ﷺ! ان اہل کتاب (عیسائیوں اور یہودیوں) سے کہہ دیجئے کہ: تم لوگ کیوں اللہ تعالیٰ کی اُن آیتوں، اُن نشانیوں اور اپنی کتاب کی اُن پیش گوئیوں کا انکار کرتے ہو جن سے میری نبوت و رسالت سچی ثابت ہوتی ہے اور قرآن کا کلام اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیا تم ہدایت پانے کی بجائے گمراہی چاہتے ہو جب کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ تم لوگ یہ سب کچھ محض حسد، تعصب اور ذاتی مفاد کی خاطر کرتے ہو۔ وہ تمہاری نیتوں اور ارادوں کو بھی جانتا ہے۔ اس لیے وہ تمہاری ان حرکتوں پر اور دین حق پر ایمان نہ لانے پر تمہیں سزا دے گا۔ یاد رہے کہ وَاللّٰهُ کا واؤ حالیہ ہے۔

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

(آل عمران : 99)

یہ بھی نبی ﷺ سے فرمایا گیا کہ ان اہل کتاب سے کہہ دیجئے کہ تم کیوں حضرت محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان نہیں لاتے اور کیوں دوسروں کو ایمان لانے سے روکتے ہو؟ جب کہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کے بارے میں تمہاری اُن کتابوں میں پیش گوئیاں موجود ہیں جن کے تم گواہ ہو اور جن کو تم مانتے ہو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہاری حرکتوں سے غافل اور بے خبر نہیں ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور تمہاری بداعمالیوں پر تمہیں عذاب دے گا۔

اس سے پہلے آیت 98 میں اہل کتاب...... یہود و نصاریٰ کے بارے میں یہ ذکر تھا کہ وہ گمراہ ہیں اب اس آیت میں یہ بات ہے کہ وہ نہ صرف خود گمراہ ہیں بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى
عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ
ع ١٠ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٠١﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ
وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا
وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ
قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ
مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾

(آل عمران : 100 تا 103)

''اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے کسی گروہ کی بات مان لوگے تو وہ تمہیں ایمان سے ہٹا کر پھر کافر بنا دیں گے۔ اور تم کیوں کفر کی راہ پر چلو گے، جب کہ تمہیں اللہ کی آیتیں سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے۔ اور جس نے اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لیا، وہ سیدھی راہ پر آ گیا۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنا چاہیے اور مرتے دم تک اُسی کی فرماں برداری کرو۔ اور سب مل کر اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور الگ الگ نہ ہو جاؤ۔ اللہ کا یہ احسان نہ بھولو جو اُس نے تم پر کیا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اُس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ اُس کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ اس سے پہلے تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے مگر اللہ نے تمہیں اُس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔''

Marfat.com

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

یَعْتَصِمْ: ......(ع ص م):اِعْتَصَمَ بِالشَّیْءِ کے معنی ہیں اُس نے ہلاکت و بربادی سے بچنے کے لیے کسی چیز کو تھام لیا، یا اُس کا سہارا پکڑا۔

تُقَاۃِ: ......(بچنا، ڈرنا) یہ تقویٰ سے بنا ہے جس کے معنی بچنے اور ڈرنے کے ہیں۔ حَقَّ تُقَاتِہٖ کے معنی اِتِّقَاءَ حَقًّا کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کما حقہ، بچو اور ڈرو، اتنا بچو اور ڈرو کہ بچنے اور ڈرنے کا حق ادا ہو جائے۔

حَبْلِ اللّٰہِ: ......(اللہ کی رسی) رسی دو چیزوں کو جوڑنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس کے معنی تعلق اور معاہدے کے بھی ہیں۔ اس جگہ اس سے مراد ہے اللہ کی کتاب قرآن مجید، جس کو تھامنے سے بندہ دوزخ کی ہلاکت و بربادی سے بچ سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: "اَلْقُرْآنُ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ" (قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے)۔

شَفَا: ......اس کے معنی ہیں: کنارا۔

حُفْرَۃٍ: ......اس کے معنی ہیں: گڑھا۔

اَنْقَذَکُمْ: ......اس کے معنی ہیں: اُس نے تم کو بچالیا۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ ۝۱۰۰ ﴾ (آل عمران : 100)

اِس آیت میں اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم اہل کتاب کے ایک مخصوص گروہ یعنی مدینے کے یہودیوں کی باتیں مانو گے اور اُن کے پیچھے چلو گے تو وہ تم مسلمانوں کو بھی اپنی طرح کافر بنا کر چھوڑیں گے۔

اِس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ مدینے کے یہودیوں کو جب اسلام کی ترقی اور فروغ میں اپنا زوال نظر آیا تو انہوں نے نبی ﷺ اور دینِ اسلام کے خلاف سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ وہ حضور ﷺ پر بے سرو پا الزامات لگاتے اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلام کرتے، اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑاتے اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں رخنہ اندازی کر کے اُن کو آپس میں لڑانے کی کوشش کرتے تھے۔

زمانہ جاہلیت میں انصار کے دو قبیلے......اوس اور خزرج آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ مگر اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ باہم شیر وشکر ہو گئے اور بھائی بھائی بن گئے۔ لیکن مدینے کے یہودیوں نے یہ سازش کی کہ اگر اوس اور خزرج کو آپس میں لڑا دیا جائے تو اسلام کی بربادی کا سامان ہو جائے گا۔

چنانچہ ایک دفعہ جب ان دونوں قبیلوں کے لوگ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو یہودیوں نے موقع غنیمت جان کر اُن کے درمیان ہونے والی قدیم جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دیا۔ تاکہ اس طرح دونوں قبیلوں میں پرانی نفرت اور دشمنی کے جذبات بھڑکائے جائیں۔ جنگ بعاث میں فریقین کے ہزاروں آدمی مارے گئے تھے۔ یہ انتقامی جنگ چالیس

Marfat.com

(40) برس تک جاری رہی تھی جس سے ان قبیلوں کی قوت کمزور ہوگئی تھی۔

اس لڑائی کا ذکر چھیڑتے ہی اوس اور خزرج کے افراد کو پرانے واقعات یاد آ گئے۔ اُن کی پرانی دشمنی کی آگ دل میں بھڑک اٹھی۔ وہ طیش میں آ گئے اور پھر دونوں قبیلوں کی تلواریں نیام سے باہر آ گئیں۔

جب نبی ﷺ کو اس صورتِ حال کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ فوراً موقع پر پہنچے۔ اُن کو نصیحت فرمائی جس سے وہ دونوں قبیلے باہم خوں ریزی اور قتل و غارت سے بچ گئے۔

یہی واقعہ اس آیت (100) کا اور اس سے اگلی آیت (101) کا شانِ نزول ہے۔ لیکن یہ حکم صرف اوس اور خزرج کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ عام حکم ہے اور مسلمانوں کو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی پیروی سے ہمیشہ کے لیے منع فرمایا گیا ہے۔

آیت کے آخری الفاظ "بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ" کے ایک معنی تو ایمان یا اسلام لانے کے بعد کافر ہو جانے کے ہیں جسے اصطلاح میں مرتد ہونا کہتے ہیں۔ دوسرے اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان کو ناحق قتل کرنا کفر ہے اور ایسا کرنے والے عملی طور پر کافر ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُهٗ كُفْرٌ .))

(صحیح بخاری: 48، صحیح مسلم: 221، ترمذی: 1983، نسائی: 4105)

''مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس سے لڑنا کفر ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا عملی کفر ہے اور حرام ہے۔ اسی طرح جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا کہ:

((لَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ .))

(صحیح بخاری: 7080، صحیح مسلم: 223، ترمذی: 2193، نسائی: 4130، ابن ماجہ: 3942)

''میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔''

﴿ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾

(آل عمران: 101)

یہ مسلمانوں سے فرمایا کہ تم کفر کیسے کرو گے جب کہ تم کو قرآن کے ذریعے اللہ سبحانہٗ کی آیتیں سنائی جا رہی ہیں۔ تمہیں بھائی چارے اور اُخوت کا درس دیا جا رہا ہے۔ تمہاری ہدایت اور رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ موجود ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر تم قرآن و سنت کی سچی پیروی کرو گے تو یہودیوں کی سازشیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔ کیونکہ جو لوگ اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لیتے ہیں۔ قرآن و سنت کی صحیح اطاعت کرتے ہیں وہ صراطِ مستقیم یعنی سیدھی راہ

Marfat.com

پر ہوتے ہیں اور سیدھی راہ پر چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی حمایت اور مدد حاصل ہوتی ہے۔ کوئی دشمن اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔
اس آیت اور اس سے پہلے کی آیت دونوں کا شانِ نزول ایک ہی ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾
(آل عمران : 102)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے اُن کو دو باتوں کا حکم دیا ہے۔ ایک یہ کہ وہ تقویٰ اختیار کریں، نیک اعمال کریں اور برے کاموں سے بچیں۔
دوسرے یہ کہ اُن کو مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتے رہنا چاہیے اور اُس کے حکموں پر چلنا چاہیے۔
آیت میں: ﴿اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ﴾ (اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے) کے الفاظ آئے ہیں جن کو سن کر بہت سے صحابہ کرام گھبرا اٹھے اور کہنے لگے کہ ہم میں سے کون ہے جو اس طرح کا تقویٰ اختیار کر سکتا ہے کہ اس کا پورا حق ادا ہو سکے؟
پھر اللہ تعالیٰ نے وضاحت میں ان کی تسلی اور رعایت کے لیے سورۃ التغابن (64) کی آیت 16 نازل فرما دی:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن 64: 16)

"پھر اللہ سے اتنا ڈرو جتنا تمہارے بس میں ہے۔"
اس کے بعد صحابہ کرام کی گھبراہٹ دور ہو گئی اور اُن کو اطمینان حاصل ہو گیا۔
دوسرے مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنے سے یہ مراد ہے کہ دین کی راہ پر چلنا کوئی وقتی یا عارضی کام نہیں ہے۔ یہ ساری عمر کا کام ہے۔ پوری زندگی میں مشکلوں اور رکاوٹوں کے باوجود دینِ اسلام پر عمل کرنا اور اس سے جڑے رہنا ہے۔ پھر کہیں جا کر گوہرِ مقصود ہاتھ آتا اور کامیابی ملتی ہے۔ بندے کو موت بھی آئے تو اس حالت میں کہ وہ اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہو۔ اس کا جینا مرنا اللہ کے لیے ہو۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ o﴾ (الانعام 6: 162)

"کہہ دیجیے! بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔"
حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی اس آیت (102) کے دونوں حکموں ...... تقویٰ اختیار کرنا اور ساری عمر اللہ کی فرماں برداری کرنا ...... پر عمل کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ سخت آزمائش ہے جس میں کامیاب ہونے کے بعد ہی بندہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مستحق ہو جاتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص اپنے رب پر پختہ یقین اور ایمان رکھتا ہے۔ نیک نیتی سے اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی پر بھروسا کرتا ہے۔ ہر وقت اسی سے مدد مانگتا ہے تو پھر اسے یہ توفیق ملتی ہے کہ وہ مطلوبہ تقویٰ بھی اختیار کر لیتا ہے اور اپنی تمام عمر اپنے رب کی اطاعت و بندگی میں گزار سکتا ہے۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران : 103)

Marfat.com

یہ بھی اہلِ ایمان سے خطاب ہے کہ تم سب مل کر حَبلُ اللّٰه یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ شانِ نزول کے لحاظ سے تو یہ حکم اوس اور خزرج کے مسلمانوں کے لیے تھا لیکن الفاظ کے عام ہونے کی وجہ سے یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے اور قیامت تک بعد میں آنے والے تمام مسلمان اس حکم کے مخاطب ہیں۔ کہ وہ باہم متحد ہو کر رہیں۔

ایک حدیث میں قرآن مجید کو حَبْـلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ (اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی) کہا گیا ہے۔ (ترمذی: 2906، دارمی: 3331) لیکن ظاہر ہے کہ قرآن سے مراد بھی پورا دین اسلام ہے جو کہ قرآن اور اس کی تشریح حدیث وسنت دونوں سے عبارت ہے۔ یہی دین اسلام بندے اور رب کے درمیان وہ تعلق ہے اور رشتہ ہے جو حَبْـلُ الـلّٰـهِ (اللہ کی رسی) کہلاتا ہے۔ دین اس لیے اللہ کی رسی ہے کہ وہ بندے کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کا ذریعہ ہے۔ اس پر عمل کرنا گویا اللہ تعالیٰ کا دامن تھام لینا ہے...... اس سے پہلے آیت 101 میں وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ (اور جو اللہ کو مضبوطی سے تھام لے) کے الفاظ آئے تھے اب اُسی کی وضاحت وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ (اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو) کے الفاظ سے ہوگئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو قرآن وسنت کی پیروی میں ایک جماعت کی شکل میں مل کر رہنا چاہیے۔ اسے الگ الگ فرقوں اور گروہوں میں بٹنا نہیں چاہیے۔ اُن کے دلوں میں دین اسلام کی عصبیت (Commitment) کے سوا کوئی اور عصبیت نہیں ہونی چاہیے۔ اُن کے لیے حق وباطل، صحیح وغلط اور نفع ونقصان کا پیمانہ اور معیار صرف دین اور اُمت کی فلاح ہونی چاہیے۔

یہی مضمون قران میں کئی اور مقامات پر بھی بیان ہوا ہے۔

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ (الانعام 6: 153)

''اور (کہہ دیجیے) کہ یہی میری سیدھی شاہراہ ہے۔ اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو، وہ تمہیں اللہ کے راستے سے جدا کر دیں گے۔''

پھر اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حبل اللہ (اللہ کی رسی) سے مراد صراط مستقیم ہے جو کہ دین اسلام کا دوسرا نام ہے، اور تفرقے سے مراد دین اسلام کے سیدھے راستے کو چھوڑ کر دوسری ٹیڑھی راہیں اختیار کرنا ہے اور جو اصل میں شیطان کی راہیں ہیں اسی طرح آگے چل کر سورہ الانعام ہی میں ارشاد ہوا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (الانعام 6: 159)

''جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور کئی فرقے بن گئے۔ آپ ﷺ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ اُن کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ وہی اُنہیں بتائے گا جو وہ کرتے تھے۔''

Marfat.com

آج ہمارے منبرو محراب میں اور سماجی سٹیجوں پر بھی بلند صداؤں میں یہ آیت بار بار دہرائی جاتی ہے مگر افسوس اس پر عمل کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ دوسروں کو اتحاد و اخوت کا درس دینے والے خود الگ الگ ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ہر ٹکڑی یہ چاہتی ہے کہ دوسری ٹکڑیاں آ کر اس سے ملیں تا کہ اتحاد پیدا ہو۔ مگر کوئی ٹکڑی اپنے غلط عقائد و نظریات چھوڑ کر دوسری سے ملنا نہیں چاہتی۔ ہر کوئی اپنے گروہ کے اندر مست اور مگن ہے اور اُمتِ مسلمہ کی کسی کو پروا نہیں۔

﴿كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ﴾ (الروم 30: 32)

"ہر فرقہ اپنے ہی طریقے پر نازاں ہے۔"

شاعرِ مشرق بھی قوم کی اس حالت پر افسوس کا اظہار کر گیا ہے:

فرقہ بندی ہے کہیں، اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

قرآن نے مسلمانوں کو فرقہ پرستی اور گروہ بندی سے بچنے کا ایک سنہری اصول یہ بتایا ہے کہ اپنی آراء اور اپنے نظریات کو قرآن وسنت کی کسوٹی اور معیار پر پرکھو۔ پھر جو کچھ اس کے مطابق ہو اُسے اختیار کرو اور جو کچھ اس کے خلاف ہو اُسے چھوڑ دو تا کہ تم متحد اور متفق رہ سکو:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ (النساء 4: 59)

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسول اللہ ﷺ کی، اور اُن کی جو تم میں سے حکمران ہیں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔"

مگر آج ہم اپنے باہمی اختلافات دور کرنے کے لیے قرآن وسنت کو حکم ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ اپنی مختلف فقہی آراء میں سے کسی ایک کو ترجیح دے کر آپس میں فکری اتحاد پیدا کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ افسوس آج غیر مسلم اقوام متحد ہیں مگر اُمتِ مسلمہ متحد نہیں ہے۔ مسلمانوں کی باہمی نا اتفاقی نے اُن کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی ہے۔ اُن کی مرکزیت ختم ہو چکی ہے۔ اُن کا نظامِ خلافت تباہ ہو چکا ہے۔ وہ دنیا میں کمزور، بزدل، بے حس، بے عزت اور ذلیل ہو چکے ہیں۔ طاغوتی طاقتوں نے اُن کے جان و مال برباد کر دیے، ان کے گھروں کو جلا ڈالا، اُن کے مردوں اور اُن کی عورتوں کو قید میں ڈال دیا۔ اُن میں غداروں کی کھیپ تیار ہو کر دشمن کا آلۂ کار بن گئی۔ انہوں نے مسلمان ہوتے ہوئے اپنے لیے غیر اسلامی زندگی اختیار کر لی۔

Marfat.com

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ﴾

(آل عمران : 103)

شانِ نزول کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ نے اوس اور خزرج پر اپنے انعام کا ذکر کیا ہے جو ایک سو بیس (120) برس تک آپس میں ایک دوسرے کو انتقام در انتقام میں قتل کرتے رہے تھے لیکن اسلام کی برکت سے مؤاخات کے ذریعے آپس میں بھائی بھائی بن گئے تھے۔ لیکن یہ حالت صرف اوس اور خزرج کی نہ تھی بلکہ پورے عرب کے مشرکین کی تھی۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کا جانی دشمن اور اُس کے خون کا پیاسا تھا اور اسلام لانے کے بعد ایک دوسرے کا ہم درد، غم خوار دوست اور بھائی بن گیا تھا۔

ہجرت کے بعد مدینے تشریف لا کر نبی ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا تھا جسے تاریخ اسلام میں مؤاخات مدینہ کہا جاتا ہے۔ یہ مسجد نبوی کی تعمیر ہو جانے کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس میں مکّے سے ہجرت کر کے آنے والے پینتالیس (45) مہاجرین میں سے ہر ایک کو ایک ایک انصاری کا عارضی طور پر بھائی بنایا گیا۔ ہر انصاری نے اپنے مہاجر بھائی کو اپنے مال اور جائیداد میں آدھا آدھا برابر حصہ دیا۔ یہاں تک کہ بعض انصار نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کے نکاح میں دینے کی پیشکش بھی کر دی۔ انصار کا پیشہ کھیتی باڑی تھی اور مہاجرین کھیتی باڑی کرنا نہیں جانتے تھے۔ وہ تجارت پیشہ لوگ تھے۔ اس لیے انصار خود محنت کر کے اپنے کھیتوں اور کھجوروں کی پیداوار اپنے مہاجر بھائیوں کو دیتے تھے۔ اکثر مہاجرین نے مدینے میں تجارت شروع کر دی تھی۔ دنیا کی تاریخ میں اس مؤاخاتِ مدینہ کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

اِس واقعے کو قرآن نے دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا ہے:

﴿وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (الانفال 8 : 63)

''اُسی (اللہ) نے ایمان والوں کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی۔ اگر تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے جب بھی اُن کے دلوں کو نہ جوڑ سکتے۔ لیکن اللہ نے اُن میں الفت پیدا کر دی۔ بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

﴿وَ كُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ﴾ (آل عمران : 103)

فرمایا، تم اوس خزرج اور عرب کے دوسرے قبائل جو اسلام لانے سے پہلے اپنے شرک اور برے اعمال کی وجہ سے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ تمہارے اور جہنم کے درمیان صرف موت کا پردہ اور وقفہ تھا۔ اِدھر تم مرتے اور اُدھر دوزخ میں جا پڑتے۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر بڑا احسان ہے کہ اُس نے تمہارے درمیان ایک عظیم الشان نبی ﷺ کو بھیجا اور اُس کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں تمہیں ایمان لانے کی توفیق دی۔ تم لوگ اسلام کی تعلیم کے مطابق

Marfat.com

سب مسلمان ہو کر ایک دوسرے کے بھائی بن گئے اور صدیوں کی باہمی دشمنیاں اور عداوتیں بالکل ختم ہو گئیں۔ تم نہ صرف دوزخ کے گڑھے میں گرنے سے بچ گئے بلکہ دنیا کے دوسرے گمراہ انسانوں کو بھی دوزخ سے بچانے کا ذریعہ بن گئے جو تمہاری کوششوں سے دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ ﴾ (آل عمران : 103)

یہ مسلمانوں سے فرمایا کہ اِن واضح آیتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمہاری رہنمائی فرما دی ہے کہ تم کو اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہنا ہے اور اللہ سبحانہٗ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے۔ اُس نے تمہیں بعض چیزوں سے رُکنے اور بعض کو اختیار کرنے کا حکم بھی دے دیا ہے۔ تا کہ تم لوگ صحیح ہدایت پر قائم رہو اور اسلام کے مطابق اپنی زندگی گزارو۔

اس آیت کی مزید تشریح کے لیے آگے آیت 105 کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا
كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٥﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا
الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ
فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ
نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٨﴾ وَلِلّٰهِ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾ ع ۸

(آل عمران 3: 104 تا 109)

"اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ یہی لوگ کامیاب ہیں اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور دین کے بارے میں جھگڑنے لگے جب کہ اُن کے پاس اللہ کی طرف سے بڑی واضح دلیلیں آ چکی

Marfat.com

تھیں۔ ایسے لوگوں کو بڑا عذاب ہوگا، اُس دن جب کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہروں پر سیاہی چھا جائے گی۔ پھر جن چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی، اُن سے کہا جائے گا: "کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ اب اپنے کفر کے بدلے میں عذاب چکھو۔ اور جن لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے وہ اللہ کی رحمت کے سائے میں جنت میں داخل ہوں گے، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اے نبی ﷺ! یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ ﷺ کو حق کے ساتھ سنا رہے ہیں۔ اللہ پہلے سے خبردار کیے بغیر لوگوں کو عذاب دے کر اُن پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر شے کا مالک ہے۔ سارے کام اُسی کے اختیار میں ہیں۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اُمَّةٌ:...... (جماعت، گروہ) اس سے ایسی جماعت یا گروہ مراد ہوتا ہے جس کے افراد کسی تعلق یا سبب سے اکٹھے اور مجتمع ہوں۔

اَلْخَیْر:...... (بھلائی) اس سے مراد دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

اَلْمَعْرُوْفِ:...... (نیکی، جانی پہچانی چیز) ایسی چیز کا کام جو شرعی طور پر اور عقلی لحاظ سے درست اور اچھا ہو۔ اس کی ضد "منکر" ہے۔

اَلْمُنْکَرِ:...... ہر چیز یا کام جو شرعی اور عقلی اعتبار سے غلط اور برا ہو اس کی ضد "معروف" ہے۔

تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ:...... (کچھ چہرے روشن، سفید ہوں گے) اس سے مراد ہے کچھ لوگ خوش ہوں گے۔

تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ:...... (کچھ چہرے سیاہ اور کالے ہوں گے) اس کا مطلب ہے کچھ لوگ غم زدہ اور پریشان ہوں گے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ﴾ (النحل 16 : 58)

"اور جب اُن میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوش خبری دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہتا ہے۔"

ظُلْمًا:...... (ظلم، زیادتی) اس کے اصل معنی ہیں وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَوْضِعِهٖ جس کا مطلب ہے کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کی صحیح جگہ نہ ہو۔ مراد ہے افراط وتفریط، کمی بیشی، زیادہ اور دوسرے کی حق تلفی۔

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِؕ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران : 104)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تقوے اور اپنی اطاعت کا حکم دیا۔ پھر اُن کو اختلافات سے بچنے اور متحد ہونے کے لیے حَبْلُ اللّٰهِ (اللہ کی رسی) کو مضبوطی سے تھام لینے کی تاکید فرمائی۔ اب اُن کو ایک جماعت کی حیثیت

Marfat.com

سے یہ حکم دیا کہ تم کو جماعتی زندگی اختیار کرنی ہے، خود نیکی پر چلنا ہے اور برائی سے روکنا ہے اور دوسروں کو بھی نیکی کا حکم دینا اور اُن کو برائی سے روکنا ہے۔

آپ میں "مِنْكُمْ" کا مِنْ تبعیض کے لیے نہیں ہے۔ جیسا کہ:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ (الحج 22: 30)

"بتوں کی گندگی سے بچو۔"

میں مِنْ تبعیض کے لیے نہیں ہے بلکہ جنس کے لیے ہے۔

کیونکہ دین کی دعوت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صرف علما کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ یہ پوری اُمتِ مسلمہ کے ایک ایک فرد پر فرض ہے۔ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی حیثیت سے بھی یہ سب مسلمانوں کی ذمہ داری ہے جیسا کہ آگے آیت 110 سے ثابت ہوتا ہے۔

صحیح حدیث میں بھی اسے ہر مسلمان کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے کہ وہ نیکی کو پھیلائے اور برائی کو روکے کیونکہ وہ نگران بنایا گیا ہے۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ......))

(صحیح بخاری: 7138، صحیح مسلم: 4724، ابو داؤد: 2928، ترمذی: 1705)

"یاد رکھو، تم سب نگران بھی ہو اور اپنے ماتحتوں کے بارے میں جوابدہ بھی ہو......"

مذکورہ آیت میں پہلے بھلائی کی طرف دعوت دینے کا ذکر ہے۔ پھر اس کی وضاحت نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے سے کی گئی ہے۔ یہ عام کے بعد خاص کی مثال ہے۔ دعوت و تبلیغ ایک دینی فریضہ ہے جو ہر فرد کی ذمہ داری بھی ہے اور پورے مسلم معاشرے کی بھی۔ اسی کی تکمیل شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ سے ہوتی ہے جو کہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

علمائے اسلام نے، جن میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، اس آیت سے اور بعض دوسری آیتوں سے خلافت کے قیام کا واجب ہونا ثابت کیا ہے جس کے بغیر مسلمانوں کی زندگی صحیح اسلامی زندگی نہیں کہلا سکتی۔

اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں پر درج ذیل آیت سے بھی روشنی پڑتی ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ (الحج 22: 41)

"یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم ملک میں اقتدار دیں تو وہ نماز کا اہتمام کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ اور سب کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔"

Marfat.com

زیرِ نظر آیات کے آخر میں فرمایا: ﴿وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ کہ جو لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دعوتی و تبلیغی فریضہ سرانجام دیں گے وہی دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو سکیں گے۔

﴿وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ﴾ (آل عمران : 105)

یہ مسلمانوں کو تنبیہ کے انداز میں فرمایا گیا ہے کہ تم پہلی گمراہ قوموں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور وحی آ جانے کے بعد اختلاف پیدا کر لیا۔ کئی گروہ اور فرقے بنا لیے۔ ان کا باہمی اختلاف صرف اختلاف نہ رہا بلکہ اُس نے باہمی مخالفت اور جنگ و جدال کی صورت اختیار کر لی۔

اس آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف واضح اشارہ ہے جنھوں نے اپنے الگ الگ فرقے بنائے اور پھر آپس میں قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔

آخر میں فرمایا کہ ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں دوزخ کا بڑا عذاب ہے جنھوں نے وحی کی ہدایت کی موجودگی میں اختلاف کر کے مذہبی فرقے بنا لیے۔

اس آیت میں آج اُمتِ مسلمہ کے لیے بھی بڑا سبق اور عبرت ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت نے بھی پہلی گمراہ قوموں...... یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح قرآن و سنت کی موجودگی میں اختلاف پیدا کر کے مسلکوں کے نام سے بہت سے مذہبی فرقے اور گروہ بنا لیے ہیں اور ان کے درمیان بھی باہمی دشمنی اور قتل و غارت کا سلسلہ جاری ہے اس چیز نے ملت کے اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ دنیا میں اس کا انجام زوال اور ذلت کی صورت میں نکل چکا ہے اور آخرت میں بھی فرقہ پرستوں کے لیے عذابِ عظیم کی وعید ہے۔

یاد رہے اسلام میں فقہی اختلافِ رائے کی گنجائش موجود ہے مگر اس کی بنیاد پر فرقہ پرستی اور گروہ بندی ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۫ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝﴾ (آل عمران : 106)

فرمایا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آ جانے کے بعد اُس پر عمل کرتے ہیں، قیامت کے دن اُن کے چہرے روشن اور چمکتے ہوں گے۔ لیکن جو لوگ دین کے واضح احکام کی موجودگی میں گمراہی کا راستہ اختیار کر کے فرقہ پرستی کی لعنت میں گرفتار ہوتے ہیں اُن کو آخرت میں رُوسیاہی ہاتھ آئے گی۔ اُن کے چہرے سیاہ اور کالے ہوں گے۔ اُن سے پوچھا جائے گا کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر اور مرتد ہو گئے تھے اور بغیر توبہ کیے مر گئے تھے؟ تو اب اپنے کفر و ارتداد کا عذاب چکھو۔

اِس آیت میں اور اگلی آیت میں روشن چہرے والوں اور سیاہ چہرے والوں کی پہلی ترتیب بدل گئی ہے کیونکہ سیاقِ

Marfat.com

کلام میں سیاہ چہرے والے زیادہ اہم تھے۔ اس لیے اُن کا ذکر پہلے کر دیا گیا۔

﴿وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُ جُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۰۷﴾

(آل عمران: 107)

اور جن کے چہرے آخرت میں روشن اور چمکتے ہوں گے وہ ایسے لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں ہدایت پائی ہوگی اور وہ نیکی کی راہ پر چلے ہوں گے۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جگہ میں ہوں گے یعنی جنت میں ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ عیش و عشرت کی زندگی گزاریں گے۔ جنت کو اللہ کی رحمت کی جگہ کہا گیا ہے یہ اطلاق اسم الحال علی المحل کی مثال ہے۔

چہروں کے سیاہ ہونے کے اسباب میں کفر، جھوٹ، تکبر اور گناہ شامل ہیں۔ یہی مضمون ایک اور مقام پر اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝﴾ (الزمر 39: 60)

"اور تم قیامت کے دن اُن لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھو گے جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا تھا۔ کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں!"

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَ الَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾ (یونس 10: 27)

"اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں وہ اپنی برائی کے برابر بدلہ پائیں گے۔ ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ کوئی انہیں اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا۔ گویا اُن کے چہروں پر رات کے سیاہ پردے پڑے ہوں گے۔ وہ دوزخی ہوں گے اور اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

پھر سورہ عبس میں فرمایا:

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝﴾ (عبس 80: 38 تا 42)

"کچھ چہرے اُس دن روشن ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوشیاں مناتے ہوئے۔ مگر کچھ چہروں پر اُس دن خاک اُڑ رہی ہوگی۔ اُن پر سیاہی چھائی ہوگی۔ وہ کافر نافرمان لوگ ہوں گے۔"

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۸﴾

(آل عمران: 108)

Marfat.com

فرمایا یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور اُس کا کلام ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ حق اور سچائی ہے۔ اس کی باتوں میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ سب مل کر اس کے احکامات پر عمل کریں۔ قرآن کی موجودگی میں کسی قسم کی گروہ بندی اور فرقہ بندی کی کوئی گنجائش نہیں۔ جو لوگ قرآن کے ہوتے ہوئے فرقہ پرستی میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ قرآن کو ماننے والے ہرگز نہیں ہو سکتے، بلکہ وہ گمراہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے قرآن نازل کر دیا ہے جس پر عمل کرنے سے وہ دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں مگر جو لوگ دین کے واضح احکام کی خلاف ورزی کریں گے وہ اپنے اوپر ظلم کریں گے اور اللہ سبحانہٗ اُن کو دنیا اور آخرت میں عذاب دے گا اور اُس کا یہ عذاب دینا بندوں پر اُس کا ظلم نہ ہوگا بلکہ عین اُس کے عدل و انصاف کا تقاضا ہوگا۔

﴿وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ١٠٩﴾ (آل عمران : 109)

یہ دلیل دی گئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کیوں ظلم کرے گا اور اُن کو بلاوجہ کیوں عذاب دے گا۔ وہ تو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہ مہربان اور عادل ہے۔ اُس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ سارے معاملات اُسی کے ہاتھوں میں ہیں۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ بندے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ جب اپنے نافرمانوں اور باغیوں کو سزا دیتا ہے تو وہ اُن پر ظلم نہیں کرتا۔ بلکہ عادل ہونے کی وجہ سے عدل و انصاف کا تقاضا پورا کرتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ
الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ١١٠
لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَ اِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ قف
ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ١١١ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا
بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا

Marfat.com

وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾

(آل عمران : 110 تا 112)

''تم بہترین امت ہو جس کو لوگوں کی رہنمائی کے لیے پیدا کیا گیا۔ تم نیکی کا حکم دیتے، برائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو اُن کے لیے بہتر تھا۔ اُن میں سے کچھ ایمان والے ہیں لیکن اکثر نافرمان ہیں۔ (اے مسلمانو!) اہل کتاب اپنی زبان درازی سے تمہیں ستائیں گے مگر تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اگر وہ مقابلہ کریں گے تو پیٹھ دکھائیں گے۔ پھر اُن کو کہیں سے کوئی مدد نہ پہنچے گی۔ وہ جہاں بھی ہوں گے، اُن پر ذلت مسلط رہے گی۔ البتہ اللہ کی طرف سے کسی عہد کی وجہ سے، یا لوگوں کی جانب سے کسی معاہدے کے تحت انہیں کچھ پناہ مل جائے گی۔ وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہیں اور محتاجی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں گے۔ کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے رہے، انہوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا، انہوں نے نافرمانیاں کیں اور وہ حد سے نکل جاتے تھے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

كُنْتُمْ:...... (تم ہو) اس جگہ اس کے معنی ہیں: تمہیں پیدا کیا گیا ہے۔ تمہارا مقصدِ وجود یہی ہے۔

اُخْـرِجَـتْ:...... (نکالی گئی، نکالے گئے) اس سے مراد ہے مسلمانوں کو پیدا کیا۔ اُن کو اُٹھا کر کھڑا کیا گیا، اُن کو ممتاز کیا گیا۔

اَذًى:...... (تکلیف، دکھ، ستانا، زبانی ستانا) اس سے مراد ہے معمولی تکلیف دینا۔

يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ:...... (وہ تم سے پیٹھیں پھیریں گے) مطلب یہ ہے کہ وہ تم سے شکست کھائیں گے۔

ضُرِبَتْ:...... (ماری گئی) مراد ہے چپکا دی گئی، مسلط کر دی گئی۔

ذِلَّةٌ:...... اس کے معنی ہیں: ذلت، کمزوری، بے چارگی اور بے بسی۔

مَسْكَنَةٌ:...... (محتاجی) اس سے مراد کمزوری، محتاجی اور کم ہمتی ہے۔

ثُقِفُوْا:...... (وہ پائے جائیں): اس کے معنی: ''وُجِدُوْا'' وہ پائے جائیں'' کے ہیں۔

حَبْلٌ:...... اس کے اصل معنی ''رسی'' کے ہیں مگر اس جگہ اس سے مراد عہد یا معاہدہ ہے۔

بَآءُوْ:...... اس کے معنی ہیں: لَبِثُوْا وَحَلُّوْا فِيْهِ (وہ اس میں رہے اور اس میں پڑے رہے)

يَعْتَدُوْنَ:...... (وہ حد سے نکل جاتے تھے): یہ اِعْتِدَاءٌ سے ہے۔ جس کے معنی ہیں حد سے نکلنا، زیادتی کرنا۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ

Marfat.com

بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران : 110)

یہ صحابہ کرام کی جماعت کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اب دنیا میں صرف تم لوگ ہی بہترین امت ہو، دین کی صحیح ہدایت پر ہو کیونکہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی رکھتے ہو۔ اللہ نے تمہیں لوگوں کی رہنمائی کے لیے پیدا کیا ہے۔

آخر میں فرمایا: ﴿وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (اور تم اللہ پر ایمان بھی رکھتے ہو) کہ ایمان کے بغیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں ہوسکتا۔ یہی حقیقت آگے آیت 114 میں ترتیب کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ جس میں پہلے ایمان کا ذکر ہے اور پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بات آئی ہے۔ گویا یہ صرف اہل ایمان ہی کا وصف اور امتیاز ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔ جیسے کہا جائے زَيْدٌ كَرِيْمٌ، يُطْعِمُ الطَّعَامَ وَيَكْسُوْهُمْ کہ زید بہت سخی ہے، لوگوں کو کھانا کھلاتا اور کپڑے پہناتا ہے۔

امت مسلمہ کا یہی امتیازی وصف اور اُس کی خصوصیت ہے جس نے خیر اُمت یعنی بہترین امت ہونے کا اعزاز بخشا ہے۔ لیکن جب وہ اپنی یہ ذمہ داری ادا نہیں کرے گی تو اس سے بہترین امت ہونے کا اعزاز بھی خود بخود چھن جائے گا۔

اس آیت کے مطابق بہترین امت ہونے کا شرف و امتیاز سب سے پہلے صحابہ کرام کی جماعت ہی کو حاصل ہوا تھا جو سچا ایمان رکھتے تھے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی ادا کرتے تھے۔ اس کے بعد ہر دور میں آہستہ آہستہ اُمتِ مسلمہ اپنے اس امتیازی وصف سے محروم ہوتی گئی۔ سب سے پہلے بنو امیہ کی شخصی اور استبدادی حکومت نے مسلمانوں کی اس خصوصیت کو ختم کرنے کی سازش کی۔ اُموی حکمران عبدالملک بن مروان نے منبر پر سرِ عام اعلان کیا:

((مَنْ قَالَ لِيْ اِتَّقِ اللّٰهَ، ضَرَبْتُ عُنُقَهٗ.))

''جس نے مجھے کہا: اللہ سے ڈرو، تو میں اُس کی گردن مار دوں گا۔''

اِس کے بعد یہ مصیبت بڑھتی گئی اور اس امت سے اظہارِ رائے کی آزادی اور حُریّتِ فکر چھین لی گئی۔ البتہ بعض اہلِ عزم و ہمت کی طرف سے کبھی کبھار حق گوئی و بے باکی کے اِکا دُکا واقعات پیش آتے رہے اور ان کا نتیجہ بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے یا جان سے ہاتھ دھونے کی صورت میں نکلا۔ اب حال یہ ہوگیا ہے کہ امت کا ایمان میں بھی کمزور ہے اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی چھوڑ چکی ہے۔ اُس نے اپنے خیر امت یا بہترین امت ہونے کا اعزاز بھی کھو دیا ہے۔ اب وہ غیروں کی غلامی میں ذلت کی زندگی گزار رہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دعوت و تبلیغ اور وعظ و ارشاد کا سلسلہ بھی امت میں جاری ہے۔ مگر یہ سارا کام امر بالمعروف کا کچھ حصہ تو ہوسکتا ہے مگر نہی عن المنکر ہرگز نہیں ہے۔ آپ شوق سے امر بالمعزوف کیجیے، کوئی آپ کا ہاتھ نہیں پکڑے گا اور نہ اس سے باطل کا کچھ بگڑے گا۔ ساری دنیا اسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرلے گی اور اس کی اجازت بھی دے دی

Marfat.com

گی مگر جونہی آپ نہی عن المنکر کریں گے سارا زمانہ آپ کا دشمن بن جائے گا اور آپ کے خلاف ایسی بھرپور مزاحمت کرے گا کہ آپ کے لیے اُس کا سامنا کرنا آسان نہ ہوگا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حوالے سے چند احادیث یہ ہیں:

1۔ سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ، فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ، فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ، وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ.))

(صحیح مسلم: 177، ابو داؤد: 4340، ترمذی: 2172)

''تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اُسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اگر وہ یہ طاقت نہ رکھے تو پھر اپنی زبان سے اُسے روکے، اگر وہ یہ بھی نہیں کرسکتا تو پھر اپنے دل سے (بدلنے کے لیے منصوبہ بندی کرے اور اس سے نفرت کرے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً...... .))

(صحیح بخاری: 4361، ترمذی: 2669، مسند احمد: 6486)

''میری طرف سے پہنچا دو خواہ ایک آیت ہی ہو۔''

یہی مضمون اس سے پہلے سورۃ البقرۃ آیت 143 میں گزر چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے:

﴿وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾

(آل عمران: 110)

یہ اہل کتاب...... یہودیوں اور عیسائیوں...... کے بارے میں فرمایا گیا کہ اگر وہ بھی نبی ﷺ پر اور قرآن پر ایمان لے آتے تو اُن کے حق میں بہتر تھا۔ اس طرح وہ آخرت میں نجات بھی پاتے۔ لیکن اہل کتاب ہونے کے باوجود اُن کی اکثریت نافرمان اور کافر بن گئی۔ اُن میں سے بہت کم تعداد نے اسلام قبول کیا۔

﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝﴾

(آل عمران: 111)

یہ مسلمانوں سے فرمایا کہ اہل کتاب اب تمہارے دشمن بن گئے ہیں لیکن ان کی طاقت کمزور ہو چکی ہے۔ وہ تمہیں کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ صرف دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اسلام کے خلاف زبان درازی کریں گے اور تم مسلمانوں پر جھوٹے الزامات لگائیں گے۔ ان میں تمہارے خلاف لڑنے کی ہمت باقی نہیں رہی۔ اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ دکھائیں گے اور شکست کھائیں گے۔ پھر یہ اتنے ذلیل وخوار ہوں گے کہ کوئی ان کی مدد کرنے کو تیار نہ ہوگا۔

Marfat.com

یہی مضمون آگے چل کر آیت 186 میں اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِيْرًا﴾

(آل عمران : 186)

''اور تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے بہت تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گے۔''

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾

(آل عمران : 112)

فرمایا، اب یہودیوں پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے۔ وہ دنیا میں جہاں کہیں رہیں گے ذلت اور دوسروں کی محتاجی کے ساتھ رہیں گے۔ البتہ کسی جگہ وہ اللہ والوں سے عہد اور معاہدے کی وجہ سے زندگی بسر کر سکیں گے۔ یا دوسرے لوگوں کے سہارے جی سکیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور غصے کے مستحق ہو چکے ہیں۔

موجودہ دور کی اسرائیلی ریاست بھی یہودیوں کے بل بوتے پر قائم نہیں ہے بلکہ یہ امریکہ اور برطانیہ کے اُس سہارے پر کھڑی ہے جسے قرآن نے حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (لوگوں کے معاہدے اور سہارے) فرمایا ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾﴾

(آل عمران : 112)

فرمایا، دنیا میں یہودیوں پر جو ذلت اور دوسروں کی محتاجی تھوپی گئی ہے اور ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن کو نہیں مانتے ہیں۔ اپنے نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی اور ہر معاملے میں ظلم و زیادتی کرتے رہے ہیں۔

لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ مَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

(آل عمران : 113 تا 115)

''سب اہل کتاب ایک جیسے نہیں۔ ان میں ایک گروہ سیدھی راہ پر ہے۔ وہ راتوں کو اللہ کی آیتیں

Marfat.com

پڑھتے ہیں اور اُس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اللہ پر، آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ یہی نیک لوگ ہیں۔ وہ جو نیکی کریں گے، اُس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اللہ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

سَوَآءً: ...... (برابر، مساوی) یہ لفظ واحد، تثنیہ اور جمع تینوں طرح استعمال ہوتا ہے جیسے هُمَا سَوَاءٌ (وہ دونوں برابر ہیں) اور هُمْ سَوَاءٌ (وہ سب برابر ہیں)۔

قَآئِمَةٌ: ...... (سیدھی) اس کے معنیٰ ہیں، درست، صحیح، حق پر قائم۔

اٰیٰتِ اللّٰہِ: ...... (اللہ کی آیتیں) اس جگہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔

آنَآءَ: ...... (گھڑیاں، لمحات، اوقات) اس کا واحد اَنْی یا اَنْیَ ہے۔

یَسْجُدُوْنَ: ...... (وہ سجدہ کرتے ہیں) اس سے مراد ہے یُصَلُّوْنَ (وہ نماز پڑھتے ہیں)۔

یُسَارِعُوْنَ: ...... (وہ جلدی کرتے ہیں) سے مراد ہے وہ شوق اور رغبت رکھتے ہیں۔

فَلَنْ یُّکْفَرُوْہُ: ...... (پس اُن کے لیے ہرگز ناقدری نہ ہوگی اُس کی) اس سے مراد ہے کہ اُن کو ہر حال میں اجرو ثواب ملے گا۔

﴿لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿١١٣﴾﴾ (آل عمران : 113)

فرمایا، سارے اہل کتاب نافرمان اور گمراہ نہیں ہیں بلکہ اُن میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنے اصل دین پر قائم ہے۔ راتوں کو کتابِ الٰہی کی تلاوت کرتا ہے۔ نمازیں پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے۔ بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔ یہ صالحین اور نیک لوگوں کا گروہ ہے۔ یہ گروہ، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اہل کتاب کے وہ لوگ تھے جو پہلے نبیوں کی تعلیم کے مطابق زندگی گزار رہے تھے اور انہوں نے بعد میں اسلام بھی قبول کرلیا تھا۔ جیسے عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید اور اسید بن عبید جو علمائے یہود میں سے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔

آگے چل کر اسی سورت کی آیت 199 میں فرمایا گیا:

﴿وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾

(آل عمران 3 : 199)

Marfat.com

"(اے مسلمانو!) اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کتاب کو بھی مانتے ہیں جو تمہاری طرف بھیجی گئی اور اُس کتاب کو بھی مانتے ہیں جو اس سے پہلے خود ان کی طرف اتاری گئی۔ ان کے دل اللہ کے آگے جھکے رہتے ہیں۔ وہ اللہ کی آیتوں کے عوض میں دنیا کا حقیر مال حاصل نہیں کرتے۔ یہی لوگ ہیں جن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے۔"

پھر انہی نیک اہل کتاب کے بارے میں اُن کے بعض اچھے اعمال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اُن کو اُن کے اعمال کا دوہرا ثواب ملے گا کیونکہ انہوں نے دومرتبہ حق کو پایا اور دونوں دفعہ اسے اختیار کرلیا۔ وہ اسلام لانے سے پہلے بھی راہِ حق پر تھے اور اسلام لانے کے بعد بھی حق کی راہ پر چلے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ٥ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ٥ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ٥ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ز لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ٥﴾ (القصص 28: 52 تا 55)

"اس سے پہلے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، اُن میں سے بعض لوگ اِس قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ جب انہیں آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: "ہم اس پر ایمان لائے۔ بے شک یہ حق ہے جو ہمارے رب کی طرف سے آیا ہے ہم پہلے ہی سے اپنی کتابوں کے ذریعے اسے مانتے تھے۔" یہی لوگ ہیں جن کو اُن کے صبر کے بدلے میں دوہرا اجر ملے گا۔ وہ برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں۔ جو روزی ہم نے انہیں دی، اُس میں راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ جب کسی سے کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگوں سے کہہ دیتے ہیں: "ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں، تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ تمہیں سلام! ہم بے سمجھ لوگوں سے نہیں الجھتے۔"

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں بھی اُن لوگوں کے اعمال کے دوہرے اجر و ثواب کا ذکر آیا ہے جو پہلے اہل کتاب تھے۔ اپنے دین و شریعت کے پابند تھے اور پھر انہوں نے اسلام بھی قبول کرلیا تھا۔ (صحیح بخاری: 97، 3011)

درحقیقت یہ قرآن کے عدل و انصاف کی ایک مثال ہے کہ اُس نے اپنے مخالفین اہل کتاب کے تمام لوگوں کو غلط اور گمراہ قرار نہیں دیا بلکہ اُن میں سے جو افراد حق پر تھے اور راستباز تھے وہ اگرچہ تعداد میں بہت کم تھے، مگر اُن کی جگہ جگہ تعریف اور تحسین فرمائی ہے۔

﴿وَ مَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ط وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝١١٥﴾ (آل عمران: 115)

یہ اُن کے بارے میں فرمایا جن کا ذکر اوپر ہوا ہے کہ ایسے لوگ اپنی نیکیوں کا اجر پائیں گے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ اُن

Marfat.com

کی کوئی نیکی ضائع ہو جائے۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ کسی نیک شخص کی کوئی نیکی ضائع نہیں کرتا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (التوبۃ : 120:9)

پھر چونکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کن لوگوں کے دلوں میں سچا ایمان اور صحیح تقویٰ ہے اور کس نے نیک اعمال کیے ہیں، اس لیے وہ ہر ایک کو اُس کی نیکیوں کا پورا پورا ثواب عطا فرمائے گا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـاؕ وَ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (۱۱۶) مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُؕ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ (۱۱۷)

(آل عمران : 116۔ 117)

”بے شک جو لوگ کافر ہو گئے اُن کو اللہ کی پکڑ سے نہ اُن کا مال بچائے گا اور نہ اُن کی اولاد۔ وہ دوزخی ہیں۔ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ ایسے لوگ دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال اُس آندھی کی سی ہے جس میں پالا ہو اور وہ اُن لوگوں کی کھیتی پر چلے جنہوں نے اپنے اُوپر ظلم کیا ہے اور پھر اسے تباہ و برباد کر دے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔“

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

رِیْحٌ: ......اس کے معنی ہیں سخت ہوا، آندھی۔ قرآن مجید میں عام طور پر یہ واحد لفظ عذاب کے لیے اور اس کی جمع ”رِیَاحٌ“ رحمت و نعمت کے لیے آئی ہے۔

صِرٌّ: ......اس کے معنی شدید سردی کے ہیں۔

فَاَهْلَكَتْهُ: ......(پھر اُس کو ہلاک کر دیا) مراد ہے پھر اُسے تباہ و برباد کر دیا۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـاؕ﴾

(آل عمران : 116)

اس آیت میں سیاقِ کلام کے لحاظ سے وہ کفار مراد ہیں جو پہلے اہل کتاب میں سے تھے اور پھر اسلام کی مخالفت کر

Marfat.com

کے کافر ہو گئے۔ ان میں عرب کے مشرکین بھی شامل ہیں جو اپنے کفر و شرک پر اَڑ گئے تھے اور اسلام قبول کرنے کی بجائے ساری عمر اس کی مخالفت کرتے رہے۔

فرمایا کہ جس مال و اولاد کی محبت اور اس پر غرور و تکبر نے ان کافروں کو اسلام لانے سے روکا ہے اور وہ اپنے کفر پر اَڑے ہوئے ہیں، یہ مال و اولاد اُس وقت ان لوگوں کے کچھ کام نہ آئیں گے جب اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کو پکڑے گا۔ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا عذاب بھگتیں گے۔

اسی مضمون کو قرآن نے اور جگہوں پر بھی بیان کیا ہے۔ جیسے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾

(آل عمران: 116)

''جو لوگ کافر ہوئے انہیں اللہ کے عذاب سے نہ اُن کا مال بچا سکے گا اور نہ اُن کی اولاد۔''

ایک اور جگہ یوں فرمایا کہ:

﴿لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (المجادلہ 58: 17)

''(ان کافروں کو) وہاں اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے اُن کے مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔''

﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران: 117)

یہ آیت اُنہی کفار کے بارے میں ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کے کافر ہوں یا عرب کے وہ مشرکین جنہوں نے اسلام کی بجائے کفر کی راہ اختیار کر لی ہے، قیامت کے دن نہ ان کا مال و دولت ان کے کام آئے گا اور نہ ان کی اولاد کام آئے گی۔ بلکہ ان کا کوئی عمل بھی قبول نہ ہوگا۔ کیونکہ جو عمل بھی ایمان کی حالت کے بغیر کیا جائے وہ اللہ سبحانہٗ کے ہاں مقبول نہیں ہے اور آخرت میں اُس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، خواہ وہ صدقہ و خیرات ہی کیوں نہ ہو۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہی عمل نیکی ہے اور وہی عمل صالح ہے جو صرف اللہ سبحانہٗ کی رضا کے لیے کیا جائے، ایمان کی حالت میں کیا جائے اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کیا جائے۔ ورنہ ہر عمل بے کار ہے۔ چونکہ کافروں کے بظاہر نیک کام ان تینوں بنیادی شرائط پر پورے نہیں اترتے اس لیے نہ وہ اعمالِ صالحہ ہیں اور نہ اُن کا آخرت میں کوئی اجر ہے۔

پھر کافروں کے مالی انفاق کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا اُن کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا اور نہ ثواب ملے گا۔ کیونکہ کفر و شرک کی حالت میں کیا گیا کوئی عمل بھی اللہ سبحانہٗ کے ہاں مقبول نہیں ہے جیسے سخت سرد آندھی سے

Marfat.com

لوگوں کی کھیتی اور فصل تباہ و برباد ہو جاتی ہے، اسی طرح کفر و شرک کی وجہ سے ہر عمل برباد ہو جاتا ہے۔ بلکہ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا وہ راکھ بن جاتی ہے جسے آندھی اُڑا لے جاتی ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝﴾ (ابراھیم 14 : 18)

”کافروں کے اعمال اُس راکھ کی طرح ہیں جسے ایک طوفانی دن میں آندھی اُڑا لے جائے۔ انہیں اپنے کیے کا کچھ نہیں ملے گا۔ یہ ہے پرلے درجے کی گمراہی اور ناکامی!“

آیت کے حوالے سے یہ دلچسپ بات ہے کہ لفظ رِیْحٌ (ہوا، تیز ہوا، آندھی) قرآن میں جہاں بھی کسی صفت کے بغیر واحد استعمال ہوا ہے وہاں یہ عذاب کی آندھی کے لیے آیا ہے اور جہاں یہ رِیَاحٌ (ہوائیں) جمع کے طور پر آیا ہے۔ وہاں اس سے رحمت یا بارش کی ہوائیں مراد ہوتی ہیں۔ رِیْحٌ واحد کی دو مثالیں گزر چکی ہیں دو اور مثالیں دیکھ لیجیے:

قومِ عاد پر عذاب کی آندھی کے بارے میں ہے کہ:

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (حٰمٓ السجدہ 41: 16)

”پھر ہم نے اُن کو نحوست کے دنوں میں اُن پر سخت طوفانی آندھی بھیج دی، تاکہ ہم اُن کو دنیا میں ذلت کا عذاب چکھائیں۔“

اب رِیَاحٌ (ہوائیں) جمع کی مثالیں ملاحظہ ہوں جو رحمت یا بارش کی ہواؤں کے لیے ہیں:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاۗءِ كَيْفَ يَشَاۗءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝﴾ (الروم 30: 48)

”اللہ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادل کو اٹھاتی ہیں۔ پھر جس طرح وہ چاہتا ہے بادلوں کو آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور ان کو تہ بہ تہ کرتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو بادل کے اندر سے بوندیں گرنے لگتی ہیں اور جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے بارش برساتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔“

اسی سورہ الروم میں اس سے پہلے آیت 46 میں ہے کہ:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾ (الروم 30: 46)

”اور اُس (اللہ) کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے جو بارش کی خوش خبری لاتی ہیں، تاکہ اللہ تمہیں اپنی رحمت سے نوازے اور ان ہواؤں کے ذریعے کشتیاں اللہ کے حکم سے چلتی ہیں

Marfat.com

جب تک نفس تقویٰ نہ ہو اور اس کا شعور نہ ہو۔"

سورہ حجر میں بھی فرمایا گیا:

﴿وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ۝﴾ (حجر 15: 22)

"اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو بادلوں کو پانی سے بوجھل کر دیتی ہیں۔ پھر ہم آسمان سے پانی برساتے اور تم لوگوں کو اس سے سیراب کرتے ہیں۔ اور تم اس پانی کا خزانہ نہیں رکھتے۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ
خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا
تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝
هَا أَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ
وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ
مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ
الصُّدُورِ ۝ إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ
سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ
شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝

(آل عمران 3: 118 - 120)

"اے ایمان والو! اپنے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم مشکل میں پڑو۔ ان کی دشمنی ان کی باتوں سے ظاہر ہے، اور جو بغض ان کے دلوں میں ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو ہم نے تمہارے لیے تو نشانیاں واضح کر دی ہیں۔ دیکھو تم ان سے دوستی رکھتے ہو مگر وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے۔ حالانکہ تم ساری آسمانی کتابوں کو مانتے ہو۔ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں۔" مگر جب

Marfat.com

آپس میں ملتے ہیں تو تمہارے خلاف غصے سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ اے نبی ﷺ! آپ ﷺ ان سے کہیں "مر جاؤ تم اپنے غصے میں۔" بے شک اللہ دلوں کی بات جانتا ہے۔ (مسلمانو!) اگر تمہیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو انہیں تکلیف ہوتی ہے اور اگر تم پر مصیبت آتی ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ لیکن اگر تم صبر سے کام لو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی کوئی سازش تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اسے اللہ نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

هٰاَنْتُمْ اُولَاءِ:...... ھَا حرف تنبیہ ہے جیسے اَلَا۔ اس پر زور دینے کے لیے بعد میں ضمیر حاضر اَنْتُمْ آئی ہے۔ اُوْلَاءِ اصل میں اُوْلٰٓئِكَ ہے۔

بِطَانَةً:...... (دلی دوست، رازدار، بھیدی) اس کے اصل معنی لحاف وغیرہ کے "اَستر" کے ہیں جو اندر کے حصے کا کپڑا ہوتا ہے۔ پھر اسی سے اندر کا آدمی، رازدار اور بھیدی کا مفہوم پیدا ہو گیا۔

مِنْ دُوْنِكُمْ:...... (اپنے سوا کو) اس کے معنی ہیں مِنْ غَيْرِكُمْ۔ مراد ہے بیگانوں یعنی غیر مسلموں کو۔

يَاْلُوْنَكُمْ:...... (ء ل و) وہ تمہارے لیے کمی نہیں کریں گے۔

خَبَالًا:...... اس کے معنی ہیں: (نقصان، کمی، خرابی، فساد) رَجُلٌ مَخْبُوْلٌ (یا مُخْبِلٌ، یا مُخْتَبِلٌ) کم عقل یا فسادی آدمی کو کہا جاتا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے:

﴿لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا﴾ (التوبہ 9: 47)

"(اے مسلمانو!) اگر تمہارے ساتھ وہ (منافقین) بھی جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوتے تو تمہارے لیے خرابی کا باعث بنتے۔"

عَنِتُّمْ:...... (ع ن ت) تم کو تکلیف پہنچی (پہنچے)۔

اَلْبَغْضَآءُ:...... بغض، نفرت، یہ حُبٌّ (محبت) کی ضد ہے۔

بِالْكِتٰبِ:...... (کتاب کو) اس سے جنس کتاب یعنی تمام الہامی کتابیں مراد ہیں۔

عَضُّوْا:...... (ع ض ض) وہ کاٹتے ہیں۔

اَلْاَنَامِلَ:...... (انگلیاں) یہ اَنْمِلَةٌ (انگلی) کی جمع ہے جس کے اصل معنی اُس پور کے ہیں جس میں ناخن ہوتا ہے۔

ذَاتِ الصُّدُوْرِ:...... (سینوں کی بات، سینوں کے خیالات، ارادے اور نیت) صُدُوْرٌ جمع ہے اس کا واحد ہے صَدْرٌ (سینہ، دل)

حَسَنَةٌ:...... (اچھائی، نیکی، بھلائی، فائدہ، نعمت) اس جگہ اس سے مراد ہے "کوئی فائدہ"۔

سَيِّئَةٌ:...... (برائی، تکلیف، دکھ، نقصان) اس جگہ اس کے معنی ہیں "کوئی نقصان"۔

Marfat.com

کَیْـدُهُـمْ: ...... (اُن کا مکر، چال، فریب، تدبیر)۔ کَیْـدٌ کے معنی ہیں: کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے اُس کے خلاف کوئی چال چلنا۔

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ﴾ (آل عمران : 118)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو خطاب کر کے یہ حکم دیا ہے کہ وہ کافروں اور غیر مسلموں کو اپنا راز دار نہ بنائیں۔ اس آیت کے مضامین کی تفصیل یہ ہے:

1۔ سب سے پہلے ایمان والوں کو مخاطب کر کے حکم دیا گیا کہ تم اپنے سوا کسی غیر کو یعنی غیر مسلموں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔

2۔ پھر اس حکم کا سبب یا علت یہ بیان فرمائی کہ غیر مسلم تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔ وہ تمہارے بدخواہ اور دشمن ہیں۔ وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم مسلمان ہر وقت کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا رہو۔

3۔ پھر فرمایا اُن کے منہ سے تمہارے خلاف جتنی باتیں نکلتی ہیں اور جنہیں تم سنتے رہتے ہو، وہ اس سے کم ہیں جو نفرت ان کے دلوں میں تمہارے لیے پائی جاتی ہیں۔ آیت کے سیاق وسباق میں غیروں سے مراد اگرچہ یہودی ہیں لیکن یہ حکم عام ہے اور اس میں ہر قسم کے غیر مسلم شامل ہیں۔

اِس کی ایک مثال سابق امریکی صدر بش کی وہ تقریر ہے جو اس نے 11 ستمبر 2001ء کے مشہور واقعے کے فوراً بعد وائٹ ہاؤس میں کی تھی اور مسلمانوں کے خلاف نئی صلیبی جنگ (CRUSADES) چھیڑنے کا ذکر کیا تھا لیکن بعد میں مصلحت کے تحت یہ کہنا شروع کیا کہ اس کا یہ مقصد نہ تھا، ویسے جذبات میں ان کے منہ سے ایسے الفاظ نکل گئے تھے۔ حالانکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اُن کے دل میں جو نفرت تھی اُس کا اظہار اس کے بعد عراق اور افغانستان پر امریکی حملے سے ہو گیا تھا اور جس میں نیٹو سمیت تمام مغربی باطل قوتوں نے حصہ لیا تھا۔

4۔ کسی مسلمان ملک کا کسی غیر مسلم ملک سے مشترکہ خفیہ اطلاعات میں حصہ دار (INTELLIGENCE SHARING) بھی غیروں کو راز دار بنانے کے زُمرے میں آتا ہے جو کہ حرام ہے۔ زمانۂ حال میں بعض مسلم ریاستیں اس حرام کی مرتکب ہو رہی ہیں جو کہ بہت افسوس ناک ہے۔

5۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبر دار کیا ہے کہ اُس نے اُن کے فائدے کے لیے واضح نشانیاں بتا دی ہیں اور صریح احکام دے دیے ہیں۔ اب اُن کو عقل سے کام لینا چاہیے اور غیر مسلموں کو انفرادی اور اجتماعی رازوں میں شریک کر کے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی نہیں مارنی چاہیے۔

6۔ ایک تاریخی واقعے میں بھی مسلم حکمرانوں کے لیے سبق ہے جب کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ "حِیرہ" کے ایک عیسائی کو جو ادیب اور خوش نویس ہے اپنا کاتب (PRIVATE SECRETARY) بنا لیں تاکہ وہ

Marfat.com

سرکاری خطوط وغیرہ لکھ دیا کرے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

''میں اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کسی کافر کو اپنا راز داں نہیں بنا سکتا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ ریاستی امور اور اپنے اجتماعی معاملات میں کافروں، مشرکوں، ملحدوں، یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں اور قادیانیوں وغیرہ کو ہم اپنا رازدار بنائیں۔ اگر وہ ان کو اپنے راز دیں گے تو اللہ تعالیٰ کے نافرمان بھی ہوں گے اور دنیا وآخرت میں ذلت اور نقصان بھی اٹھائیں گے۔

اس قرآنی حکم میں آج امت کے موجودہ مسلم حکمرانوں کے لیے بڑا سبق ہے جو آج نہ صرف غیر مسلموں کو اپنا رازدار بنائے ہوئے ہیں بلکہ ان کے اشاروں پر ناچتے اور ان کے آلۂ کار بن کر اپنے بھائی بندوں پر ظلم کے پہاڑ توڑتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ امتِ مسلمہ آج دنیا میں ذلیل وخوار ہو رہی ہے۔

﴿قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ﴾ (آل عمران : 118)

فرمایا، تم مسلمانوں کو تمہارے دوستوں اور دشمنوں کی پہچان کرادی گئی ہے۔ یہ بھی واضح طور پر بتا دیا گیا کہ کون تمہارا خیر خواہ اور کون بدخواہ ہے۔ اب اپنی عقل سے کام لیتے ہوئے اپنے مخالفوں سے محتاط رہنا۔

﴿هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَاۤءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ﴾ (آل عمران : 119)

یہ بعض سادہ لوں اور کمزور ایمان والے مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا گیا کہ تم وہی لوگ ہو جو اہل کتاب سے دوستانہ تعلقات قائم رکھنا چاہتے ہو۔ لیکن یاد رکھو، اہل کتاب کبھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔ تم اُن سے محبت کی پینگیں بڑھاتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ تم ساری الہامی کتابوں کو مانتے ہو مگر وہ تمہاری کتاب قرآن کو نہیں مانتے اور نہ تمہارے آخری نبی ﷺ کو مانتے ہیں۔

﴿وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ﴾ (آل عمران : 119)

فرمایا، یہ اہل کتاب جب تم سے ملتے ہیں تو تمہیں دھوکا دینے کے لیے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب وہ اپنے لوگوں میں ہوتے ہیں تو تم پر غصے سے دانت پیستے اور اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ اے نبی ﷺ! ان اہل کتاب منافقوں سے کہہ دیجیے کہ تم لوگ اپنے غصے اور غیظ وغضب کی آگ میں جل مرو۔ لیکن تم اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں، تمہاری نیتوں اور تمہارے برے عملوں سے واقف ہے اور ان کی وجہ سے وہ تم کو سخت سزا دے گا۔

﴿اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ﴾ (آل عمران : 120)

یہ اہل کتاب یہودیوں اور عیسائیوں کی اصل ذہنیت کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کو کوئی فائدہ حاصل ہو تو اہل کتاب کو پریشانی ہوتی ہے اور اگر مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچے تو ان کو خوشی ہوتی ہے۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی مسلمانوں کے بارے میں اہل کتاب کا رویہ وہی ہے جس کی طرف قرآن نے واضح اشارہ دیا

Marfat.com

ہے۔اہل کتاب کو پاکستان کے ایٹم بم بنانے پر سخت پریشانی لاحق ہوئی تھی اور انہوں نے اسے نفرت سے ''اسلامی بم'' کا نام دیا گیا۔ حالانکہ اس سے پہلے دنیا میں عیسائی، امریکی اور یورپی بم موجود تھے مگر ان کو یہ نام نہیں دیے گئے تھے۔ اسی طرح گزشتہ صدی میں 1924ء کو خلافتِ عثمانی کے ختم ہونے پر اہل کتاب نے بہت خوشیاں منائی تھیں۔ آج بھی اہل کتاب کو سب کچھ گوارا ہے مگر کسی ایک حقیقی اسلامی ریاست کا وجود گوارا نہیں۔ انہوں نے عراق اور افغانستان پر وحشیانہ بمباری کی۔ کروز میزائلوں اور ڈیزی کٹر بموں سے حملے کیے، قتل و غارت کی اور لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کا ناحق خون بہایا۔

﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝١٢٠﴾

(آل عمران : 120)

یہ مسلمانوں سے فرمایا گیا۔ ہے کہ اگر تم اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہو۔ صبر و استقامت سے کام لو۔ تقویٰ اختیار کرو تو دشمن کی کوئی چال تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اللہ تعالیٰ اہل کتاب کی ساری منفی سرگرمیوں اور ناکام منصوبوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور وہ لوگ اُس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جو قرآن کی صداقت و حقانیت کو ثابت کرتی ہے کہ مسلمانوں کی پوری تاریخ میں کبھی کسی غیر مسلم طاقت نے اُن پر فتح نہیں پائی۔ کفار پر ہمیشہ غالب رہے۔ لیکن انہوں نے اُس وقت مار کھائی جب اُن کے اپنے غداروں نے دشمن کے ساتھ مل کر اُن کو نقصان پہنچایا۔ مسلمانوں کے اندر کے میر جعفروں نے ہر دور میں کفار کو موقع فراہم کیا کہ وہ اہل اسلام پر غلبہ پا سکیں۔ لہٰذا اہل ایمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے باہر کے دشمن سے زیادہ اپنے اندر کے غداروں کی پہلے خبر لیں۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝١٢١ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ
وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١٢٢ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ
اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝١٢٣ اِذْ
تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ
مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝١٢٤ؕ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ
مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

Marfat.com

مُسَوِّمِيْنَ ۝١٢٥ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ
بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝١٢٦ۙ لِيَقْطَعَ
طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَھُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَاۗىِٕـبِيْنَ ۝١٢٧
لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ
ظٰلِمُوْنَ ۝١٢٨ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ
يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٢٩ ع

(آل عمران 3: 121 تا 129)

”اے نبی ﷺ! وہ وقت یاد کریں جب آپ ﷺ صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے اور مسلمانوں کو جنگ کے مقامات پر مقرر کر رہے تھے۔ اللہ تو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ اور جب مسلمانوں کے دو گروہوں نے ارادہ کیا کہ ہمت ہار دیں، اور اللہ ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا۔ اور ایمان والوں کو اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے۔ اس سے پہلے جنگِ بدر کے موقع پر اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے جب کہ تم کمزور تھے۔ اس لیے ہر حال میں اللہ سے ڈرو تاکہ اُس کی نعمتوں کا شکر ادا کر سکو۔ اور اے نبی ﷺ! وہ وقت یاد کریں جب آپ ﷺ جنگ کے میدان میں مسلمانوں سے کہہ رہے تھے ”کیا تمہارے لیے کافی نہیں کہ تمہارا رب دشمن کے مقابلے میں تین ہزار فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائے؟“ بلکہ اگر تم صبر و ہمت سے کام لو، اللہ سے ڈرتے رہو اور دشمن تم پر اچانک حملہ آور ہو تو تمہارا رب خاص نشان رکھنے والے پانچ ہزار (5,000) فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور اللہ نے تمہاری مدد کی تاکہ تمہارے لیے خوش خبری ہو اور تمہارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو۔ اصل مدد تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔ اسی غیبی مدد کا مقصد یہ تھا کہ کافروں کی طاقت کا ایک حصہ ناکارہ کر دیا جائے، یا ان کو اتنا ذلیل کر دیا جائے کہ وہ ناکام واپس لوٹ جائیں۔ اے نبی ﷺ! آپ ﷺ کا اس بارے میں کوئی دخل نہیں۔ اللہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے، یا انہیں عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ اللہ کے اختیار میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

Marfat.com

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

غَدَوْتَ: ......(تو صبح کو نکلا) اس کے معنی ہیں: خَرَجَ غَدْوَۃً (وہ صبح کو نکلا)۔ اس سے فجر اور سورج نکلنے کا درمیانی وقت مراد ہوتا ہے۔

تُبَــوِّئُ: ......(تو جگہ یا ٹھکانہ دیتا ہے، تو اتارتا ہے) اِس سے صف بندی یا مورچہ بندی (POSITION) کرنا مراد ہے۔

مَـقَـاعِدَ: ......(ٹھکانے، جگہیں) اس کا واحد مَـقْـعَدٌ جس کے معنی ہیں: بیٹھنے کی جگہ، گھات (AMBUSH) لگانے کی جگہ، جنگی پوزیشن۔

تَفْشَلَا: ......(ف ش ل) اس کے معنی ہیں وہ دونوں بزدلی یا کمزوری دکھائیں۔

وَلِيُّهُمَا: ......(دونوں کا ولی) مراد ہے دونوں کا مددگار اور کارساز۔

اَذِلَّۃٌ: ......اس کا واحد ذَلِیْـلٌ ہے جس کے اصل معنی ہیں کمزور، ناتواں۔ لیکن اس جگہ مراد ہے تعداد اور اسلحے کے لحاظ سے کم تھے۔ اس سے وہ معنی ہرگز مراد نہیں ہیں جو اردو زبان میں لفظ ''ذلیل'' کے معنی ہیں۔ جیسا کہ اہل ایمان کی صفت کے طور پر آیا ہے کہ وہ:

﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ (المائدہ : 54)

''مسلمانوں کے لیے نرم اور کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں۔''

مِنْ فَوْرِهِمْ: ......اس کے معنی "مِنْ سَاعَتِهِمْ بِلَا اِبْطَاءٍ" کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ فوراً، فوری طور پر، اچانک۔

مُسَــوِّمِيْــنَ: ......(س وم) اس کے معنی ہیں: ''نشان دہ، نشان لگائے گئے، پہچان کے لیے خاص نشان والے۔ بعض اہل لغت نے اس کے معنی ''حملہ کر کے تباہ کرنے والے'' کے بھی لیے ہیں۔

طَرَفًا: ......ایک ٹکڑا، ایک حصہ۔

يَكْبِتَ: ......(ک ب ت) وہ ذلیل کرے، وہ کمزور کردے، وہ غصہ نکالے۔

خَآئِبِيْنَ: ......(خ ی ب) یہ جمع ہے خَائِبٌ کی جس کے معنی ہیں ناکام، نامراد۔

﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۲۱ۙ﴾

(آل عمران : 121)

اس آیت سے غزوہ اُحد کا طویل ذکر شروع ہو گیا ہے لیکن اس میں اس غزوے کو تاریخی انداز میں بیان نہیں کیا گیا بلکہ اس میں پیش آنے والے واقعات پر تبصرہ کیا گیا ہے اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل اور اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

یہ نبی ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا کہ یاد کیجیے جب آپ ﷺ گھر سے نکلے تاکہ مسلمانوں کو جنگ کے مورچوں اور پوزیشنوں پر مقرر فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس غزوے کی تمام تفصیلات کا علم ہے کیونکہ وہ ہر بات سننے والا اور

Marfat.com

سب کچھ جاننے والا ہے۔

اِس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ اُحد کو مختصر طور پر بیان کر دیا جائے۔

غزوہ اُحد کا واقعہ شوال 3ھ (625ء) میں پیش آیا۔

جنگِ بدر میں اپنی ذلت ناک شکست کا بدلہ لینے کے لیے مشرکین قریش نے مسلمانوں کے خلاف تین ہزار (3000) کا لشکر تیار کیا۔ جب نبی ﷺ کو اس لشکر کی تیاری کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ اکثریت کی رائے یہ تھی کہ شہر سے باہر جا کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ خود نبی ﷺ مدینے ہی میں رہ کر دفاع کرنا چاہتے تھے۔ کسی مصلحت سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی یہی رائے رکھتا تھا۔ چونکہ اس بارے میں نبی ﷺ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے اکثریت کی رائے اختیار کر لی کہ باہر کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کیا جائے گا۔

پھر حضور ﷺ مسلح ہو کر ایک ہزار (1000) کے لشکر کے ساتھ مدینے سے نکلے۔ مگر راستے میں مشہور منافق عبداللہ بن ابی اپنے تین سو (300) ساتھیوں سمیت لشکر سے یہ کہہ کر الگ ہو گیا کہ اس کی بات کیوں نہیں مانی گئی۔ اس طرح حضور ﷺ کے ساتھ صرف سات سو (700) مجاہدین باقی رہ گئے جو دشمن کی چار ہزار (3,000) کی فوج کے مقابلے میں بہت کم تعداد تھی۔ نبی ﷺ نے آگے بڑھ کر کوہِ اُحد کے دامن میں صف بندی فرمائی۔ اُدھر دشمن بھی مقابلے میں صف آرا ہو گیا۔

نبی ﷺ نے پچاس (50) تیراندازوں کے دستے کو قریبی درے پر پوزیشن لینے کا حکم دیا جس پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو کمانڈر مقرر فرمایا۔ تاکہ دشمن پیچھے کی طرف سے حملہ آور نہ ہو سکے۔ ساتھ ہی اس دستے کو یہ تاکید بھی فرمائی کہ درے کی اس پوزیشن کو کسی حال میں نہیں چھوڑنا خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

جب عام جنگ شروع ہوئی تو پہلے ہی راؤنڈ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری ہوا۔ دشمن میدان چھوڑ کر بھاگنے لگا۔ مسلمانوں نے مالِ غنیمت سمیٹنا شروع کیا تو درے میں متعین تیراندازوں نے بھی اپنی پوزیشن چھوڑ دی تاکہ وہ بھی مالِ غنیمت حاصل کر سکیں۔ درے کو خالی دیکھ کر خالد بن ولید نے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اچانک گھڑ سواروں کے ایک دستے کے ساتھ پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اتنے میں بھاگے ہوئے مشرکین بھی واپس میدان میں آ گئے۔ مسلمان جو مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے، اس اچانک دوطرفہ حملے سے بدحواس ہو گئے۔ اُن کی صفیں اُلٹ گئیں۔ وہ اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ اس وقت نبی ﷺ کے ساتھ صرف چند جاں نثار باقی رہ گئے۔ پھر جب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو کہ علم بردار تھے اور صورت میں حضور ﷺ سے مشابہ تھے، وہ شہید ہو گئے تو یہ افواہ پھیل گئی کہ نبی ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر بہت سے صحابہ کرام کے حوصلے پست ہو گئے اور انھوں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ کفار کا دباؤ اتنا زیادہ تھا کہ حضور ﷺ شدید زخمی ہو گئے اور اسی حالت میں اپنے چند ساتھیوں سمیت پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے تاکہ

Marfat.com

دشمن کے حملے سے محفوظ رہ سکیں۔ پھر وہاں سے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو پکارا۔ وہ دوبارہ جمع ہوئے اور جنگ کے تیسرے راؤنڈ میں پھر مسلمان غالب رہے اور مشرکین میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اس معرکے میں مسلمانوں کو بہت جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ ستر (70) صحابہ شہید ہو گئے جن میں سیّد الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ پھر نبی ﷺ نے اس خیال سے کہ کہیں ابوسفیان دوبارہ مدینے پر حملہ آور نہ ہو جائے، حمراء الاسد تک اُس کا پیچھا کیا مگر وہ اطلاع پا کر اپنے لشکر سمیت مکہ واپس بھاگ گیا۔

﴿اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَاۙ وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَاؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝۱۲۲﴾

(آل عمران : 122)

یہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ یاد کرو جب غزوۂ اُحد کے موقع پر تم میں سے دو گروہوں نے اُس وقت حوصلہ ہارنے کا ارادہ کیا جب مسلمانوں کے ایک ہزار (1,000) کے لشکر میں سے تین سو (300) منافقین الگ ہو گئے۔ اس پر قبیلہ خزرج کے بنو سلمہ اور قبیلہ اوس کے بنو حارثہ کے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے کہ اب ہم کم تعداد کے ساتھ دشمن کے تین ہزار (3,000) کے لشکر کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے۔ مگر جلد ہی اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں حوصلہ (MORALE) پیدا کر دیا اور وہ دوبارہ جہاد کے لیے تیار ہو گئے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا حامی اور دوست ہے اور وہ مشکل وقت میں ان کی مدد کرتا اور دست گیری فرماتا ہے۔ مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے اگرچہ ان کا لشکر دشمن کے لشکر سے تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۱۲۳﴾

(آل عمران : 123)

یہ مسلمانوں سے فرمایا کہ جنگ اُحد کے واقعے سے تمہیں گھبرانا نہیں چاہیے اس سے پہلے غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری بھرپور مدد فرمائی۔ تمہاری مدد کے لیے اپنے فرشتے اتارے۔ اُس وقت تم تعداد میں بھی تھوڑے تھے اور بے سروسامان بھی تھے۔ اس کے باوجود کفار کے بڑے لشکر کے مقابلے میں تمہیں شاندار فتح حاصل ہوئی۔ لہٰذا اب بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر اور مددگار ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر ''تفسیر کبیر'' میں لکھا ہے کہ اس بات پر تمام مؤرخین اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار (1000) فرشتے بھیجے تھے جو کفار کے خلاف لڑے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے کئی غزوات کے موقع پر فرشتے نازل فرمائے مگر غزوہ بدر کے سوا وہ کسی اور جنگ میں لڑے نہیں تھے۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے تقویٰ بہت ضروری ہے۔ اگر تم مسلمان تقویٰ اختیار کرو گے اور اللہ سبحانہٗ کے احکام کے مطابق چلو گے تو یہی طریقہ ہے جس سے تم لوگ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے ہو سکتے ہو۔ لیکن

Marfat.com

وہ لوگ اپنے رب کے ناشکرے ہیں جو تقویٰ اختیار نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی نہیں کرتے۔

﴿إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ﴿١٢٤﴾﴾ (آل عمران : 124)

یہ اُس بات کی طرف اشارہ ہے جو نبی ﷺ نے غزوہ اُحد کے موقع پر اُس وقت فرمائی تھی جب عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو (300) ساتھیوں سمیت راستے ہی سے واپس آ گیا۔ اس سے بعض مسلمانوں نے جن کا اوپر آیت 122 میں ذکر آ چکا ہے، حوصلہ ہار دیا تھا۔ اُن کی تسلی کے لیے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ تین سو (300) منافقین نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے مگر اُن کے اس طرح الگ ہو جانے سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ان کی جگہ اللہ تعالیٰ تین ہزار (3,000) فرشتوں کے ذریعے ہماری مدد فرمائے گا۔

﴿بَلَىٰ ۚ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٢٥﴾﴾ (آل عمران : 125)

یہ غزوہ اُحد ہی کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعے دوسرا اعلان بھی فرما دیا کہ اگر اس جنگ میں تم صبر کے ساتھ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہو گے، تقویٰ اختیار کرو گے اور نبی ﷺ کے کسی حکم کی خلاف ورزی سے بچو گے اور دشمن تم پر اچانک حملہ آور ہو جائے تو اللہ تعالیٰ تین ہزار (3,000) فرشتوں کی تعداد میں اضافہ کر کے پانچ ہزار (5,000) فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائے گا۔

بعد میں غزوہ اُحد کے واقعات نے اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کو سچ کر دکھایا۔ جنگ کے پہلے راؤنڈ میں مسلمانوں نے کئی کافروں کو ہلاک کیا اور اُن کے لشکر کو شکست دے دی۔ جیسا کہ آگے آیت 152 میں آئے گا کہ:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِ﴾ (آل عمران 3 : 152)

”(اے مسلمانو!) اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے کافروں کا صفایا کر رہے تھے۔“

مگر جب مسلمانوں نے صبر اور تقویٰ اختیار نہ کیا اور ثابت قدمی نہ دکھائی۔ درے کے تیر اندازوں نے مالِ غنیمت لینے کی خاطر اپنا مورچہ چھوڑ دیا اور نبی ﷺ کے ایک واضح حکم کی نافرمانی کی تو اب دوسرے راؤنڈ میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ مسلمان گھیرے میں آ گئے۔ اُن کا بہت جانی نقصان ہوا اور نبی ﷺ بھی شدید زخمی ہو گئے۔

پھر اس جنگ کے تیسرے راؤنڈ میں مسلمانوں نے پھر اپنی قوت و طاقت جمع کی، ثابت قدمی دکھائی اور نبی ﷺ کی پکار پر لبیک کہی تو اب مسلمانوں کا لشکر کافروں پر غالب آ گیا اور کفار کو شکست ہوئی۔

﴿وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهِ﴾ (آل عمران : 126)

یہ اُس وعدے کی طرف اشارہ ہے (جَعَلَهُ) جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی مدد کے لیے فرمایا تھا اور جس کا

Marfat.com

ذکراوپر کی آیات 124، 125 میں آیا ہے کہ اس وعدے کے دو مقاصد تھے:

1۔ مسلمانوں کو خوش خبری دے کر اُن کے دلوں میں خوشی پیدا کرنا۔

2۔ اہلِ ایمان کو دلی اطمینان دلانا کہ اللہ تعالیٰ اُن کا حامی و ناصر ہے۔ تاکہ وہ دشمن کی زیادہ تعداد ہونے کے باوجود جہاد سے جی نہ چرائیں۔

﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝﴾ (آل عمران : 126)

فرمایا فتح ونصرت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔ وہ جسے چاہے فتح دیتا ہے۔ مسلمانوں کو اسی کی مدد پر بھروسا کرنا چاہیے۔ نہ تو فرشتوں کی مدد کا انتظار کرنا چاہیے اور نہ مادی وسائل پر اعتماد کرنا چاہیے۔ اُن کو صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ پر توکل کرنا چاہیے۔

﴿لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝﴾ (آل عمران : 127)

فرمایا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک غزوہ اُحد میں فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد کرنے کا مقصد یہی تھا کہ:

1۔ کفار کے لشکر کا ایک حصہ تباہ اور ہلاک کر دیا جائے۔

2۔ کافروں کا باقی لشکر شکست کھانے کی ذلت سے دوچار ہو۔

3۔ فتح کی امید لے کر آنے والے مشرکین ناکام اور نامراد ہو کر واپس لوٹ جائیں۔

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝﴾

(آل عمران : 128)

فرمایا، ہر چیز کا اختیار نبی ﷺ کے پاس نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ نبی ﷺ کا کام تو اللہ سبحانہٗ کے احکام کی تعمیل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو کفار و مشرکین میں سے کسی کو کفر و شرک سے توبہ کرنے اور اسلام لانے کی توفیق دے دے، یا اُن کو میدانِ جنگ میں ہلاک کر دے، یا اُن کو آخرت میں دوزخ کے عذاب میں ڈال دے۔ یہ سب اختیارات صرف اللہ سبحانہٗ ہی کو حاصل ہیں۔

صحیح احادیث میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ اُحد کے موقع پر نبی ﷺ نے ابوسفیان، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ کا نام لے کر اُن پر لعنت کی تھی۔ (صحیح بخاری: 4070، ترمذی، نسائی) اس پر اللہ تعالیٰ نے آل عمران کی یہ آیت (128) نازل کی اور ان سب کافروں کو توبہ کی توفیق دی اور یہ سب کے سب بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ اُحد میں جب نبی ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوئے اور آپ ﷺ شدید زخمی ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔''

Marfat.com

پھر آپ ﷺ نے کفار کے لیے بددعا فرمائی۔ اس پر آل عمران کی یہ آیت (128) نازل ہوئی تھی۔
(صحیح مسلم: 4645)

اس مقام پر یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ غزوہ بدر میں جس طرح فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد کی گئی تو اس سے اُن کے ذہنوں میں یہ بات آ گئی کہ ہمیں ہر حال میں اللہ کی مدد اور تائید و نصرت حاصل ہے اور ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن پر یہ حقیقت واضح فرمائی کہ سارا اختیار اللہ سبحانہٗ کے ہاتھ میں ہے۔ مگر وہ اپنے کام صرف معجزوں کے ساتھ نہیں کرتا بلکہ اپنے مقرر کیے ہوئے قوانینِ فطرت کے مطابق کام کرتا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ وہ بہرحال نقصان اٹھاتے ہیں۔ غزوۂ اُحد کے واقعے میں بھی مسلمانوں کے لیے یہی سبق ہے۔

﴿وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٩﴾﴾ (آل عمران: 129)

فرمایا، آسمانوں اور زمین ساری کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے توبہ کی توفیق دیتا ہے اور اُس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے کیونکہ وہ عذاب ہی کے مستحق ہوتے ہیں۔ لیکن وہ توبہ کرنے والوں کے لیے بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوۤا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪
وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٣٠﴾ۚ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ
لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿١٣١﴾ۚ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ۚ
وَ سَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ
وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٣﴾ۙ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ
وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣٤﴾ۚ وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا
اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَ مَنْ يَّغْفِرُ

Marfat.com

الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۛ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾
اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾

(آل عمران : 130 تا 136)

"اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا کر سود نہ کھاؤ۔ اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ اور دوزخ کی آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اُس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے۔ وہ ان پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے جو خوش حالی اور تنگ دستی، ہر حال میں اللہ کے لیے اپنا مال خرچ کرتے ہیں، جو غصے کو قابو میں رکھتے ہیں، جو لوگوں کی غلطیوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جب کوئی کھلی برائی کر بیٹھیں یا کوئی گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کریں تو فوراً اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کون ہے جو بندوں کے گناہ بخشے؟ اور جو جان بوجھ کر اپنی غلطی پر نہیں اَڑتے۔ ایسے لوگوں کو اُن کے اعمال کا بدلہ اُن کے رب کی طرف سے بخشش کی صورت میں ملے گا۔ اس کے علاوہ اُن کے لیے ایسے باغ ہوں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ کیسا اچھا بدلہ ہے کام کرنے والوں کا!"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً:...... کئی گنا، دگنا چوگنا کر کے۔

سَارِعُوْا:...... (س ر ع) تم جلدی کرو، دوڑو، اس کا مصدر مُسَارَعَةٌ ہے۔

اَلسَّرَّآءِ:...... خوشی، سکھ چین، خوش حالی۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ:...... (ک ظ م) غصے کو روکنے والے، غصہ پی جانے والے۔

اَلْعَافِيْنَ:...... معاف کرنے والے۔

فَاحِشَةً:...... بڑی برائی، بے حیائی، اس جگہ کعبے کا طواف برہنہ حالت میں کرنے کو فَاحِشَةً کہا گیا ہے۔

لَمْ يُصِرُّوْا:...... وہ اصرار، ضد نہیں کرتے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ ﴾

(آل عمران : 130)

Marfat.com

اِس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو خطاب کر کے حکم دیا ہے کہ وہ سُود کا مال نہ کھائیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں تاکہ فلاح وکامیابی حاصل کرسکیں۔

رِبا یعنی سود کی تعریف یہ ہے کہ قرض پر اضافہ لینا۔ گویا قرض پر کم یا زیادہ جو بھی اضافہ لیا جائے گا وہ سود ہے جو اسلام میں حرام ہے۔ فرمایا کئی گنا بڑھا کر سود نہ کھاؤ۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تھوڑا سود لینا حلال ہے۔ بلکہ یہ اندازِ بیان اور اُسلوب اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ سود کی مذمت اور اُس کے گھناؤنے پن کو ظاہر کیا جاسکے۔ مراد یہ ہے کہ اپنی قرض میں دی ہوئی رقم کو بغیر تجارت میں لگائے یونہی بڑھاتے چلے جانا اور اس کا بوجھ دوسروں پر ڈالنا کہاں کا انصاف ہے؟ تم دوسروں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہو۔ اپنے حق سے زیادہ وصول کرتے ہو۔ یہ سراسر ناانصافی اور ظلم و زیادتی کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا تھا۔ دوسروں کی ضروریات پوری کرنے، ان کی مالی امداد کرنے اور اُن کو قرضِ حسنہ دینے کی تاکید فرمائی تھی اور تم مال ودولت کے اتنے حریص اور سنگ دل ہو کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی بجائے سود کی حرام کمائی کھاتے ہو۔

یاد رہے کہ دنیا میں سود کھانے کی ابتدا یہودیوں نے کی تھی، حالانکہ توریت میں بھی سود کو حرام کیا گیا تھا۔ آج بینکنگ (BANKING) کے ذریعے یہودیوں نے سود کی لعنت کو منظم طریقے کے ساتھ پوری دنیا میں پھیلا دیا ہے۔ لیکن اسلام میں سود حرام اور تجارت حلال ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سود کھانا چھوڑ دو تاکہ تم دنیا اور آخرت میں فلاح پاؤ۔

(مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورۃ البقرہ آیت 275، 278 کی تفسیر)

﴿وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝۱۳۱﴾ (آل عمران : 131)

فرمایا سود کی حرمت وممانعت آجانے کے بعد بھی جو لوگ سود کھائیں گے اُن کا انجام دوزخ کی وہ آگ ہے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ کیونکہ جب انہوں نے سود جیسی ایک حرام شے کو حلال سمجھا تو یہ اعتقادی کفر ہوا۔ یا اگر اسے حرام سمجھنے کے باوجود کھاتے رہے تو یہ عملی کفر ہوا۔ پھر اگر انہوں نے مرنے سے پہلے اپنے اس اعتقادی یا عملی کفر سے توبہ نہ کی تو آخرت میں اُن کا انجام بھی کفار جیسا ہوگا اور وہ دوزخ میں جلیں گے خواہ زبان سے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے پھریں۔

یاد رہے کہ صحیح حدیث کے مطابق سود کھانا سات بڑے بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔

(صحیح بخاری، رقم: 2766۔ صحیح مسلم، رقم: 262)

﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۳۲﴾ (آل عمران : 132)

فرمایا ہر حال میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے

Marfat.com

مستحق بن جاؤ۔ اگر تمہیں سود کھانے سے روکا گیا ہے تو سود کھانے سے رک جاؤ۔ اگر صدقہ، زکوٰۃ اور جہاد کا حکم دیا گیا ہے تو اس پر عمل کرو۔ شریعت کے ہر حکم کی پابندی کرو۔ پھر اللہ سبحانہٗ بھی تم پر رحم فرمائے گا۔ وہ تمہیں دنیا میں ایک پُر امن فلاحی معاشرہ عطا کرے گا اور آخرت میں دوزخ سے نجات دے کر اپنی ہمیشہ کی جنت میں داخل کرے گا۔

اس آیت کے مضمون سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے اگر لوگ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کریں گے اور نافرمانی کریں گے تو وہ اللہ سبحانہٗ کی رحمت کی بجائے اُس کے قہر وغضب کے مستحق ہوں گے۔

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

(آل عمران : 133)

یہ مسلمانوں سے فرمایا کہ تم ایسے نیک اعمال کرنے میں جلدی کرو جس کے نتیجے میں تمہارے گناہ معاف ہو جائیں اور تم اُس جنت میں جانے کے مستحق ٹھہرو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور اُس کی لمبائی اس سے بھی زیادہ بڑی ہے۔ جو تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے جن کے اوصاف آگے بیان ہو رہے ہیں۔

بالکل یہی مضمون سورۃ الحدید میں بھی آیا ہے۔

﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ (الحدید 57: 21)

”دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کے برابر ہے۔ وہ اُن لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائیں۔“

پہلے آیت میں سَابِقُوْا (تم آگے بڑھو) اور دوسری میں سَارِعُوْا (تم جلدی کرو) کے الفاظ قرآن مجید میں تنوع کے اسلوب اور تصریف آیات کی مثال ہیں۔ اس کے علاوہ سورۃ الحدید کی آیت کے لفظ اَلسَّمَآءِ کی وضاحت آلِ عمران کی زیر بحث آیت میں السَّمٰوٰت سے کر دی گئی کہ واحد سے جمع مراد ہے اور اَلسَّماءَ کا اَلْ جنس کا ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ (آل عمران : 134)

یہ متقین یعنی تقویٰ اختیار کرنے والوں کے اوصاف ہیں کہ وہ خوش حالی اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں اپنی حیثیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں...... یہ انفاق فی سبیل اللہ دراصل تقوے کی علامت اور نشانی ہے کیونکہ تقویٰ کے وصف کے بغیر انفاق کرنا بہت مشکل ہے۔

اس مقام پر انفاق کا مضمون سود کے مقابلے میں آیا ہے۔ اسلام سود کی مذمت اور ممانعت کرتا اور انفاق کی تحسین و تاکید کرتا ہے۔

تقویٰ اختیار کرنے والوں کا دوسرا وصف یہ بیان ہوا ہے کہ وہ غصے پر قابو پانے والے ہوتے ہیں۔

Marfat.com

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ﴾ (الشوریٰ 42: 37)

''اور جب اُن کو غصہ آتا ہے تو وہ معاف کردیتے ہیں۔''

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ.))

(صحیح بخاری: 6114، صحیح مسلم: 6643)

''وہ شخص طاقت والا نہیں جو دوسرے کو کشتی میں پچھاڑ دے۔ اصل طاقت ور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔''

تقویٰ اختیار کرنے والوں کی تیسری صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی غلطیاں اور خطائیں معاف کر دیتے ہیں۔

متقین کی چوتھی صفت یہ بتائی گئی کہ وہ دوسروں سے اچھا سلوک کرنے والے اور نیکی کو خوبی کے ساتھ کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔

سنن بیہقی میں ہے کہ علی بن حسین (امام زین العابدین) کی ایک لونڈی اُن کو وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا اس کے ہاتھ سے گر پڑا جس سے اُن کا ہاتھ زخمی ہوگیا۔ انہوں نے اپنا سر اٹھا کر اُس کی طرف دیکھا تو وہ بولی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ ''غصے کو پی جانے والے۔'' یہ سن کر انہوں نے فرمایا: میں نے اپنا غصہ پی لیا۔ وہ لونڈی پھر بولی: ﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ ''اور لوگوں کو معاف کرنے والے۔'' انہوں نے جواب میں فرمایا: میں نے تجھے معاف کر دیا۔ وہ پھر بولی: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''اور اللہ بھلائی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' اس پر انہوں نے اُس لونڈی سے فرمایا: جاؤ میں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی خاطر آزاد کر دیا۔

﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (آل عمران: 135)

یہ بھی انہی تقویٰ اختیار کرنے والوں کے بارے میں فرمایا جن کے چند اوصاف اوپر بیان ہوئے ہیں کہ ایسے لوگوں سے اگر کبھی بشری تقاضے کے تحت کوئی بڑا یا چھوٹا گناہ ہو جائے تو جلد ہی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگتے ہیں۔ پھر جملہ معترضہ کے طور پر فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون ہے جو بندوں کے گناہ معاف کر سکے...... اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے کبھی اپنے گناہ یا اپنی غلطی پر جان بوجھ کر اَڑتے نہیں ہیں بلکہ اپنے گناہوں اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لیتے ہیں۔

﴿أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

Marfat.com

﴿وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾﴾ (آل عمران : 136)

اوپر جن متقی لوگوں کے اوصاف بیان ہوئے تھے اب اُن کے لیے آخرت میں اجر و ثواب کا ذکر ہے کہ اُن کو اللہ تعالیٰ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے اور دنیا میں کیے ہوئے اپنے نیک اعمال کا عمدہ صلہ پائیں گے۔

اسی طرح کا مضمون درج ذیل آیات میں بھی آیا ہے:

(۱)..... ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝﴾ (العنکبوت 29: 58)

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم انہیں جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے۔ وہاں نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کتنا اچھا اجر ہے اللہ کے مزدوروں کا!''

(۲)..... ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ ۝﴾ (الزمر 39: 74)

''اور وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ ہمیں اس سرزمین کا وارث بنایا۔ ہم جنت میں جہاں چاہیں رہیں۔ کیسا اچھا انعام ہے نیک عمل کرنے والوں کے لیے!''

اسی طرح سورہ الکہف میں فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ وَ حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝﴾ (الکہف 18: 30-31)

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ایسے نیکوں کے اجر کو ہم ضائع نہیں کریں گے۔ ان کے لیے جنت کے دائمی باغ ہوں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ وہ باریک اور موٹے ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے اور تخت پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے۔ وہ کتنا اچھا صلہ اور کیسا عمدہ ٹھکانا ہوگا!''

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ

Marfat.com

وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ
الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ
مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ
النَّاسِ ۚ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ یَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ
وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ۙ وَ لِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَ یَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۱﴾

(آل عمران 3: 137تا 141)

"تم سے پہلے بہت سی قوموں کی مثالیں گزر چکی ہیں۔تم دنیا میں چل پھر کر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ یہ قرآن ایک بیان ہے لوگوں کو سمجھانے کے لیے اور یہ ہدایت اور نصیحت ہے اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے! تم ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو، بلکہ تمھی غالب رہو گے اگر تم سچے مومن بن جاؤ۔ اگر تم نے چوٹ کھائی ہے تو کیا ہوا، اس سے پہلے تمہارا دشمن بھی اسی طرح کی چوٹ کھا چکا ہے......ہم ایسے واقعات کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔ یہ واقعہ بھی اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی تا کہ سچے اور مخلص مسلمانوں کی سب کو پہچان کرا دی جائے، اور تم میں سے بعض شہید ہو جائیں، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور تا کہ ایمان والوں کو چھانٹ لے اور اُن کے ہاتھوں کافروں کا زور توڑ دے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

سُنَنٌ: ......اس کا واحد سُنَّۃٌ ہے جس کے معنی راستے اور طریقے کے ہیں۔لیکن اس مقام پر سُنَنٌ سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ ضابطے اور قوانین ہیں جن کے مطابق وہ لوگوں اور قوموں سے معاملہ کرتا ہے۔

لَا تَهِنُوْا:......(و ہ ن) تم کمزور، سست نہ بنو۔ کمزوری نہ دکھاؤ۔

اَلْاَعْلَوْنَ: ...... یہ جمع ہے اَعْلٰی کی جس کے معنی ہیں: سر بلند، بلند مرتبہ، غالب۔

اَلْقَوْمَ:......اس موقع پر قوم کا لفظ دشمن قوم یعنی قریش کے مشرکین کے لیے آیا ہے۔

قَرْحٌ:......(یا قُرْحٌ) اس کے معنی ہیں: زخم، چوٹ کے لیے آیا ہے۔

Marfat.com

اَلْاَیَّامُ:...... یہ یوم (دن) کی جمع ایام ہے۔ مگر اس سے مراد تاریخی واقعات اور حوادث ہیں۔

نُدَاوِلُهَا:...... (دول) ہم اسے باری باری پھیرتے بدلتے رہتے ہیں۔ اس کا مصدر مُدَاوَلَةٌ ہے۔

لِیُمَحِّصَ:...... (م ح ص) تاکہ وہ صاف اور خالص کر دے، چھانٹ لے۔

یَمْحَقُ:...... (م ح ق) وہ گھٹاتا ہے، مٹاتا ہے۔

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

(آل عمران: 137-138)

یہ اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ غزوۂ اُحد میں تمہیں جو نقصان پہنچا وہ تمہاری اپنی کوتاہی کا نتیجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل حق کی فتح و کامیابی کے لیے ایک معیار اور ضابطہ مقرر کر رکھا ہے جو جماعت اس پر پوری نہیں اترے گی، اسے کامیابی و کامرانی حاصل نہیں ہوگی۔ اس سے پہلے بھی تاریخی واقعات گزر چکے ہیں جن میں حق و باطل کے معرکوں میں ہمیشہ اہل حق غالب آئے اور اہل باطل مغلوب ہوئے۔ تم لوگ زمین میں چل پھر کر تاریخی آثار دیکھ سکتے ہو کہ اہل حق جب بھی صبر اور تقوے کا دامن تھام کر میدان میں اُترے تو ان کو جھٹلانے والوں کے مقابلے میں فتح و کامرانی حاصل ہوئی۔ لیکن اگر انہوں نے میدان میں کسی طرح کی کمزوری دکھائی یا صبر اور تقوے کو چھوڑا تو جیتی ہوئی جنگ بھی ہار دی۔ البتہ یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ حق و باطل کے ہر معرکے میں فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے اور باطل کو شکست ہوتی ہے۔ قرآن کا یہ بیان تمام انسانوں کے لیے کافی ہے کہ وہ اس حقیقت کو سمجھ لیں کہ حق و باطل کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کا کیا قانون اور ضابطہ ہے۔ لیکن متقین اور نیک لوگوں کے لیے تو اس میں بڑی ہدایت اور نصیحت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان ضابطوں اور قوانین سے اچھی طرح واقف ہو جائیں جن کے مطابق وہ انسانوں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (آل عمران: 139)

غزوۂ اُحد کے بعد مسلمانوں کی ہمت بندھانے اور اُن کا حوصلہ بلند کرنے کے لیے یہ فرمایا کہ آیندہ تمہیں دشمن کے مقابلے میں کبھی کمزوری نہیں دکھانی چاہیے۔ ہر قسم کی جنگی تیاری کر لینی چاہیے۔ گزشتہ حالات و واقعات کا غم نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ غم و پریشانی سے انسان کی ہمت پست ہو جاتی ہے اور وہ کم حوصلہ ہو جاتا ہے۔ تم راہِ حق کے سپاہی اور اللہ کی راہ کے مجاہد ہو، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرتے ہو اور جب تک تم سچے ایمان والے ہو، دنیا کی کوئی طاقت تمہیں زیر نہیں کر سکتی۔ تم ہر حال میں فتح مند اور سربلند رہو گے۔ اہلِ باطل گھٹیا مقصد کے لیے لڑتے ہیں اور تم اعلیٰ مقصد کی خاطر لڑتے ہو۔ اس لیے باطل کے مقابلے میں تم ہی فاتح اور غالب رہو گے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید تمہیں حاصل رہے گی۔

اس آیت میں اہل اسلام کے لیے خوش خبری ہے کہ جب وہ پختہ ایمان والے ہوں، صبر اور تقویٰ اختیار کریں، جہاد کی تیاری کرنے والے ہوں اور اپنے امیر کی سمع و طاعت اور فرماں برداری کرنے والے ہوں تو ہر معرکے میں باطل پر

Marfat.com

غالب آئیں گے اور دنیا و آخرت میں عزت اور سرخروئی حاصل کرلیں گے۔ آج اُمتِ مسلمہ کے لیے بھی یہ آیت امید کا پیغام ہے کہ وہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرسکتی ہے بشرطیکہ وہ سچے ایمان اور جہاد کی علم بردار ہو۔

﴿اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ﴾ (آل عمران : 140)

یہ مسلمانوں سے کہا گیا کہ تمہیں جہاد جاری رکھنا چاہیے۔ اگر آج تمہیں غزوہ اُحد میں جانی نقصان اٹھانا پڑا ہے تو تمہارے دشمن مشرکین بھی اس سے پہلے بدر کے میدان میں اتنا ہی جانی نقصان اٹھا چکے ہیں۔ مگر آخرت میں تمہیں اجر ملے گا اور اُن کو عذاب۔

جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا کہ: اب اگر جنگ اُحد میں تمہیں مصیبت اٹھانی پڑی ہے تو اس سے پہلے غزوہ بدر میں تم نے مشرکین کو دگنی مصیبت میں ڈالا تھا۔

﴿اَوَ لَمَّاۤ اَصَابَتۡکُمۡ مُّصِیۡبَةٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَیۡهَا ۙ قُلۡتُمۡ اَنّٰی هٰذَا ؕ قُلۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۝﴾ (آل عمران 3 : 165)

''(اے مسلمانو!) جب (اُحد کی لڑائی میں) تم پر مصیبت آئی تو تم نے کہا: ''یہ کہاں سے آ گئی؟'' حالانکہ اس سے پہلے (کی جنگِ بدر میں) اس سے دُگنی مصیبت تم اپنے دشمنوں پر ڈال چکے تھے۔''

یاد رہے کہ اُحد میں ستر (70) مسلمان شہید ہوئے جب کہ جنگ بدر میں مشرکین کے ستر (70) آدمی مارے گئے تھے اور اُن کے ستر (70) قیدی بنائے گئے تھے۔ اس طرح یہ گویا کفار و مشرکین پر دگنی مصیبت ڈالی گئی تھی۔

﴿وَ تِلۡکَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیۡنَ النَّاسِ ۚ﴾ (آل عمران : 140)

فرمایا، یہ فتح و شکست اور عروج و زوال کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنی مشیّت، اپنے قوانین اور ضابطوں کے مطابق جسے چاہتا ہے کامیابی سے ہم کنار کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے شکست و نامرادی سے دوچار کردیتا ہے۔

عربی زبان کا ایک محاورہ ہے کہ (اَلۡحَرۡبُ سَجَالٌ) ''لڑائی میں کبھی ہار کبھی جیت۔''

گویا کوئی لشکر آج جیتا ہے تو کل ہار سکتا ہے اور جو ہارا ہے وہ کل جیت سکتا ہے۔

یاد رہے کہ قرآن کے فقرے ﴿وَ تِلۡکَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیۡنَ النَّاسِ ۚ﴾ ''ہم ایسے واقعات کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔'' کے بعد لِیَتَّعِظُوۡا (تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں) کا فعل محذوف ہے تاکہ لوگ ان سے سبق حاصل کریں اور عبرت پکڑیں۔

﴿وَ لِیَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ یَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُهَدَآءَ ؕ﴾ (آل عمران : 140)

فرمایا، غزوہ اُحد کا جہاد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی صبر و ہمت کی، تاکہ سچے اور مخلص مسلمانوں کی پہچان کرا دی جائے اور تم میں سے کچھ ایسے لوگوں کو شہادت کے مرتبے پر فائز کیا جاسکے جو غزوہ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے اور شہادت کی آرزو رکھتے تھے۔

Marfat.com

یہی مضمون آگے چل کر اس طرح بھی بیان ہوا ہے:

﴿حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ (آل عمران: 179)

"تاکہ وہ ناپاک اور پاک کو الگ الگ کر دے۔"

﴿وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٤٠﴾ (آل عمران: 140)

یہ جملہ معترضہ ہے کہ: اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صرف اُن لوگوں کو شہادت کا مرتبہ دیتا ہے جو مخلص ایمان والے ہوں، جو دین کے احکام پر چلتے ہوں، حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھتے ہوں۔ ظالموں کو کبھی شہادت کا رتبہ نہیں دیا جاتا ہے اور نہ وہ شہید کہلاتے ہیں۔ ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

﴿وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝١٤١﴾ (آل عمران: 141)

فرمایا فتح وشکست کا معاملہ اس لیے بھی ہوتا ہے تاکہ سچے مسلمانوں کی پہچان ہو، کمزور ایمان والوں کے دلوں کی کدورت صاف ہو۔ اُن کو آزمائش کی بھٹی سے گزارا جائے تاکہ وہ کھرا سونا اور کندن بن کر نکلیں۔ جہاد کے تجربے اور مشاہدے کے بعد اُن کا ایمان پختہ ہو جائے۔ اور وہ دنیا پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کر لیں۔

دوسری طرف جہاد کے نتیجے میں کافروں کا زور ٹوٹ جائے۔ وہ ہمت ہار بیٹھیں، اُن کا اقتدار ختم ہو جائے اور ان کا وجود، عدم وجود، برابر ہو جائے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا
مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝١٤٢ وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ
ع ١٤ ١٤ ٥ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝١٤٣ ع وَمَا
مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ
مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى
عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝١٤٤
وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ

Marfat.com

وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ
الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَ سَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَ كَاَيِّنْ
مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا
لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا ؕ
وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ
اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْۤ اَمْرِنَا
وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾
فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ
وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع ۱۵ ع ۵ ۶

(آل عمران 3: 142 تا 148)

"(مسلمانو!) تمہارا کیا خیال ہے کہ بس یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے نہ جہاد کرنے والوں کو آزما کر دوسروں سے ممتاز کیا اور نہ صبر کرنے والوں کو۔ تم موت کے آنے سے پہلے اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی تمنا کرتے تھے۔ اب جب کہ تمہیں موت کے اسباب نظر آئے تو کیوں نہیں لڑتے؟

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہی تو ہیں۔ اُن سے پہلے بہت سے رسول ہو گزرے۔ اب اگر یہ وفات پا جائیں، یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے؟ جو کفر کی طرف جائے گا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ اور شکر گزاروں کو اللہ اجر دے گا۔

اور یاد رکھو، اللہ کے حکم کے بغیر کوئی شخص مر نہیں سکتا۔ موت کا وقت مقرر ہے۔ جو صرف دنیا کا فائدہ چاہتا ہے اُسے ہم دنیا میں سے دیتے ہیں اور جو آخرت کا اجر چاہتا ہے اُسے وہاں دیں گے۔ ہم شکر کرنے والوں کو اُن کا صلہ ضرور دیں گے۔

کتنے ہی نبی ہو گزرے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی۔ پھر جو مصیبت اُن

Marfat.com

لوگوں کو اللہ کی راہ میں پیش آئی، اُس کی وجہ سے نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ کمزوری دکھائی اور نہ دشمنوں کے آگے دبے......اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اور اُن کی زبان سے اِس کے سوا کچھ نہ نکلا کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے، ہمارے کام میں ہم سے جو زیادتی ہوئی اسے معاف فرما، ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما!......اس پر اللہ نے اُن کو دنیا میں بھی اچھا بدلہ دیا اور آخرت کے عمدہ اجر سے بھی نوازا۔ اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اِنْقَلَبْتُم:......(ق ل ب) تم پھر گئے، لوٹ گئے۔

اَعْقَابِكُمْ:......(تمہاری ایڑیاں) اس کا واحد عَقِبٌ (ایڑی) ہے۔

كَاَيِّنْ:......(کتنے ہی، بہتیرے، کتنے) یہ لفظ اصل میں كَاَيٍّ ہے مگر قرآن میں اسی طرح لکھا گیا ہے۔

رِبِّيُّوْنَ:......(اللہ والے) اس کا واحد ہے رِبِّیٌّ جس کے معنی ہیں اللہ والا۔ گویا یہ رَبَّانِیٌّ کا ہم معنی لفظ ہے۔ لیکن بعض اہل علم جن میں ابن قتیبہ، صاحبِ لسانُ العرب اور العکبری ''صاحب املاء مامن بہ الرحمٰن'' شامل ہیں، اس سے مراد لشکر، جماعت یا فوج لیتے ہیں۔

اِسْتَكَانُوْا:......(ک ی ن) وہ دب گئے، وہ کمزور پڑ گئے، وہ گڑگڑائے۔ اس مقام پر وَهَنُوْا، ضَعُفُوْا اور اِسْتَكَانُوْا مترادف کے طور پر آئے ہیں۔

اِسْرَافَنَا:......ہماری زیادتی، ہماری افراط وتفریط۔

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾﴾ (آل عمران : 142)

فرمایا، جنت کی منزل کا حصول آسان نہ سمجھو۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے جہاد اور صبر کے راستوں سے گزرنا پڑے گا۔ جہاد یہ کہ دینِ اسلام کے فروغ اور اِعلائے کلمۃُ اللہ کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے اور اس راہ میں جان بھی قربان کرنی پڑے تو اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ صبر یہ کہ دین کے راستے پر چلتے ہوئے جو تکلیفیں اور مصیبتیں پیش آئیں اُن کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا جائے۔ دین کے معاملے میں کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔ مشکلات میں گھبرانے کی بجائے ایمانی جذبے اور توکل علی اللہ کے سہارے راہِ حق پر ثابت قدم رہا جائے۔ ؏

یہ سوادِ کوئے جاناں، یہ قدم قدم بلائیں
جنہیں زندگی ہو پیاری، وہ یہیں سے لوٹ جائیں

تصور کیجئے۔ یہ صحابہ کرام کی پاکیزہ جماعت کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اُن کے لیے بھی جنت پانا آسان نہیں

Marfat.com

ہے۔ حالانکہ وہ لوگ دن رات دین کے لیے جان و مال کی قربانیاں دے رہے تھے۔ اِس سے اندازہ کیجیے کہ آج ہم کس بل بوتے پر جنت کے خواہش مند ہیں۔ ہم نے اس منزل کے لیے جہاد اور صبر کا زادِ راہ کب ساتھ لیا ہے ہم راہِ حق کی آزمائشوں سے کب سُرخرو ہوئے ہیں۔

یہی مضمون قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی موجود ہے۔

سورۃ البقرہ میں ہے:

﴿اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ‌ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ‌ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ‏﴾ (البقرۃ 2: 214)

"(اے مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ (آرام اور مزے سے) جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تم پر وہ حالات نہیں گزرے جو پہلے لوگوں کو پیش آئے۔ وہ مالی پریشانیوں میں مبتلا ہوئے، انہیں جسمانی اذیتیں دی گئیں اور خوف و ہراس نے اُن کو جھنجوڑ کر رکھ دیا، یہاں تک کہ وقت کا رسول اور اُس کے ایمان والے ساتھی پکار اٹھے، اللہ کی مدد کب آئے گی، جان لو اللہ کی مدد قریب ہے۔"

دوسری جگہ سورۃ التوبہ میں ارشاد ہوا:

﴿اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَلَمۡ يَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوۡلِهٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلِيۡجَةً‌ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ﴾ (التوبۃ 9: 16)

"(اے مسلمانو!) تمہارا کیا خیال ہے تم یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے اُن لوگوں کو چھانٹ کر الگ نہیں کیا جو جہاد کرتے ہوں، اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے سوا کسی اور کو اپنا دوست نہ بناتے ہوں اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے جانتا ہے۔"

یہی مضمون سورۃ العنکبوت میں اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ‏ ۝ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ فَلَيَـعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡـكٰذِبِيۡنَ‏﴾ (العنکبوت 29: 2-3)

"کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کو صرف اتنا کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟ ہم نے اُن کو بھی آزمایا جو اِن سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اِس طرح اللہ اُن لوگوں کو ظاہر کر دے گا جو سچے ایمان والے ہیں اور اُن کو بھی جو جھوٹے ہیں۔"

﴿وَلَقَدۡ كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡهُ فَقَدۡ رَاَيۡتُمُوۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ۝١٤٣﴾

(آل عمران: 143)

Marfat.com

یہ غزوہ اُحد میں شریک ہونے والوں سے خطاب ہے جو اس سے پہلے کسی سبب سے غزوہ بدر میں شامل نہ ہو سکے تھے لیکن کہتے تھے کہ ہمیں بھی اللہ کی راہ میں شہادت پانے کا شوق ہے اور وہ اسی جذبے کے تحت غزوہ اُحد میں شریک ہوئے تھے۔ مگر جب لڑائی کا پانسہ پلٹا تو بدحواس ہو کر میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

یہ لوگ تعداد میں تیس (30) تھے۔

اِس آیت میں اصل میں انہی لوگوں کو تنبیہ اور سرزنش کی گئی ہے لیکن انداز بیان خطابِ عام کا اختیار کیا گیا ہے جو کہ قرآن کا خاص اسلوبِ دعوت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو چاہیے کہ وہ کسی امتحان اور آزمائش میں پڑنے سے پہلے اپنی ثابت قدمی کا دعویٰ نہ کرے۔ ہوسکتا ہے کہ آغاز ہی میں اس کے قدم لڑکھڑا جائیں اور اسے پشیمان ہونا پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اگر اللہ سبحانہٗ کی تائید ونصرت حاصل نہ ہو تو وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ اُسے اپنے آپ پر اعتماد کرنے کی بجائے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسا کرنا چاہیے کیونکہ صرف اسی صورت میں حقیقی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ﴾ (آل عمران : 144)

غزوہ اُحد کے دوسرے راؤنڈ اور مرحلے میں جب یہ افواہ پھیل گئی کہ نبی ﷺ شہید ہو گئے ہیں تو اس پر بعض صحابہ کرام نے حوصلہ ہار دیا اور کہنے لگے جب حضور ﷺ دنیا میں نہیں رہے تو اب ہم کیوں لڑیں اور کس لیے جئیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ محمد ﷺ بھی اللہ کے ایک رسول ہیں اور اس سے پہلے بہت سے رسول دنیا میں آنے کے بعد یہاں سے رخصت ہو گئے۔ رسول بھی انسان ہوتے ہیں اور وہ بھی طبعی وفات پاتے ہیں یا شہید ہو جاتے ہیں۔ لیکن اُن کے ساتھیوں اور اُمتیوں کو بہرحال اپنے دینی فرائض سرانجام دینے ہوتے ہیں اور اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی ہوتی ہیں۔ کسی رسول کے دنیا سے رخصت ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُس کی امت مایوس ہو کر بیٹھ جائے اور اپنے ہاتھ پاؤں توڑ لے۔

کچھ ایسی ہی صورتِ حال سے بعض صحابہ اُس وقت بھی دوچار ہوئے جب حضرت محمد ﷺ کی طبعی وفات ہوگئی۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ اُس موقع پر شدتِ غم سے اُن کی حالت عجیب ہوگئی اور وہ ہوش وحواس کھو بیٹھے وہ جوش اور غصے میں تھے۔ اُن کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ نبی ﷺ وفات پا گئے ہیں۔

لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے انتقال کے چند گھنٹے بعد مسجد نبوی کے منبر پر بیٹھ کر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

((مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ ، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾۔ اِلٰى قَوْلِهٖ۔ الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران : 144) .))

Marfat.com

(صحیح بخاری، رقم: 4454)

"تم میں سے جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو محمد ﷺ فوت ہو گئے ہیں اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ بے شک زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا...... پھر انہوں نے سورہ آلِ عمران کی یہی آیت (144) پوری تلاوت فرمائی۔"

قرآن کی مذکورہ آیت اور یہ حدیث ایک طرف ان لوگوں کے نظریے کی تردید کرتی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی وفات نہیں ہوئی تھی۔ اور آپ ﷺ پر موت واقع نہیں ہوئی تھی صرف وصال ہوا تھا۔ وہ زندہ حالت میں دفن کر دیے گئے اور قبر میں بھی اُسی طرح زندہ ہیں جیسے دنیا میں زندہ تھے۔ دوسری طرف قرآن کی یہ آیت ان لوگوں کے تصور کو بھی غلط قرار دیتی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ کا کوئی نبی تو قتل ہو سکتا ہے مگر کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہو سکتا اور نہ قتل ہوا ہے۔

قرآن نے کئی مقامات پر صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نبی اور رسول دونوں ہی وفات بھی پا سکتے ہیں اور مقتول ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر درج ذیل مقامات دیکھ لیجیے:

اسی سورہ آل عمران میں آگے چل کر یہ آیت موجود ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ط قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝﴾ (آل عمران 3: 183)

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے آگ کھا جائے۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس کئی رسول آئے، نشانیاں لے کر اور اُس چیز کے ساتھ جسے تم کہہ رہے ہو۔ پھر تم نے ان کو قتل کیوں کیا اگر تم سچے ہو؟"

مذکورہ آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے ہاتھوں کئی رسول قتل ہوئے۔

پھر سورہ المائدہ میں فرمایا گیا ہے:

﴿لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ط كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ م بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ لا فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ۝﴾ (المائدہ 5: 70)

"بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور اُن کے پاس کئی رسول بھیجے۔ جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ چیز لایا جو ان کو پسند نہ آئی تو بعض کو وہ جھٹلاتے تھے اور بعض کو قتل کر ڈالتے تھے۔"

اس آیت سے بھی صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے کئی رسولوں اور پیغمبروں کو قتل کیا تھا۔

Marfat.com

اصل بات یہ ہے کہ کوئی نبی یا رسول میدان جنگ میں جہاد کے دوران مقتول نہیں ہوتا مگر اس کے سوا عام حالت میں شہید ہوسکتا ہے۔جیسا کہ حسن بصری رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے اقوال تفاسیر کی کتب میں موجود ہیں۔

﴿وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۴﴾ (آل عمران : 144)

فرمایا جو مسلمان بھی نبی ﷺ کی وفات کے بعد جہاد سے منہ موڑے گا یا دینِ اسلام کو چھوڑ دے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔خود اپنی دنیا اور آخرت برباد کرے گا۔لیکن جو شخص اللہ سبحانہٗ کی طرف سے ایمان و ہدایت کی توفیق اور نعمت ملنے پر اُس کا شکر ادا کرے گا تو اُسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے آخرت میں ضرور صلہ ملے گا۔

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ﴾ (آل عمران : 145)

فرمایا، موت کا ایک وقت اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے، جس سے پہلے یا بعد کوئی نہیں مر سکتا۔اس لیے موت کا ڈر جہاد سے جی چرانے کا بہانہ نہیں ہونا چاہیے۔ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص میدانِ جنگ میں رہے اور وہاں اُسے موت نہ آئے، اور جو گھر میں رہے وہ کسی بیماری یا حادثے کا شکار ہو کر اپنے گھر کے اندر مر جائے۔

تاریخ اسلام میں اس کی ایک مثال خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ہے جنہوں نے درجنوں معرکوں میں حصہ لیا مگر شہید نہیں ہوئے۔آخر بسترِ مرگ پر اُن کی وفات طبعی موت سے ہوئی اور وہ دل میں شہادت کی تمنا لیے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

﴿وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَ سَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۵﴾ (آل عمران : 145)

اس آیت میں اُن صحابہ پر تعریض ہے جنہوں نے غزوہ اُحد کے موقع پر مال غنیمت کے لیے درے کی جنگی پوزیشن چھوڑ دی تھی، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں ان سب کو معاف کر دیا تھا۔

اللہ نے فرمایا جو کوئی دنیا کے مال و مفاد کا طلب گار ہے اسے وہ اُس میں سے دے گا مگر جو آخرت کا ثواب یعنی جنت چاہے گا اور اس کے حصول کے لیے نیک اعمال بھی کرے گا تو اللہ سبحانہٗ اُسے وہاں جنت عطا کرے گا۔

یہی مضمون تصریف کے اسلوب میں اور جگہ بھی بیان ہوا ہے:

﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝﴾ (البقرة 2: 200 تا 202)

''پھر بعض لوگ یہ دعا مانگتے ہیں کہ: ''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں سب کچھ دے دے۔ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔اور بعض یہ دعا کرتے ہیں: ''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے، آخرت میں بھی بھلائی دے اور دوزخ کی آگ کے عذاب سے بچا۔'' ایسے لوگوں

Marfat.com

کو اُن کی نیکیوں کا صلہ ملے گا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔"

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ﴾ (الشوریٰ 42: 20)

"جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اس کی کھیتی میں برکت دیں گے۔ جو شخص صرف دنیا کی کھیتی چاہتا ہے، ہم اُسے اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں مگر آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہیں۔"

اِس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنی چاہیے اور اس کے لیے ایسے اعمال کرنے چاہئیں جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعمال کی بنیاد نیت پر ہے۔ جیسا کہ ایک متفق علیہ حدیث میں ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَ اِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰى......))

(صحیح بخاری، رقم: 54، صحیح مسلم، رقم: 4927)

"بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اُس کی نیت کے مطابق جزا و سزا ہوگی......"

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم اپنے اُن شکر گزار بندوں کو ضرور عمدہ صلہ دیں گے جنہوں نے ہماری نعمتوں کا شکر ادا کیا۔ اُن کا صحیح استعمال کیا۔ ہمارے احکام کے مطابق زندگی گزاری۔ ایسے لوگوں کو ہم دنیا اور آخرت میں اپنی مزید نعمتوں سے نواز دیں گے۔ پھر اُن کو آخرت کی زندگی میں جنت عطا کریں گے۔

﴿وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَ هَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ (آل عمران: 146)

اس سے پہلے غزوہ اُحد میں میدان چھوڑنے والوں کو جتلایا گیا کہ تم شہادت کے آرزومند تھے مگر جب اس کا موقع آیا تو تم بھاگ کھڑے ہوئے۔ تمہیں دوسرے صحابہ کرام کی طرح نبی ﷺ کے ساتھ رہتے ہوئے جہاد جاری رکھنا چاہیے تھا۔ اب اُن کو دوسرے مجاہدین کی مثال دے کر سمجھایا گیا کہ اس سے پہلے بھی گزشتہ نبیوں کے ساتھ مل کر اُن کے اپنے صحابہ اور ساتھیوں نے کفار کے خلاف جہاد کیا تھا۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں پیش آنے والی ہر مشکل گھڑی میں کبھی کمزوری نہ دکھائی، نہ ہمت ہاری اور نہ وہ دشمن کے آگے دبے اور نہ جھکے۔ مشکل حالات کا انہوں نے صبر، استقامت اور پامردی سے مقابلہ کیا اور ثابت قدمی دکھائی۔ اب تم لوگ جو کہ بہترین امت ہو۔ تمہیں میدانِ جنگ سے بھاگنا زیب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو ہر کڑے وقت میں حوصلہ نہیں ہارتے بلکہ ثابت قدم رہتے ہیں۔

یاد رہے کہ آیت میں وَهَنُوْا، ضَعُفُوْا اور اِسْتَكَانُوْا...... تینوں افعال سب تاکید کے لیے مترادفات کے طور پر آئے ہیں۔

﴿وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ

Marfat.com

﴿اَقۡدَامَنَا وَ انۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝﴾ (آل عمران : 147)

اس آیت میں بھی انہی اللہ والے مجاہدین کا ذکر ہے جو پہلے انبیائے کرام کے ساتھ مل کر کافروں کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ جو میدانِ جنگ میں جہاد کے دوران میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کرتے رہے کہ:

﴿رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ اِسۡرَافَنَا فِىۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَ انۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝﴾ (آل عمران : 147)

”اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے۔ ہمارے کام میں ہم سے جو زیادتی ہوئی اسے معاف فرما۔ ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔“

یہ انبیائے کرام کے ساتھ مل کر کفار کے خلاف جہاد کرنے والے مسلمان مجاہدین کی دعا ہے۔ اس کی ترتیب یہ ہے:

1۔ اس میں پہلے اپنے گناہوں کی بخشش مانگی گئی ہے۔
2۔ پھر جہاد کے دوران میں جو کمی یا کوتاہی ہوئی اُس کی معافی مانگی ہے۔
3۔ پھر دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی کی دعا کی گئی ہے۔
4۔ آخر میں کافر دشمن پر غلبے اور فتح کے حصول کے لیے اللہ کی مدد مانگی گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مجاہد کی نظر مادی اسباب و وسائل سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی مدد پر ہوتی ہے۔ وہ اپنی بہادری سے زیادہ اللہ سبحانہٗ کی نصرت و تائید پر بھروسا کرتا ہے، جس کے نتیجے میں فتح و کامرانی اُس کے قدم چومتی ہے۔

اِس دعا میں جہاد کی ترغیب و تشویق بھی پائی جاتی ہے۔ اِسی دعا سے ملتی جلتی دعا سورہ البقرہ (2:250) میں بھی گزر چکی ہے۔

﴿فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا وَ حُسۡنَ ثَوَابِ الۡاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝﴾ (آل عمران : 148)

یہ بھی انہی مجاہدین کے بارے میں فرمایا جن کا ذکر اُوپر سے چلا آ رہا ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولے۔ وہاں بھی وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے فتح و نصرت کی دعا کرتے رہے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے رہے۔ ایسے نیک اللہ والوں کے بارے میں فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو جہاد کرنے اور دعائیں مانگنے کے صلے میں دنیا میں بھی کامیابی دی اور آخرت میں بھی اُن کو جنت کا اجر عطا فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال کرنے والوں کو بہت پسند کرتا ہے اور اُن سے راضی ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَرُدُّوۡكُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِيۡنَ ۝ بَلِ اللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ ۚ وَ هُوَ

Marfat.com

خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ
بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ
النَّارُ ؕ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

(آل عمران : 149 تا 151)

''اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں اُلٹا کفر کی طرف پھیر دیں گے۔ پھر تم گھاٹے میں رہو گے۔ بلکہ تم اللہ کی اطاعت کرو، وہی تمہارا کارساز اور بہترین مددگار ہے۔ گھبراؤ نہیں، ہم کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیں گے کیونکہ انہوں نے ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک بنایا، جن کے حق میں اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ ظالموں کا برا ٹھکانا ہے۔''

آیات کی تفسیر:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾
بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ هُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾﴾ (آل عمران : 149-150)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے یہ حکم دیا ہے کہ تم کافروں کا کہا نہ ماننا ورنہ کفار تمہیں بھی کافر اور نامراد بنا کر چھوڑیں گے۔

ان آیات کا پس منظر (Back Ground) یہ ہے کہ:

جنگ اُحد میں شکست کے بعد مسلمانوں میں منافقوں اور یہودیوں نے یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ نعوذ باللہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں اور اُن کو اللہ سبحانہٗ کی تائید وحمایت یا فرشتوں کی مدد حاصل نہیں ہے ورنہ مسلمانوں کو اُحد کی جنگ میں شکست کیوں ہوتی۔ اِس پروپیگنڈا کا اثر بعض کمزور ایمان والوں پر ہونے لگا تو اس کے علاج اور توڑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما دیں۔

سب سے پہلے مسلمانوں سے یہ فرمایا گیا کہ اگر تم کفار کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں بھی کفر کی حالت میں لوٹا دیں گے اور پھر تم گھاٹے میں پڑو گے۔ پھر اہل ایمان سے مزید فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کارساز ہے اور وہی تمہارا بہترین مددگار ہے۔ لہٰذا تم صرف اُسی پر بھروسا رکھو، اسی کی طرف رجوع کرو اور اسی سے مدد مانگا کرو۔

﴿سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ
وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾﴾ (آل عمران : 151)

Marfat.com

یہ اُس موقع کا ذکر ہے جب جنگِ اُحد سے فارغ ہو کر قریش کا لشکر واپس مکہ جا رہا تھا تو راستے میں حمراءُ الاسد (مدینے سے 13 کلومیٹر) کے مقام پر ابوسفیان کو خیال آیا کہ مسلمانوں کی جماعت ابھی زخم خوردہ اور غمگین ہے، اس لیے اُس کی طاقت کو پوری طرح کچلنے کے لیے اُن پر دوبارہ حملہ کیا جائے۔ مگر جب ایک شخص معبد کے ذریعے اسے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ ایک لشکر سمیت اُس کے تعاقب میں آ رہے ہیں تو ابوسفیان کے دل میں مسلمانوں کا رعب اور اُن کی دہشت طاری ہوگئی۔ اس لیے اُس نے دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور واپس مکہ چلا گیا۔

آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کفارِ قریش کے مرعوب اور خوف زدہ ہونے کا سبب اُن کا شرک ہے اور ظاہر ہے کہ شرک کی کوئی عقلی بنیاد یا دینی دلیل نہیں ہے۔ مشرک کا سہارا کمزور مخلوق پر اور مادی وسائل پر ہوتا ہے اس لیے وہ اندر سے کمزور اور بزدل ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں مومن اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے والا دلیر اور بہادر ہوتا ہے۔ ع

اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسا

ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اہلِ باطل پر اہلِ حق کا رعب ڈال دیا جاتا ہے۔

اُمتِ مسلمہ جب تک اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کفار کے خلاف جہاد کرتی رہی، کفار پر ہمیشہ اس کا رعب طاری رہا۔ کیونکہ توحید کے عقیدے سے جو قوت اُبھرتی ہے وہ اتنی عظیم ہوتی ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر جب مسلمانوں نے توکل علی اللہ اور جہاد چھوڑ دیا اُس وقت سے وہ کفار سے مرعوب ہو گئے اور اُن کو زوال آ گیا۔

آخر میں فرمایا کہ کفار و مشرکین کا ٹھکانا دوزخ ہے جو ظالموں کے رہنے کے لیے بہت بری جگہ ہے۔

یاد رہے کہ شرک کے لیے ﴿مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ ''جس کے حق میں اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔'' کوئی شرط یا قید نہیں ہے بلکہ یہ اس کی صفتِ لازمہ ہے کیونکہ شرک ہر حال میں بے دلیل اور بے اصل ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا

فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ

اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ

يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا

عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ

Marfat.com

وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ
فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ
وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾
ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً
مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ
ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ
الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ
لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ
لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِيَبْتَلِيَ
اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ
اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ
ع ۱۶ ۷ ۷ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

(آل عمران : 152 تا 155)

"(اے مسلمانو!) اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم اُس کے حکم سے کافروں کا صفایا کر رہے تھے۔ پھر تم خود کمزور پڑ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے بارے میں جھگڑا اور نافرمانی کر بیٹھے۔ اور اس سے پہلے تمہیں وہ مالِ غنیمت بھی دکھایا گیا جسے تم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت چاہتے تھے۔ پھر اللہ نے تمہارا رُخ دشمنوں کی طرف سے پھیر دیا

Marfat.com

اور تم پر سخت آزمائش آن پڑی۔ پھر اللہ نے تمہیں معاف کر دیا اور ایمان والوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔
یاد کرو جب تم میدان سے بھاگ رہے تھے اور تمہیں کسی اور جانب مڑ کر دیکھنے کا ہوش نہ تھا۔ حالانکہ اللہ کا رسول ﷺ تمہیں پیچھے پکار رہا تھا۔ پھر اللہ نے تمہیں غم پر غم دیا تا کہ آیندہ کسی نقصان کی صورت میں، یا مصیبت کے وقت تم غمگین نہ ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے باخبر ہے۔
پھر اللہ نے تم میں سے مخلص گروہ پر نیند طاری کر دی، جس سے اُن کے اندر اطمینان پیدا ہوا، جب کہ دوسرے گروہ کو اُس وقت اپنی جانوں کی فکر تھی۔ وہ اللہ کے بارے میں دورِ جاہلیت کی نامناسب بدگمانیاں کر رہے تھے، کہتے تھے: ''کیا کریں، ہمارے پاس کیا اختیار ہے؟'' اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان سے کہیں ''سب کاموں کا اختیار اللہ کے پاس ہے۔'' اصل بات یہ ہے کہ وہ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، اسے آپ ﷺ پر ظاہر نہیں کرتے۔ دل ہی دل میں کہتے ہیں: ''اگر اس معاملے میں ہمارا بھی دخل ہوتا تو ہمارے لوگ یہاں نہ مارے جاتے۔'' اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان سے کہیں ''اگر تم اپنے گھروں کے اندر بھی ہوتے تو وہ لوگ جن کی قسمت میں قتل ہونا لکھا تھا، وہ ضرور اپنے قتل کی جگہ تک پہنچ کر رہتے۔ اور اس جنگ میں یہ حکمت بھی تھی کہ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے حال کو آزمائے، اور ان کو ہر طرح کی آلائش سے پاک کر دے۔ اور اللہ سینوں میں چھپی باتوں کو بھی جانتا ہے۔
تم میں سے جن لوگوں نے اُس دن لڑنے سے منہ موڑا جب دو لشکروں میں مقابلہ ہوا تھا تو شیطان نے ان لوگوں کی بعض غلطیوں کے سبب ان کے قدم ڈگمگا دیے۔ مگر اب اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ بے شک اللہ بخشنے والا، تحمل والا ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

تَحُسُّوْنَهُمْ:...... (ح س س) تم کاٹتے یا قتل کرتے تھے، اُن کو مار کر اُن کی حس یا احساس ختم کر دیتے تھے۔

فَشِلْتُمْ:...... (ف ش ل) تم پست ہمت ہو گئے۔ تم بزدلی کے ساتھ کمزور ہو گئے۔

تُصْعِدُوْنَ:...... (ص ع د) چڑھتے ہو۔

تَلْوٗنَ:...... (ل ی ی) تم مڑ کر دیکھتے ہو۔

اُخْرٰکُمْ:...... تمہارے پیچھے۔

اَثَابَکُمْ:...... (ث و ب) اُس نے تمہیں بدلہ دیا، بدلے میں دیا۔

فَاتَکُمْ:...... (ف و ت) جو تم سے فوت ہو جائے، ہاتھ سے نکل جائے۔

اَمَنَةً:...... (ء م ن) امن، چین، اطمینان۔

Marfat.com

نُعَاسًا:......(ن ع س) اُونگھ۔
یَغْشٰی:......(غ ش ی) وہ چھپایا ہوا تھا، وہ چھائی ہوئی تھی۔
اَهَمَّتْهُمْ:......(ہ م م) اُس نے اُن کو فکر میں ڈال دیا۔
مَضَاجِعِهِمْ: ......(ض ج ع) اُن کے قتل ہونے کی جگہیں۔ اس کا واحد مَضْجَعٌ ہے جس کے معنی قتل گاہ، مقتل یا بستر کے ہیں۔
اِسْتَزَلَ:......(ز ل ل) اُس نے بہکا دیا، پھسلا دیا، ڈگمگا دیا۔

﴿وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (آلِ عمران : 152)

یہ مسلمانوں سے فرمایا، غزوہ اُحد کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے تو اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا کہ اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرتے ہوئے جہاد کرو گے تو فتح تمہاری ہوگی۔ اسی وعدے کے مطابق جب تمہیں فتح حاصل ہونے لگی تھی اور تم نے کئی کافروں کو تلواروں کے ذریعے موت کے گھاٹ اُتارا۔ مگر جب تم نے اپنا وہ اخلاقی معیار برقرار نہ رکھا جو جنگ جیتنے کے لیے ضروری تھا تو کیوں کہہ رہے ہو کہ ہمارے لیے اللہ کی مدد اور نصرت کہاں گئی؟ غور کرو، درے پر مقرر تمہارے آدمیوں نے نبی ﷺ کے واضح حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی جنگی پوزیشن چھوڑ دی۔ انہوں نے مالِ غنیمت لینے کی خاطر باہم اختلاف کیا۔ پھر لڑائی کے معاملے میں کمزوری دکھائی۔ میدانِ جنگ سے پسپائی اختیار کر لی جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے آزمائش تھی۔ اہل درہ میں کچھ مخلص تھے جو دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے تھے مگر کچھ ایسے تھے جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والے تھے۔ اس لیے اُن کا ذکر پہلے کیا گیا۔ بہر حال اب اللہ تعالیٰ نے تم سب کا قصور معاف کر دیا ہے کیونکہ وہ اہل ایمان پر اپنا فضل کرتا ہے۔

اِسی آیت سے معلوم ہوا کہ کسی صحابی سے بھی غلطی اور گناہ ہو سکتا ہے اور اس سے اُس کے شرفِ صحابیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ صحابہ سمیت تمام غیر نبی انسان غیر معصوم ہیں اور معصومیت صرف انبیائے کرام کے لیے خاص ہے۔

﴿اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (آلِ عمران : 153)

فرمایا جب غزوہ اُحد کے دوسرے راؤنڈ اور مرحلے میں تم میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ تمہیں اللہ کے رسول ﷺ پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے کہ اللہ کے بندو واپس آؤ! مگر تم لوگوں نے خوف کے مارے بدحواسی میں

Marfat.com

پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں غم پر غم دیا۔ تمہیں اپنے جانی اور مالی نقصان کا غم ہوا۔ خود نبی ﷺ کو ذاتی طور پر غم پہنچا کہ اُن کے حکم کی نافرمانی کی گئی۔ اس کے علاوہ اس موقع پر حضور ﷺ شدید زخمی ہو گئے۔ اس طرح کے کئی غموں کے ذریعے تمہاری آزمائش کی گئی تا کہ تمہیں غموں کا بوجھ اٹھانے کا تجربہ ہو جائے۔ آئندہ کسی مصیبت اور محرومی پر تم غمگین اور دل گرفتہ نہ ہو۔

آخر میں فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے سارے کاموں اور حالات سے باخبر ہے۔ اس لیے تمہیں ہر حال میں اُس کے احکام کی اطاعت کرنی چاہیے اور اس کی نافرمانی سے بچنا چاہیے تا کہ تمہیں اجر و ثواب ملے اور دنیا و آخرت کی کامیابی نصیب ہو۔

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ﴾

(آل عمران : 154)

پھر جنگ کے اسی موقع پر غموں کے اس ہجوم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر نیند طاری کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ کی حالت میں نیند بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔ تھکا ماندہ اور غم سے نڈھال شخص دوبارہ تروتازہ اور ہشاش بشاش ہو جاتا ہے۔ غزوہ اُحد میں شریک ایک صحابی ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اُحد کی جنگ کے دوران میں مجھے اونگھ آ گئی، میری تلوار میرے ہاتھ سے گرا چاہتی تو میں اسے تھام لیتا۔ وہ پھر گرنے لگتی تو میں اُسے پھر پکڑ لیتا۔

(صحیح بخاری، رقم: 4562)

یہ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اُس نیند کی کیفیت کو بیان کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لشکر پر اُحد کی جنگ کے دوران میں طاری کر دی تھی۔ اسی نیند کی وجہ سے تمام مجاہدین پھر سے تازہ دم ہو گئے تھے۔

﴿وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِيَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ﴿۱۵۴﴾

(آل عمران : 154)

غزوہ اُحد کے موقع پر مشہور منافق سردار عبداللہ بن ابی اپنے تین سو (300) ساتھیوں سمیت جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا لیکن انصار کے کچھ منافق رشتہ دار اس جنگ میں شامل ہو گئے تھے۔ اسی گروہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ اُس وقت کچھ لوگوں کو صرف اپنی جانوں کی فکر تھی۔ اللہ کی راہ میں جہاد کا ارادہ نہ تھا۔ اُن کو جاہلیت جیسی کئی بدگمانیاں تھیں اور بہت سے اندیشے لاحق تھے۔ کبھی سوچتے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فتح و نصرت کے جو وعدے کیے تھے وہ سچے نہ تھے۔ کبھی خیال کرتے اگر محمد ﷺ واقعی نبی ہوتے تو جنگ میں اتنا نقصان کیوں ہوتا۔ کبھی وہ تصور کرتے کہ اگر ابوسفیان کا

Marfat.com

لشکر دوبارہ حملہ آور ہوگیا تو پھر ہمارا کیا بنے گا۔ کبھی کہتے جنگ کے معاملے میں ہمیں کوئی اختیار نہ تھا۔ ہم تو چاہتے تھے کہ مدینے میں رہ کر دفاعی جنگ لڑی جائے مگر ہماری بات نہیں مانی گئی، اِس لیے ہمیں جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ ہمارے بندے مارے گئے۔

فرمایا اُن سے کہیے ہر معاملے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ جو لوگ مر گئے ہیں وہ اگر اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو وہاں بھی اُن کو موت آ جاتی۔ مگر یہ ایک امتحان تھا جس سے سچے اور جھوٹے کی، کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو گئی اور ظاہر ہوگیا کون مخلص مومن ہے اور کون منافق۔ ویسے اللہ تو سب کے دلوں کا حال جانتا ہے۔

قرآن میں ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ''اور اللہ دلوں کا حال جانتا ہے۔'' کا مضمون تصریف کے اسلوب میں بارہ (12) سے زیادہ مقامات پر آیا ہے۔

آل عمران 3: 119، المائدہ 5: 7، الانفال 8: 43، ہود 11: 5، لقمان 31: 23، فاطر 35: 38، الزمر 39: 7، الشوریٰ 42: 24، الحدید 57: 6، التغابن 64: 4، الملک 67: 13۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٥٥﴾﴾ (آل عمران : 155)

فرمایا جو لوگ غزوہ اُحد کے دوسرے راؤنڈ میں میدان جنگ سے بھاگے تھے۔ خاص طور پر اُس وقت جب نبی ﷺ کے شہید ہونے کی افواہ پھیل گئی۔ اس بدحواسی میں بہت سے مخلصین مومنین بھی شامل تھے جن کو اس موقع پر شیطان نے ڈگمگا دیا تھا۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ہے کیونکہ وہی بندوں کے قصور معاف کرنے والا ہے۔ اس کے علاوہ وہ حلیم اور تحمل والا ہے کہ گناہوں پر جلد نہیں پکڑتا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ
اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا
وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ
يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا
يَجْمَعُوْنَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾

(آل عمران : 156 تا 158)

Marfat.com

''اے ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح نہ بنو جو کفر کی راہ اختیار کیے ہوئے ہیں اور منافق ہیں۔ جو اپنے بھائیوں کے بارے میں جو سفر یا جہاد میں جان دے دیتے ہیں، یہ کہتے پھرتے ہیں کہ: ''اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے۔'' لیکن اُن کا یہ خیال اُن کی اِس ندامت کا اظہار ہے جو اللہ نے اُن کے دلوں میں پیدا کر دی ہے۔ ویسے زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔

اگر تم اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤ یا وفات پا یاؤ، دونوں صورتوں میں تمہیں اللہ کی طرف سے جو بخشش اور رحمت نصیب ہوگی، وہ اُس مال و دولت سے بہتر ہے جسے لوگ دنیا میں جمع کرتے ہیں۔ یاد رکھو، اگر تم وفات پاؤ یا شہید ہو جاؤ، ہر حال میں اللہ کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

غُزًّی:...... (غ ز و) یہ جمع ہے غَازِیٌ کی جس کے معنی ہیں دشمن سے لڑنے والا، جہاد کرنے والا۔

حَسْرَۃً:...... پشیمانی، افسوس، پچھتاوا۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ﴾ (آل عمران : 156)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے یہ حکم دیا ہے کہ وہ کافروں اور منافقوں کے طور طریقے نہ اپنائیں اور ان سے مشابہت اختیار نہ کریں۔

سب سے پہلے مسلمانوں کو یہ نصیحت کی گئی کہ وہ کفار اور منافقین جیسے طریقے اختیار نہ کریں اور ان کی پیروی ہرگز نہ کریں۔ وہ بزدل ہیں تمہیں بہادر ہونا چاہیے۔ وہ موت سے ڈرتے ہیں تمہیں موت سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ وہ سمجھتے ہیں اپنی چالوں اور حیلوں سے موت کو ٹال سکتے ہیں حالانکہ موت کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی۔

یہی وجہ ہے کہ جب ان کے بھائی بندوں میں سے یعنی مسلمانوں میں سے کسی کو سفر میں یا جہاد میں موت آ جاتی ہے تو یہی کافر اور منافق لوگ بڑی حسرت سے ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر فلاں شخص ہمارے پاس رہتا، ہمارے مشورے پر عمل کرتا تو اسے یوں موت نہ آتی۔

چنانچہ غزوہ اُحد کے بعد مدینے میں منافقین اور کفار نے شہدائے اُحد کے بارے میں یہی کہا تھا کہ اگر ہماری تدبیر اور ہمارے مشورے پر عمل کیا جاتا تو جنگ میں لوگ یوں نہ مرتے۔ حالانکہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہیں۔ اس نے ہر شخص کی موت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جو بہرحال اسے اس کے مقررہ وقت پر آ کر رہے گی خواہ کوئی مضبو

Marfat.com

قلعوں میں بند کیوں نہ ہو۔ جو لوگ اپنی تدبیر سے موت کی تقدیر کو بدلنا چاہتے ہیں وہ ناکام ہوں گے اور یہ ناکامی اُن میں حسرت و پشیمانی اور بزدلی پیدا کرے گی۔

موت کا وقت مقرر ہے جو تقدیر میں لکھا ہوا ہے اور تقدیر کا انکار کفر ہے۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ سبحانہ تم سب کے اعمال دیکھ رہا ہے جن کا تم سے حساب لے گا۔ پھر وہ اچھے اعمال پر ثواب اور برے اعمال پر عذاب دے گا۔

منافقین کی اسی بات کو جو انہوں نے جنگ اُحد کے موقع پر کہی تھی آگے چل کر آیت 168 میں بھی یوں بیان کر دیا گیا ہے:۔

﴿اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝﴾ (آل عمران 3: 168)

"یہ لوگ خود بیٹھے رہے اور اپنے شہید بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں: "اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ ہوتے۔" اے نبی ﷺ! آپ ﷺ ان سے کہیں: اگر تم اس بات میں سچے ہو تو اپنی موت کو دُور ہٹا کر دیکھو۔"

﴿وَ لَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ۝۱۵۷﴾ (آل عمران: 157)

فرمایا تم اہل ایمان ہو اس لیے اگر تم جہاد میں یا جہاد کے سفر میں شہید ہو جاؤ یا کہیں بھی فوت ہو جاؤ، ان تمام صورتوں میں اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ تم اُس کی رحمت کے مستحق ہو کر آخرت میں جنت کی ابدی نعمتیں پاؤ گے۔ تمہارے مقابلے میں کفار جو آج دنیا کا ساز و سامان جمع کرتے ہیں، آخرت میں گھاٹے میں رہیں گے اور دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

یہی مضمون تصریف آیات کے اسلوب میں دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے:

(۱)..... ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ﴾ (التوبه 9: 111)

"بے شک اللہ نے اہل ایمان سے اُن کے جان و مال خرید لیے کہ وہ اُن کو اس کے بدلے میں جنت دے گا۔ وہ اللہ کی راہ میں دوسروں کو قتل کرتے ہیں اور کبھی شہید بھی ہوتے ہیں۔"

(۲)..... ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا ؕ وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ۝﴾

(الزخرف 43: 32)

Marfat.com

''ہم اس دنیا میں ان کی روزی تقسیم کرتے ہیں۔ ہم نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لیں۔ آپ ﷺ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو مال وہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔

(۳)..... ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْاؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۝﴾

(یونس 10 : 58)

''(اے نبی ﷺ) آپ ﷺ ان لوگوں سے کہہ دیجئے: ''یہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے جس پر لوگوں کو خوش ہونا چاہیے۔ یہ بہتر چیز ہے اُن تمام دنیاوی فائدوں سے جن کو جمع کرنے میں دوسرے لوگ لگے ہوئے ہیں۔''

﴿وَ لَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ۝۱۵۸﴾ (آل عمران : 158)

فرمایا تم میں سے ہر ایک کی موت کا کوئی بھی سبب ہو سکتا ہے۔

وَمَنْ لَمْ يَمُتْ بِالسَّيْفِ مَاتَ بِغَيْرِهٖ
تَعَدَّدَتِ الْاَسْبَابُ وَالْمَوْتُ وَاحِدٌ

''اور جو شخص تلوار سے نہیں مرا تو کسی اور شے سے مر جائے گا۔ موت اکیلی ہے مگر اُس کے اسباب بہت ہیں۔''

مگر تمام مرنے والوں کو ہر حال میں ایک دن حساب کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جمع ہونا پڑے گا۔ تمام اہل ایمان بھی وہاں جمع ہوں گے۔ اور سارے اہل کفر و نفاق بھی وہاں اکٹھے کیے جائیں گے۔ پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔ لہٰذا اچھے اعمال کرنے کی کوشش کرو اور برے اعمال سے بچو۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ
لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ
فِي الْاَمْرِۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُتَوَكِّلِيْنَ۝۱۵۹ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْۚ وَ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ
فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ۝۱۶۰

(آل عمران : 159-160)

Marfat.com

"(اے نبی ﷺ)! یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے لیے بہت نرم ہیں۔ اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس سے بھاگ جاتے۔ آپ ﷺ ان لوگوں کی غلطی معاف کر دیں، ان کے لیے بخشش مانگیں اور معاملات میں ان سے مشورہ لیا کریں۔ پھر جب کسی کام کا فیصلہ کرلیں تو اللہ کے بھروسے پر اُسے کر گزریں۔ بے شک اللہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اُس پر بھروسا کرتے ہیں۔ یاد رکھو، اگر اللہ تمہارا ساتھ دے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔ لیکن اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ اور ایمان والوں کو صرف اللہ پر توکل کرنا چاہیے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

لِنْتَ:......(ل ی ن) تو نرم ہوا۔ تو نے نرمی کی۔

فَظًّا:......سخت مزاج، بدزبان، بداخلاق۔

غَلِيْظَ الْقَلْبِ:......سخت دل۔

لَانْفَضُّوْا:......(ف ض ض) یہ اصل میں لَ + اِنْفَضُّوْا ہے جس کے معنی ہیں ضرور وہ دور ہو جاتے، وہ منتشر ہو جاتے۔

يَخْذُلْكُمْ:......(خ ذ ل) اس کا مصدر ہے خَذْلَانٌ جس کے معنی ہیں کسی کو بے سہارا چھوڑ دینا، کسی کی مدد نہ کرنا۔

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ (آل عمران: 159)

صاحب "الکشاف" نے لکھا ہے کہ ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ میں زبان کا وہی اسلوب ہے جو ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ﴾ (النساء 4: 155 یا المائدہ 5: 13) "پھر اُن کے عہد توڑنے کی وجہ سے۔" استعمال ہوا ہے۔ دونوں جگہوں پر حرف "مَا" تاکید کے لیے آیا ہے۔

غزوہ اُحد میں بعض صحابہ کرام کی غلطی سے مسلمانوں کی جماعت کو بہت جانی و مالی نقصان پہنچا اور خود نبی ﷺ بھی شدید زخمی ہو گئے۔ مگر اس کے باوجود اُن صحابہ کرام کی غلطی پر نبی ﷺ نے اُن پر نہ کوئی ملامت کی اور نہ سرزنش۔ بلکہ اُن سے درگزر فرمائی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کا ذکر فرمایا ہے کہ نبی ﷺ اپنے ساتھیوں کے لیے سراپا رحمت و شفقت ہیں۔ وہ اُن سے نرمی اور شفقت و احسان کا معاملہ کرتے ہیں اور اُن کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام بھی دل و جان سے نبی ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے دست و بازو بنے رہتے ہیں۔ اگر حضور ﷺ

Marfat.com

سخت مزاج اور سنگ دل قسم کے انسان ہوتے اور دوسروں سے سختی اور تحکم کے ساتھ پیش آتے تو لوگ آپ ﷺ کی قیادت قبول نہ کرتے، آپ ﷺ کا ساتھ نہ دیتے اور قریب آنے کی بجائے آپ ﷺ سے دور بھاگتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے اعلیٰ اخلاق و کردار کا ذکر کیا ہے۔ یہی مضمون قرآن میں دوسری جگہ بھی آیا ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (القلم 68: 4)

''اور بے شک آپ ﷺ کے اخلاق بہت بلند ہیں۔''

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التوبہ 9: 128)

''بے شک تمہارے پاس اللہ کا عظیم الشان رسول ﷺ آ گیا ہے جو تمہی میں سے ہے۔ تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کا خواہش مند اور ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔''

آپ ﷺ نے اپنی نسبت یہ فرمایا ہے کہ:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ.)) (صحیحہ: 45)

''مجھے اعلیٰ اخلاقی خوبیوں کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔''

پھر آیت میں نبی ﷺ سے یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ اُن صحابہ سے درگزر فرمائیں جن سے غزوہ اُحد میں غلطی سرزد ہوگئی تھی۔ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا بھی فرمائیں اور اجتماعی معاملات میں اُن سے مشورہ کیا کریں جن کے بارے میں کوئی وحی نہ آئی ہو۔

چنانچہ صحیح احادیث اور سیرت کی کتب میں بہت سے واقعات کی تفصیل موجود ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے مشورہ کر کے بہت سے فیصلے فرمائے تھے۔

آیت میں خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے مگر باہمی مشورے کا یہ حکم عام ہے اور مسلمانوں کے قائدین، امراء اور حکمرانوں کو تمام اجتماعی امور میں اپنے لوگوں سے مشورہ کرنے کی تاکید ہے اور وہ باہم مشاورت کے پابند ہیں۔

سورہ الشوریٰ میں اہل ایمان کی ایک صفت اور خصوصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ اُن کے اجتماعی معاملات اُن کے باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ 42: 38)

''اور وہ اپنے کام باہمی مشورے سے کرتے ہیں۔''

Marfat.com

اجتماعی امور میں مشاورت کے بارے میں تفصیلی گفتگو انشاء اللہ ہم سورۃ الشوریٰ میں کریں گے۔

﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾﴾ (آل عمران : 159)

یہ بھی نبی ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا مگر اس کا حکم بھی عام ہے کہ جب باہم مشورے کے بعد کسی معاملے میں فیصلے پر پہنچ جاؤ اور اسے کرنے کا عزم اور پختہ ارادہ کر لو تو پھر اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اسے کر گزرو۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اپنے اجتماعی امور سرانجام دیتے ہیں وہ کامیاب رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے ان بندوں کو پسند کرتا اور اُن سے محبت کرتا ہے جو اُس پر بھروسا کرتے ہیں۔

﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾﴾ (آل عمران : 160)

فرمایا اگر اللہ تعالیٰ تم سچے اور مخلص مسلمانوں کی مدد اور نصرت فرمائے گا تو کوئی دشمن تم پر غالب نہیں آ سکتا۔ اس کی مثال جنگ بدر ہے۔ جب اللہ سبحانہٗ نے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد کی اور کمزور اہل ایمان کو طاقت ور کفار و مشرکین کے مقابلے میں فتح نصیب ہوئی۔

آیت کے اس فقرے میں مسلمانوں کو باہم مشورہ کرنے، عزیمت اختیار کرنے اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی ترغیب پائی جاتی ہے۔

پھر فرمایا اگر تم مسلمانوں کو تمہارے کسی غلط کام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تم کو ذلت و شکست سے دوچار کرنا چاہے تو کوئی دوسری طاقت تمہیں عزت و سرافرازی نہیں دے سکتی جیسا کہ غزوہ اُحد کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اہل اسلام ہمیشہ اہل کفر کے نرغے میں ہوتے ہیں۔ پھر اللہ سبحانہٗ کے سوا باقی سب سہارے کمزور ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کا سہارا پکڑنا چاہیے اور اسی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ
ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ
رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ
بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ

Marfat.com

رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

النصف

(آل عمران : 161 تا 164)

''اور دیکھو، نبی ﷺ کا کام خیانت کرنا نہیں۔ جو شخص خیانت کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنی خیانت سمیت پیش ہوگا۔ پھر ہر ایک کو اُس کے کیے کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی سے نا انصافی نہ ہوگی۔ کیا وہ آدمی جو ہر وقت اللہ کی رضا چاہتا ہے، ایک ایسے شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو اللہ کے غضب کا مستحق ہو اور جس کا ٹھکانا دوزخ ہو، جو بہت برا ٹھکانا ہے۔ البتہ اللہ کے ہاں نیک لوگوں کے کئی درجے ہوں گے۔ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ بے شک اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ انہی میں سے اُن کے پاس ایک رسول ﷺ بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں سناتا، اُنہیں پاک کرتا اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ اس کی بعثت سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

يَغُلَّ: ...... یہ غَلَّ يَغُلُّ (يَغْلُلُ) غَلٌّ سے ہے جس کے معنی ہیں: خانت کرے یا سرکاری مال میں سے غبن کرے۔

سَخَطٍ: ......غصہ، سخت غصہ، ایسا غصہ جو سزا دینا چاہتا ہو۔

﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ﴾ (آل عمران : 161)

فرمایا یہ بات کسی نبی کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ کسی طرح کی کوئی خیانت یا بددیانتی کرے اللہ کا کوئی نبی خائن یا بددیانت نہیں ہوتا۔ چونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور خاتم النبیین ہیں اس لیے اُن سے بھی کسی خیانت کا، غبن کا صدور نہیں ہوسکتا۔ ہر نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے اُس سے کوئی غلطی یا گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ وہ گناہوں سے پاک اور مبرا ہوتا ہے۔ نبوت ورسالت کا منصب اتنا اعلیٰ اور ارفع ہوتا ہے کہ اُس پر فائز کوئی شخصیت خیانت یا غبن جیسی ذلیل حرکت کی مرتکب نہیں ہوسکتی۔

﴿وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ﴾ (آل عمران : 161)

فرمایا اللہ کے علم سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی جو شخص بھی کسی طرح کی خیانت، غبن یا بدعنوانی (Corruption) کرے گا تو قیامت کے دن وہ اس خیانت، غبن یا بدعنوانی کا بوجھ اُٹھائے ہوئے آئے گا تاکہ اسے سب کے سامنے شرمندگی بھی اُٹھانی پڑے اور پھر اسے اس پر عذاب بھی الگ سے دیا جائے گا۔

Marfat.com

ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((.....وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ! لَا یَاْخُذُ اَحَدٌ مِنْهُ شَیْئًا اِلَّا جَاءَ بِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَحْمِلُهٗ عَلٰی رَقَبَتِهٖ، اِنْ كَانَ بَعِیْرًا لَهٗ رُغَاءٌ، اَوْ بَقَرًا لَهٗ خُوَارٌ، اَوْ شَاةً تَیْعَرُ...... .))

(صحیح بخاری، رقم: 2597، صحیح مسلم، رقم: 4738، ابو داؤد، رقم: 2946)

''قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو شخص اس (مالِ صدقات) میں سے جو کچھ لے گا وہ قیامت کے دن اُسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے آئے گا۔ اگر وہ اونٹ ہوا تو وہ بلبلاتا آئے گا، گائے ہوئی تو وہ ڈکراتی ہوگی اور بکری ہوئی تو وہ ممیاتی ہوئی ہوگی۔''

ایک اور متفق علیہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ وَالٍ یَرْعٰی رَعِیَّةً مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ، فَیَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ، اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ .)) (صحیح بخاری، رقم: 7151، صحیح مسلم، رقم: 366، دارمی، رقم: 2796)

''جو حکمران مسلمانوں کے لیے کسی معاملے کا ذمہ دار بنے اور وہ دھوکا دے اور خیانت کرے، اور اسے اسی حالت میں موت آ جائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی۔''

﴿ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ (آل عمران: 161)

فرمایا، خیانت کا معاملہ ہو یا کوئی اور اچھا برا عمل ہو، آخرت میں ہر کسی کو اُس کے کیے کی جزا و سزا ملے گی۔ پھر جن کو سزا ملے گی تو یہ اُس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم نہ ہوگا بلکہ یہ اُس شخص کے اپنے گناہوں کا بدلہ اور نتیجہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تو عادل ہے وہ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَیَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً اِلَّا اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ (الکھف 18: 49)

''اور اعمال نامے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ اس وقت تم لوگ مجرموں کو دیکھو گے وہ اپنے اعمال نامے کی جوابدہی سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے ''ہائے افسوس! اِس اعمال نامے میں ہمارا ہر چھوٹا بڑا گناہ لکھا ہوا ہے۔'' جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا ہوگا، اسے وہ اپنے سامنے موجود پائیں گے۔ اور اے نبی ﷺ! آپ ﷺ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔''

﴿اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾

(آل عمران: 162)

فرمایا ایک طرف ایک ایسا شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اُس کے تمام احکام کی

Marfat.com

پیروی کرتا ہے۔ گناہوں اور خیانت سے بچتا ہے۔ اپنا تزکیہ نفس کرتا ہے۔ مگر دوسری جانب ایک اور آدمی ہے جو اپنے برے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غصے اور غضب کا مستحق ہے۔ تو کیا ان دونوں مختلف قسم کے انسانوں کو ایک جیسا بدلہ ملے گا اور کیا وہ دونوں آخرت میں ایک جیسی حالت میں ہوں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ عادل اور انصاف پرور ہے۔ وہ پہلے شخص کو اپنے اجروثواب اور جنت کی نعمتوں سے نوازے گا اور دوسرے آدمی کو دوزخ میں ڈالے گا۔

اس آیت کے مضمون کی تشریح آیت 173 میں بھی آ چکی ہے۔ اس کے علاوہ تصریف آیات کے اسلوب میں قرآن نے اسی حقیقت کو درج ذیل آیات میں بھی واضح کر دیا ہے۔

﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ۝﴾ (السجدہ 32: 18)

”کیا مومن اور نافرمان ایک جیسے ہیں؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔“

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ۝﴾ (صٓ 38: 28)

”تو کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، اُن کے برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں؟ یا ہم پرہیزگاروں کو گناہ گاروں جیسا کر دیں گے“

﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۝۱۶۳﴾ (آل عمران: 163)

فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں آخرت میں اعمال کے لحاظ سے لوگ مختلف درجے اور مرتبے والے ہوں گے۔ ہر ایک کو اُس کے نیک یا برے اعمال کے اعتبار سے درجہ اور مقام دیا جائے گا۔ اس طرح نیک اعمال والوں کی الگ درجہ بندی ہوگی۔ جو زیادہ نیک اور صالح ہوں گے اُن کو زیادہ اونچا درجہ ملے گا اور جو کم نیک ہوں گے وہ کم درجہ پائیں گے۔ اسی طرح برے اعمال کرنے والوں کی جدا درجہ بندی ہوگی۔ زیادہ برے لوگوں کو دوزخ میں زیادہ سخت عذاب دیا جائے گا اور کم بروں کو نسبتاً کم سزا ہوگی۔

پھر فرمایا، یہ اعمال کی درجہ بندی صرف خدائے علیم و بصیر ہی کر سکتا ہے جو لوگوں کے تمام ظاہری و باطنی اعمال و احوال سے واقف ہے۔ جو ہر ایک کے ارادے اور نیت کو بھی جانتا ہے۔

یہی مضمون قرآن نے دوسرے مقام پر اس طرح بیان کر دیا ہے:

﴿اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ۝﴾ (الانعام 6: 6)

”کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کیا جنہیں ہم نے زمین

Marfat.com

میں اتنی شان و شوکت دی جتنی اِن کو نہیں دی۔ ہم نے اُن پر آسمان سے خوب بارش برسائی اور نہریں جاری کیں جو اُن کے ہاں بہتی تھیں۔ پھر ہم نے انہیں اُن کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا۔ پھر اُن کے بعد ہم نے دوسری قوموں کو اٹھا کھڑا کیا۔"

اسی طرح سورۃ الاحقاف میں ہے کہ:

﴿وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾

(الاحقاف 46: 19)

"اور لوگوں کے اعمال کے مطابق اُن کے اچھے برے درجے ہوں گے۔ تاکہ اللہ سب کو اُن کے کیے کا پورا بدلہ دے اور اُن پر ظلم نہ ہوگا۔"

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾﴾

(آل عمران: 164)

یہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر اپنا خاص فضل و احسان جتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری اور عظیم الشان رسول ﷺ بھیجا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کسی اور نعمت کا ذکر احسان (مَـنَّ) کے ساتھ نہیں فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان اُس کی طرف سے کسی نبی یا رسول کی بعثت ہے جو لوگوں کے لیے ہدایت اور ایمان کا ذریعہ ہے اور دنیا میں سب سے بڑی دولت ہے۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی بحثیتِ رسول چار ذمہ داریاں اور فرائض بیان کیے گئے ہیں...... تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب، تعلیمِ حکمت اور تزکیۂ نفس۔ آخر میں فرمایا کہ اس سے پہلے لوگ جاہلیت کی گمراہی میں مبتلا تھے۔ نبی ﷺ کی آمد سے اُن کو ہدایت اور ایمان نصیب ہوا۔

مومنین کا ذکر خصوصیت سے فرمایا گیا کہ انہوں نے اس بعثت سے فائدہ اٹھایا۔ ویسے یہ بعثت پوری انسانیت پر اللہ کا احسان ہے اور حضرت محمد ﷺ محسن انسانیت ہیں۔

یہی مضمون قرآن کی بعض دوسری آیات میں بھی آیا ہے جیسے سورۃ البقرہ میں ہے:

﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾

(البقرة 2: 151)

"جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول ﷺ بھیجا جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، تمہیں پاک کرتا ہے، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔"

اسی طرح سورۂ الجمعہ میں ہے کہ:

Marfat.com

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ (الجمعه : 62:2)

”وہی (اللہ) ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم رسول ﷺ بھیجا، جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا، انہیں پاک کرتا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“

مزید تفصیل کے لیے سورۃ البقرۃ 129، 151 کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَ مَآ اَصَابَكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ لِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَ قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ یَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ ۚ اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۶۸﴾

(آل عمران 3: 165 تا 168)

”(اے مسلمانو!) جب لڑائی میں تم پر مصیبت آئی تو تم نے کہا ”یہ کہاں سے آ گئی؟“ حالانکہ اس سے پہلے کی جنگ میں اس سے دُگنی مصیبت تم اپنے دشمنوں پر ڈال چکے تھے۔ (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ ان سے کہیں ”یہ مصیبت تمہاری اپنی وجہ سے آئی۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ جس دن دو لشکروں میں مقابلہ ہوا اور اس کے نتیجے میں تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اللہ کے حکم سے پہنچی تاکہ یہ ظاہر ہو کہ ایمان والے کون ہیں اور منافق کون؟

Marfat.com

جب منافقوں سے کہا گیا "آؤ، اللہ کی راہ میں نکل کر میدان میں لڑو، یا شہر میں رہ کر دشمن کے حملے کو روکو۔" تو وہ کہنے لگے "اگر ہمیں جنگی حکمت عملی معلوم ہوتی تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔" یہ لوگ اُس دن ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ جو بات اپنے منہ سے کہتے ہیں وہ ان کے دل میں نہیں، اور اللہ اُسے خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔

یہ لوگ خود بیٹھے رہے اور اپنے شہید بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں "اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ ہوتے۔" اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان سے کہیں "اگر تم سچے ہو تو اپنی موت کو دور ہٹا کر دیکھو۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

مِثْلَيْهَا:......اُس سے دگنا، دگنی۔ (مقدار یا تعداد)۔

اَلْجَمْعَانِ:......دو گروہ، دو جماعتیں، دو لشکر۔

فَادْرَءُوْا:......(درء) یہ اصل میں فَ + اِدْرَءُوْا ہے جس کے معنی ہیں پس تم دفع کرو، دور کرو۔

﴿ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (آل عمران : 165)

جب غزوہ اُحد میں مسلمانوں کو شدید دھچکا لگا تو اُن میں سے بعض کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ ہم لوگ سچے دین اسلام کو ماننے والے ہیں۔ کفار کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس موجود تھے۔ پھر ہمارے ساتھ یہ حادثہ کیوں پیش آیا کہ ہمارے ستر (70) آدمی شہید ہو گئے۔

اِس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جو کچھ ہوا تمہاری اپنی غلطی کا نتیجہ ہے۔ تم نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے درّے کا محاذ چھوڑا تو یہ صورتِ حال پیش آ گئی۔ ویسے اس سے پہلے جنگ بدر میں تم مسلمانوں نے مشرکینِ قریش پر دوہری مصیبت ڈالی تھی۔ اُن کے ستر (70) آدمی مارے تھے اور ستر (70) کو قیدی بنایا تھا۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جو چاہے کرسکتا ہے مگر وہ دنیا میں اپنے قوانین وسنن کے مطابق سب کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ غزوہ اُحد میں بھی جو کچھ ہوا وہ اُس کے قوانین وسنن کے عین مطابق ہوا۔

﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران : 166)

فرمایا، غزوہ اُحد میں تم مسلمانوں کو جو نقصان اُٹھانا پڑا اور جو مصیبت تم پر نازل ہوئی تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور اُس کے قوانین وسنن کے تحت ہوا تھا۔ اس میں تمہارا اپنا قصور تھا۔

Marfat.com

﴿هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ﴾

''وہ تمہاری اپنی وجہ سے ہوا۔''

کے الفاظ میں جس غلطی کی طرف اشارہ ہے اُسے آیت 152 میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ:

﴿حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ﴾ (آل عمران 3: 152)

''یہاں تک کہ جب تم خود کمزور پڑ گئے اور رسول ﷺ کے حکم کے بارے میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کر بیٹھے۔ اور اس سے پہلے تمہیں وہ مالِ غنیمت بھی دکھایا گیا جسے تم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت چاہتے تھے۔''

بعض لوگ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کسی صحابی سے کبھی کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ تمام صحابہ غلطی سے محفوظ ہیں اور وہ معیارِ حق ہیں تو ہمیں قرآن و حدیث سے اُن کے اس دعوے کی کوئی تائید نہیں ملتی بلکہ اس کے برعکس ان کے اس موقف کی تردید ملتی ہے کہ صرف انبیاء علیہم السلام معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ کوئی غیر نبی معصوم نہیں ہوتا اور نہ گناہوں سے محفوظ ہوتا ہے۔ جہاں تک معیارِ حق کی بات ہے تو صرف کتاب و سنت ہی معیارِ حق ہے اس کے سوا کوئی معیارِ حق نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا﴾ (آل عمران: 167)

فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے غزوہ اُحد ایک آزمائش تھی جس کے نتیجے میں سچے مومنوں اور جھوٹے منافقوں کی پہچان ہو گئی۔ سب پر ظاہر ہو گیا کہ سچا مسلمان کون ہے اور جھوٹا منافق کون۔ مسلمان کے ایک ہزار کے لشکر میں سے جب تین سو منافقین عبداللہ بن اُبی کی سرکردگی میں الگ ہوئے تو ان منافقوں کی منافقت ظاہر ہو گئی۔ باقی سات سو (700) کا اسلامی لشکر جو مخلص مسلمانوں پر مشتمل تھا، وہ باقی رہ گیا اور اسی نے کفار کا مقابلہ کیا۔

﴿وَقِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ﴾

(آل عمران: 167)

غزوہ اُحد میں منافقین کو بھی جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی تھی کہ یا تو جہاد کرو، یا کم سے کم اپنے جان و مال اور اہل و عیال کے دفاع کے لیے لڑو۔ مگر رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اور اُس کے تین (300) منافق ساتھیوں نے یہ کہہ کر جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا اور مسلمانوں کے لشکر سے الگ ہو گئے کہ لڑائی بھڑائی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لیے ہم تو واپس گھروں کو جاتے ہیں۔ دراصل یہ ایک منافقانہ چال تھی اور یہ کوئی حقیقی عذر نہ تھا کیونکہ مشرکین کا تین ہزار کا لشکر کوہِ اُحد کے پاس اسلحے سے لیس کھڑا تھا اور سب کو جنگ ہونے کا پورا یقین تھا۔

﴿هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِيْمَانِ﴾ (آل عمران: 167)

Marfat.com

مطلب یہ ہے کہ ان منافقین کا جہاد نہ کرنا ان کے کفر کی علامت ہے نہ کہ ایمان کی۔ اگر وہ سچے ایمان والے ہوتے تو جہاد میں حصہ لیتے۔ اس جگہ قرآن نے مصلحت سے اُن کو کافر نہیں کہا۔ تا کہ وہ آیندہ منافقت سے توبہ کر لیں صرف اتنا کہا وہ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔

﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ (آل عمران : 167)

فرمایا ان منافقوں کے منہ سے جو باتیں نکلتی ہیں وہ ان کے دلوں کی آواز نہیں ہے۔ یہ لوگ اپنی زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کے دلوں میں کفر چھپا ہوا ہے۔ یہ جھوٹ بولنے کے عادی ہیں۔ کبھی کہتے ہیں ہمیں تو معلوم نہ تھا کہ اُحد کی لڑائی ہوگی یا نہیں، ورنہ ہم بھی جہاد کرتے۔ اس طرح کے بہانے بنا کر یہ لوگ جہاد سے جی چراتے اور اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ﴾ (آل عمران : 167)

فرمایا، اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے کہ منافقین اپنے دلوں میں کیا کیا چھپاتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے سامنے اپنے ایمان لانے کا دعویٰ اور اظہار کرتے ہیں مگر اُن کے دل و دماغ میں کفر بھرا ہوا ہے۔ وہ اللہ اور اہل اسلام کو دھوکا دینا چاہتے ہیں لیکن حقیقت میں خود دھوکا کھا رہے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ اُن کی خفیہ چالوں اور ناکام منصوبوں کو ظاہر کرتا رہے گا اور دنیا و آخرت میں اُن کو ذلت ناک سزا دے گا۔

﴿اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا﴾ (آل عمران : 168)

منافقین خود تو غزوہ اُحد میں شامل نہ ہوئے اور گھروں میں بیٹھے رہے مگر جنگ کے بعد کہنے لگے: ہم تو چاہتے تھے دشمن کے خلاف باہر میدان میں نکل کر مقابلہ نہ کیا جائے، بلکہ مدینے کے اندر رہ کر دشمن کے حملے کا دفاع کیا جائے لیکن ہماری بات نہ مانی گئی۔ اسی وجہ سے ہمارے کئی بھائی بند لڑائی میں مارے گئے۔

﴿قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (آل عمران : 168)

یہ جواب ہے منافقوں کی اوپر کی بات کا کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ جو کوئی میدانِ جنگ میں جا کر لڑے گا صرف وہی مرے گا اور جو گھر میں بیٹھا رہے گا اُسے موت نہیں آئے گی تو جب تمہیں گھر میں بھی موت آ پکڑے گی تو اُس وقت اُسے اپنے سے دور ہٹا دیکھنا۔ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو۔ کیونکہ جس کی موت کا وقت مقرر ہے وہ خواہ گھر میں ہو یا کہیں بھی ہو، اُسے موت آ کر رہتی ہے اور وہ اس سے کبھی بچ نہیں سکتا۔

یہی مضمون دوسری جگہ اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ﴾ (النساء 4: 78)

"تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں آ کر رہے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔"

Marfat.com

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ
رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ
لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ع ۱۶/۸
مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ
عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ
فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِيْمَانًا ڰ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ
الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْھُمْ
سُوْۗءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا
ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاۗءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

(آل عمران : 169 تا 175)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں، اُن کو مردہ نہ سمجھو، وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں روزی ملتی ہے۔ وہ اس پر خوش ہیں جو اللہ نے اُن پر فضل فرمایا۔ اور جو لوگ، اُن کے پیچھے دنیا میں ہیں اور ابھی تک اُن سے نہیں ملے، اُن کے بارے میں بھی خیال کر کے خوش ہوتے ہیں کہ اُن کے لیے بھی نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور اُن پر اللہ کے انعام اور اس کے فضل کے بارے میں خوش خبری پاتے رہتے ہیں، اور اس پر بھی خوش ہیں کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

کیا شان ہے ان ایمان والوں کی جو ایک لڑائی میں چوٹ کھانے کے بعد دوبارہ اللہ اور اس کے

Marfat.com

رسول ﷺ کی پکار پر جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے! ان میں سے جو نیک اور پرہیز گار ہیں، اُن کے لیے بڑا اجر ہے۔ یہ وہ ہیں جنہیں لوگوں نے خبر دی کہ "دشمن نے تمہارے خلاف بڑی طاقت جمع کر لی ہے اُس سے ڈرو۔ لیکن اس چیز نے اُن کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اُٹھے "اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔"

پھر وہ نکلے اور اللہ کی نعمتیں اور اس کا فضل سمیٹ کر لوٹے۔ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا۔ وہ اللہ کی رضا مندی پر چلے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(اے مسلمانو!) یہ شیطان ہے جو تمہیں اپنے ساتھیوں کے ذریعے ڈراتا ہے۔ تم اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

فَرِحِیْنَ:...... اس کا واحد فَرِحٌ ہے جس کے معنی ہیں: خوش، اِترانے والا۔

یَسْتَبْشِرُوْنَ:...... (ب ش ر) وہ خوش ہوتے ہیں۔

لَمْ یَلْحَقُوْا:...... (ل ح ق) وہ نہیں ملے۔

اِسْتَجَابُوْا:...... (ج و ب) انہوں نے قبول کیا، مانا، حکم مانا۔

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۙ﴾ (آل عمران: 169)

بظاہر یہ نبی ﷺ سے خطاب ہے لیکن اصل میں یہ خطاب عام ہے کہ جو مسلمان غزوہ اُحد میں یا کسی اور جہاد میں شہید ہوں، اُن کے بارے میں یہ نہ خیال کیا جائے کہ وہ مردے ہیں، مر کھپ کر فنا ہو گئے ہیں، بلکہ وہ عالمِ برزخ میں اپنی برزخی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں جہاں اُن کو روزی بھی ملتی ہے اور وہ کھاتے پیتے بھی ہیں۔ لیکن چونکہ عالمِ برزخ متشابہات میں سے ہے اس لیے انسانی عقل اُس کی اصل حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتی۔

یہی مضمون اِس سے پہلے سورۃ البقرہ آیت 154 کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ آ چکا ہے اس لیے وہاں دیکھ لیا جائے۔

﴿فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۘ﴾ (آل عمران: 170)

فرمایا، شہیدوں کو عالمِ برزخ میں خوشی اور مسرت حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنا خاص فضل کیا ہوتا ہے۔ وہ اُن کو اپنے خاص اعزاز و اکرام سے نوازتا ہے۔ انہیں اپنے اُن ساتھی مجاہدین اور نیک رشتہ داروں کے بارے میں خوش خبری دی جاتی ہے جن کو وہ دنیا میں زندہ سلامت یا زخمی حالت میں چھوڑ آئے تھے...... کہ وہ بھی جلد تم سے آ ملیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات پائیں گے۔ تمہیں وہ جنت حاصل ہوگی جہاں نہ آیندہ کا کوئی خوف و

Marfat.com

خطر ہوگا اور نہ کوئی گزشتہ غم باقی رہے گا۔

﴿يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

(آل عمران : 171)

فرمایا آخرت میں شہیدوں کو اُن کے اعمال کا جو صلہ نعمتوں کی صورت میں ملے گا اور جو فضل و احسان کے طور پر انعامات ملیں گے اس پر وہ بڑے خوش اور شاداں و فرحاں ہوں گے۔ اُن کو یہ خوش خبری بھی دی جائے گی کہ تمہارے ساتھیوں کو بھی یہی عیش و آرام جلد ملنے والا ہے جو تمہیں حاصل ہو چکا ہے تو یہ خوش خبری سن کر اُن میں خوشی کی لہر دوڑ جائے گی اور اُن کی مسرت و شادمانی دوبالا ہو جائے گی۔

اس آیت میں جہاد اور شہادت کی ترغیب پائی جاتی ہے۔

دراصل یہ آیت اپنے سے پہلی آیت کے مضمون کی وضاحت کرتی ہے کہ جس شخص کو اللہ کی نعمتیں اور فضل حاصل ہوگا اُسے پھر کوئی غم نہ ہوگا اور جس کسی کے اعمال مقبول ہوں گے تو اُسے آئندہ کا کوئی اور ڈر نہ ہوگا۔

اِس آیت میں مومنین سے بھی شہید لوگ مراد ہیں۔ لیکن اُن کے ایمان کی صفت کا ذکر اس لیے کیا گیا تاکہ یہ حقیقت ظاہر ہو کہ جہاد کی ساری فضیلت، برکت اور سعادت ایمان کے دَم قدم سے ہے اور وہی ان سب کا منبع اور سرچشمہ ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾

(آل عمران : 172)

یہ غزوہ اُحد کے متصل بعد غزوہ حمراء الاسد کی طرف اشارہ ہے جس میں ابوسفیان کے لشکر کے تعاقب کے لیے نبی ﷺ اپنے ستر (70) صحابہ کے ساتھ نکلے تھے اور حال یہ تھا کہ حضور ﷺ سمیت اُن میں سے اکثر زخمی بھی تھے۔ لیکن اُنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے حکم پر لبیک کہی۔ اطاعت، تقوے اور جہاد کا حق ادا کیا۔ اسی لیے اُن کو اللہ سبحانہٗ کی طرف سے بڑا اجر ملے گا۔

غزوہ حمراء الاسد کا مختصر حال یہ ہے کہ:

غزوہ حمراء الاسد دراصل غزوہ اُحد ہی کا حصہ ہے لیکن بقول شبلی نعمانی ”مورخین نے تکثیرِ غزوات کے شوق میں ایک نیا غزوہ بنا لیا ہے اور حمراءُ الاسد کا ایک نیا عنوان قائم کیا ہے۔“

جب ابوسفیان جنگ اُحد سے فارغ ہو کر مکہ روانہ ہوا اور ”روحا“ کے مقام پر پہنچا تو اُسے خیال آیا کہ کام نامکمل رہ گیا ہے۔ اُدھر نبی ﷺ کو بھی اندیشہ تھا کہ کفار کہیں پلٹ کر پھر مدینے پر حملہ نہ کریں۔ اس لیے حضور ﷺ نے غزوہ اُحد کے دوسرے دن ستر (70) صحابہ سمیت ابوسفیان کا تعاقب کیا۔ اور آپ ﷺ مدینے سے آٹھ (8) میل کے فاصلے پر حمراء الاسد پہنچ گئے۔ وہاں قبیلہ خزاعہ، جو مسلمانوں کا حلیف تھا، اُس کا سردار معبد آپ ﷺ سے ملا۔ پھر واپس

Marfat.com

جاتے ہوئے راستے میں ابوسفیان سے بھی اُس کی ملاقات ہوگئی جس نے معبد کو بتایا کہ ہمارا ارادہ دوبارہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ہے۔ اس پر معبد نے ابوسفیان سے کہا کہ محمد ﷺ تو تمہارے تعاقب میں آ رہے ہیں۔ یہ سن کر ابوسفیان نے مدینے پر دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ ترک کیا اور واپس مکہ لوٹ گیا۔

﴿اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا﴾

(آل عمران : 173)

یہ آیت غزوۂ حمراءُ الاسد یا بعض کے نزدیک بدرِ صغریٰ کے بارے میں ہے کہ مسلمانوں کو بتایا گیا کہ مشرکین تم پر اپنے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہونے والے ہیں۔ اس لیے تم ان سے ڈرو۔ مگر اہل ایمان اسی صورتِ حال میں گھبرائے نہیں۔ بلکہ اس سے ان کی ایمانی حالت میں اضافہ ہوگیا اور وہ پکار اٹھے کہ: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ﴾ ''اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

اس سے ملتا جلتا مضمون سورۃ الاحزاب میں بھی آیا ہے:

﴿وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّ تَسْلِیْمًا﴾ (الاحزاب 33: 22)

''جب مومنوں نے دشمن کی فوجیں دیکھیں تو بولے ''یہ تو وہی موقع ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ یقیناً اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ کہا۔ اس صورتِ حال نے اُن کے ایمان واطاعت کے جذبے کو اور زیادہ بڑھا دیا۔''

﴿وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ﴾ (آل عمران : 173)

یہ سچے اور مخلص اہل ایمان مجاہدین کی زبان سے نکلا کہ ہمیں ابوسفیان کے لشکر سے ڈرایا جارہا ہے مگر ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ اُس کی مدد اور نصرت ہمارے شامل حال ہے اور ہمیں کسی بڑے سے بڑے دشمن کا کوئی ڈر نہیں۔

کیا ڈر ہے جو ہے ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

اللہ تعالیٰ پر اہل ایمان کے توکل کا اثر یہ ہوا کہ کفار پر اُن کا ایسا رعب طاری ہوگیا کہ ابوسفیان اپنے لشکر سمیت واپس مکہ لوٹ گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو عزت وسرفرازی عطا فرمائی۔

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ﴾ ''ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔'' اللہ تعالیٰ پر بھروسے کی دعا بھی ہے جو اُس وقت پڑھنی چاہیے جب دشمن کا خوف ہو اور اُس کی طرف سے حملے کا خطرہ ہو۔ ویسے ہر پریشانی کی حالت میں بھی یہ دعا پڑھی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے اپنی چاندی کی انگوٹھی پر یہ عبارت کندہ کرا رکھی تھی:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾

اُن سے پوچھا گیا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا ہے تو فرمانے لگے یہ کلام مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔

﴿فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴾ (آل عمران : 174)

فرمایا، صحابہ کرام کی مخلص اور مجاہد جماعت میدانِ جہاد سے اس طرح واپس آئی کہ اُن کو اللہ سبحانہٗ نے اپنے انعامات سے نوازا، اُن پر فضل فرمایا۔ دشمن ان کا بال بیکا نہ کر سکا۔ اُن کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی چاہتے تھے۔ اس لیے اللہ سبحانہٗ نے بھی اُن پر اپنی نوازشات کر دیں کیونکہ وہ بڑے فضل والا اور فیاض و کریم ہے۔

﴿اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾

(آل عمران : 175)

یہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا کہ شیطان تمہیں اپنے کافر ساتھیوں سے ڈراتا ہے تاکہ تم خوف زدہ ہو کر دب جاؤ۔ لیکن تمہیں شیطان اور اس کے لشکر سے نہ ڈرنا چاہیے اور نہ دبنا چاہیے۔ تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہونا چاہیے کیونکہ یہی ایمان کا تقاضا ہے۔ ایمان اور غیر اللہ کا خوف کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

وَ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ
لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾
مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ
الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ
لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ

Marfat.com

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٩﴾

(آل عمران : 176 تا 179)

"(اے نبی ﷺ!) کافروں کی مخالفانہ سرگرمیاں آپ ﷺ کے لیے غم کا باعث نہ بنیں۔ وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ چاہتا ہے کہ اُن کے لیے آخرت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہ رکھے اور اُن کے لیے وہاں عذاب ہے۔ اور جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا، وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

کافر لوگ یہ سمجھیں کہ جو مہلت ہم نے انہیں دے رکھی ہے وہ اُن کے حق میں بہتر ہے۔ نہیں، ہم انہیں ڈھیل دے رہے ہیں تا کہ وہ گناہ میں اور بڑھ جائیں، اور اُن کے لیے ذلت والا عذاب ہوگا۔ اللہ تم مسلمانوں کو اس حالت پر نہیں رہنے دے گا جس پر اب ہو۔ وہ ناپاک کو پاک سے الگ کر کے رہے گا۔

اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی ساری باتوں سے آگاہ کر دے، البتہ وہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے، اس کام کے لیے چن لیتا ہے۔ پس تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر۔ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لیے بڑا اجر ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

يُسَارِعُوْنَ:...... (س ر ع) وہ جلدی کرتے ہیں، دوڑتے ہیں۔

حَظًّا:...... حصہ، مقررہ حصہ، نصیب۔

نُمْلِیْ:...... (م ل و) ہم ڈھیل، مہلت دیتے ہیں۔

يَجْتَبِیْ:...... (ج ب ی) وہ چن لیتا ہے، منتخب کر لیتا ہے۔ اس کا مصدر ہے اِجْتِبَاءٌ۔

﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ﴾ (آل عمران : 176)

یہ نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ منافقین اور یہود کی منفی اور مخالفانہ سرگرمیوں سے، جو وہ دین اسلام کے خلاف کفار و مشرکین سے تعاون کی صورت میں کر رہے ہیں، آپ ﷺ ہرگز غمگین نہ ہوں۔ دوسری طرف کفار کی مادی قوت اور وسائل کی کثرت سے بھی پریشان اور غم زدہ نہ ہوں۔

یہی مضمون سورۃ المائدہ میں بھی آیا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ (المائدہ 5 : 41)

Marfat.com

''اے رسول ﷺ! جو لوگ کفر میں سرگرم ہیں ان کی وجہ سے آپ ﷺ غمگین نہ ہوں۔ اُن میں سے بعض ایسے ہیں جو زبان سے دعویٰ کرتے ہیں ''ہم ایمان لائے'' حالانکہ اُن کے دلوں نے ایمان قبول نہیں کیا، اور بعض یہودی بھی ایسے ہی ہیں۔''

﴿اِنَّهُمۡ لَنۡ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيۡـًٔا ؕ﴾ (آل عمران : 176)

یہ نبی ﷺ کو مزید تسلی اور اطمینان کے لیے فرمایا کہ تمام اہل کفر و باطل مل کر بھی اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کی جماعت نبی ﷺ اور صحابہ کرام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ یہ جماعت "حزب اللہ" اور "اولیاء اللّٰہ" ہے جن پر "حزب الشیطان" یا "اولیاء الشیطان" غالب نہیں آ سکتے۔ اس لیے اُن سے گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

﴿يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجۡعَلَ لَهُمۡ حَظًّا فِى الۡاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝﴾ (آل عمران : 176)

فرمایا اہل کفر و نفاق دوسروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، خود اپنے آپ کو نقصان پہنچائیں گے۔ اُن کو دنیا میں ذلت و نامرادی ملے گی۔ وہ آخرت کی نعمتوں سے محروم ہوں گے اور ان کو دوزخ کا بڑا عذاب دیا جائے گا۔

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ لَنۡ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيۡـًٔا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝﴾

(آل عمران : 177)

فرمایا جو لوگ ایمان کی بجائے کفر اختیار کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے جنگ کرتے ہیں۔ اب ظاہر ہے جو اللہ سے لڑے گا، وہ منہ کی کھائے گا۔ اُس کا انجام شکست اور ذلت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو آخرت میں جہنم کا دردناک عذاب دے گا۔

﴿وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ خَيۡرٌ لِّاَنۡفُسِهِمۡ ؕ اِنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ۝﴾ (آل عمران : 178)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ اِمہال کے ذریعے کفار کو دنیا میں جو مہلت اور ڈھیل دے رکھی ہے تو یہ اُن کے حق میں اچھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو اُن کے گناہوں اور جرموں میں اضافے کا سبب بن رہی ہے۔ البتہ اگر وہ اس ڈھیل اور مہلت سے فائدہ اٹھا لیتے، اپنے کیے پر توبہ تائب ہو جاتے تو پھر اُن کے حق میں بہتر تھا۔ لیکن چونکہ انہوں نے اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا، اُلٹے کفر و سرکشی میں اور بڑھتے چلے گئے۔ اس لیے اُن کو یہ مہلت کچھ فائدہ نہ دے گی بلکہ اُن کے گناہوں میں اضافے کا باعث بنے گی، جس کے نتیجے میں وہ ذلت والے عذاب سے دوچار ہوں گے۔

اِسی مضمون کو دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا:

﴿وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝ وَاُمۡلِىۡ لَهُمۡ ؕ اِنَّ كَيۡدِىۡ مَتِيۡنٌ ۝﴾ (الاعراف 7: 182-183)

Marfat.com

''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ ہم انہیں آہستہ آہستہ پکڑیں گے ایسی جگہ سے جہاں اُن کو خبر نہ ہوگی۔ ابھی میں اُن کو ڈھیل دے رہا ہوں۔ مگر میرا داؤ بڑا مضبوط ہے۔''

پھر سورۃ القلم میں اسی مضمون کو دہرایا گیا:

﴿فَذَرْنِي وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ o وَاُمْلِي لَهُمْ ط اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ o﴾ (القلم 68: 44-45)

''(اے نبی ﷺ!) آپ ﷺ اِس کلام کو جھٹلانے والوں کا معاملہ مجھ پر چھوڑیں۔ ہم اُن کو آہستہ آہستہ وہاں لا رہے ہیں جہاں کی اُن کو خبر نہیں۔ میں انہیں مہلت دے رہا ہوں۔ بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔''

ان دونوں مقامات پر اِستدراج (آہستہ آہستہ پکڑنا) کو ''کی کید متین'' (مضبوط تدبیر) کہا گیا ہے۔ کفار سمجھتے ہیں دنیا میں مال ومنال کا اضافہ ہے تو آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ مگر یہ اُن کی غلط فہمی ہے اور یہی اِستدراج ہے جسے سورۃ المومنون میں اِس طرح بیان کیا گیا:

﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ o نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ط بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ o﴾ (المومنون 23: 55-56)

''کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اُن کو جو مال واولاد دیے جا رہے ہیں، تو یہ ہم اُن کے بھلے کے لیے سرگرم ہیں؟ نہیں، وہ اصل حقیقت کو نہیں سمجھتے۔''

﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ط﴾ (آل عمران: 179)

فرمایا، راہِ حق میں مشکلات اور آزمائشیں ناگزیر ہیں، تاکہ کھرے اور کھوٹے، پاکیزہ اور ناپاک، مومن اور منافق کا فرق وامتیاز ظاہر ہو جائے۔ جہاد بھی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے یہ پہچان ہو جاتی ہے کہ فلاں شخص مخلص مسلمان ہے، یا منافق ہے۔ غزوہ اُحد کے موقع پر بھی اہلِ ایمان اور اہلِ نفاق کی پہچان ہوگئی تھی۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص﴾ (آل عمران: 179)

فرمایا، منافقوں کی پہچان علمِ غیب کے ذریعے ہو سکتی تھی مگر وہ ہر مسلمان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ علمِ غیب کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کو عطا فرماتا ہے جس سے ہر نبی اور رسول کو اُن کے زمانے میں پہچان کرا دی جاتی ہے کہ فلاں فلاں کے دل میں کفر ومنافقت ہے۔ البتہ بعض ظاہری نشانیوں سے بھی منافقت کی پہچان ہو سکتی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی چار نشانیاں ہیں:

Marfat.com

امانت میں خیانت کرنا، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا اور گالیاں دینا۔

(صحیح بخاری، رقم: 34، صحیح مسلم، رقم: 210، ابو داؤد، رقم: 4688، نسائی، رقم: 5020، ترمذی، رقم: 2632)

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝﴾ (آل عمران: 179)

فرمایا اللہ اور اُس کے تمام رسولوں اور نبیوں پر ایمان لاؤ، بالخصوص اللہ تعالیٰ کے آخری نبی محمد ﷺ پر ایمان لاؤ۔ وہ اللہ سبحانہٗ کے سچے نبی ہیں۔ غزوہ اُحد کے واقعات سے متاثر ہو کر تم میں سے کوئی شخص بھی نبی ﷺ کی نبوت کے بارے میں کسی شک میں مبتلا نہ ہو۔ سچا ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا اور آخرت میں بڑے اجر و ثواب سے نوازے۔

قرآن میں کئی مقامات پر ایمان اور تقویٰ کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ تقوے کے بغیر ایمان بے کار ہے اور ایمان کے بغیر تقوے کا وجود نہیں۔ ذیل میں اس کے چند نظائر و شواہد دیے جاتے ہیں۔ سورۃ البقرہ میں بنی اسرائیل کو تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

(البقرۃ 2: 103)

''اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اُن کو اللہ کی طرف سے ثواب ملتا، جو اُن کے حق میں بہتر تھا۔ کاش وہ جانتے!''

سورۃ الاعراف میں بھی ان دونوں کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾ (الاعراف 7: 96)

''اور اگر وہ بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان اور زمین کی برکتیں اور نعمتیں اُن پر کھول دیتے۔ مگر انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا۔''

اسی طرح سورۂ محمد ﷺ میں بھی ایمان اور تقویٰ کو جمع کیا گیا ہے:

﴿اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْــَٔـلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝﴾

(محمد 47: 36)

''بے شک دنیا کی زندگی کھیل تماشا ہے۔ لیکن اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو، تو اللہ تمہیں تمہارے اجر دے گا اور وہ تم سے تمہارا مال نہیں مانگتا۔''

Marfat.com

وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ
خَیْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ
وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع ۱۸
لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ
اَغْنِیَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ
وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ
اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۱۸۲﴾ ج اَلَّذِیْنَ قَالُوْۤا
اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى یَاْتِیَنَا
بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ
وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۳﴾
فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ
بِالْبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴿۱۸۴﴾

(آل عمران: 180 تا 184)

''جن لوگوں کو اللہ نے مال و دولت دیا ہے مگر وہ اللہ کے لیے مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں، وہ یہ نہ سمجھیں یہ اُن کے حق میں اچھا ہے، بلکہ یہ اُن کے حق میں برا ہے۔ جس مال و دولت میں وہ بخل کر رہے ہیں اُس کا قیامت کے دن انہیں طوق پہنایا جائے گا۔

اور یاد رکھو، آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا وارث اللہ ہے اور وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

بے شک اللہ نے اُن لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا: ''اللہ محتاج ہے اور ہم دولت مند!'' ہم ان کی یہ بات لکھ رکھیں گے اور ان کا وہ جرم بھی جو وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے۔ پھر آخرت میں ان

Marfat.com

سے کہیں گے ''اب آگ کا مزہ چکھو! یہ سب کچھ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں۔''

یہی لوگ کہتے ہیں ''اللہ نے ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول کو نہ مانیں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے آگ کھالے۔'' اے نبی ﷺ! آپ ﷺ ان سے کہیں ''مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے اور وہ معجزہ بھی لائے جو تم مانگ رہے ہو، پھر تم نے اُن کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو؟''

اے نبی ﷺ! یہ لوگ آپ ﷺ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ ﷺ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں جو کھلی نشانیاں، صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

سَیُطَوَّقُوْنَ: ......(ط و ق) یہ اصل میں سَ + یُطَوَّقُوْنَ ہے جس کے معنی ہیں عنقریب، ضرور اُن کو طوق پہنایا جائے گا۔

اَلْحَرِیْق: ......(ح ر ق) آگ، جلانے والا، جلا ہوا۔

اَلزُّبُر: ......اس کا واحد ہے زَبُوْرٌ جس کے معنی ہیں کتاب۔

﴿وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ﴾ (آل عمران : 180)

فرمایا جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کے فضل سے نوازا ہے اور وہ اُس کا حق ادا کرنے کی بجائے بخل سے کام لیتے ہوں تو وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ اُن کا یہ بخل انہیں کچھ فائدہ پہنچائے گا اور آخرت میں اُن کے حق میں بہتر ہوگا۔ بلکہ اگر وہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے اور دوسرے صدقات واجبہ نہیں دیں گے تو آخرت میں عذاب سے دوچار ہوں گے۔

البتہ اپنی ذاتی ضروریات کے لیے کچھ مال رکھنا اور خرچ کرنا بالکل جائز اور مباح ہے اور یہ بخل کے ذیل میں نہیں آتا اور نہ اس پر کوئی وعید یا عذاب ہے۔

بعض مفسرین نے اہل کتاب کے اُن علما کو بھی اس آیت کا مصداق قرار دیا ہے جنہوں نے نبی ﷺ کے بارے میں پیش گوئیوں کو بیان کرنے میں بخل سے کام لیا تھا۔ جو عام لوگوں سے حق بات چھپاتے تھے اور اسے ظاہر کرنے میں بخل کرتے تھے۔ اس لیے اُن علمائے سُوء کو بھی وہی سزا ملے گی جو آگے بیان ہوئی ہے۔

﴿سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ﴾ (آل عمران : 180)

فرمایا جو لوگ بخل کی وجہ سے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے اور صدقاتِ واجبہ نہیں دیں گے تو قیامت کے دن

Marfat.com

ایسے بخیلوں کی گردنوں میں وہی مال آگ کا طوق بنا کر پہنایا جائے گا جو ان کے لیے ہمیشہ عذاب کا سبب بنا رہے گا۔
صحیح بخاری میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِيْ شِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ: اَنَا مَالُكَ، اَنَا كَنْزُكَ...... ثُمَّ تَلَا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ...... اَلْاٰيَة.))
(صحیح بخاری، رقم: 1403، نسائی، رقم: 2481، مؤطا، رقم: 596)

"اللہ تعالیٰ جس شخص کو مال عطا فرمائے اور وہ شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اُس کے مال کو گنجے اژدھا کی صورت میں بنا دیا جائے گا۔ اُس کی آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے، اُس کو اس کے گلے کا ہار بنایا جائے گا۔ پھر وہ اسے جبڑوں سے پکڑ کر کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں...... پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت (آل عمران: 180) تلاوت فرمائی: جو لوگ بخل کرتے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں۔"

سورۃ التوبہ میں بھی اُن لوگوں کو سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے جو مال جمع کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔
﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝﴾ (التوبہ 9: 34-35)

"جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اُن کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجئے قیامت کے دن اس سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں رکھ کر تپایا جائے گا۔ اس سے اُن کی پیشانیاں، اُن کے پہلو اور اُن کی پیٹھیں داغی جائیں گے۔ اُن سے کہا جائے گا "یہ ہے جو تم نے اپنے لیے دنیا میں جمع کیا۔ آج اپنے اس جمع کرنے کا مزہ چکھو۔"

﴿وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝١٨٠﴾ (آل عمران: 180)

یہ مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لینے والوں کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کے سارے مال اور خزانوں کا اصل مالک اور وارث اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی ایک دن تمام وارثوں کے مر جانے کے بعد صرف اللہ سبحانہٗ ہی سارے مال کا وارث بن جائے گا۔ پھر جب اصل حقیقت یہ ہے تو لوگ کیوں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے کتراتے اور بخل سے کام لیتے ہیں۔ جو کچھ آج اُن کے ہاتھ میں ہے کل کسی اور کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے اور اُن کے مطابق تمہیں جزا و سزا دے گا۔

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ﴾ (آل عمران: 181)

Marfat.com

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ﴾ (بے شک اللہ نے سن لیا) یا ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ﴾ (بے شک اللہ نے سن لیا) کا اسلوب اپنے موقع و محل اور سیاقِ کلام کے لحاظ سے مختلف معنی دیتا ہے۔ کہیں یہ تنبیہ اور وعید (Warning) کے انداز میں ہوتا ہے جیسا کہ اس مقام پر ہے اور کہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت، مہربانی اور فریادرسی کے معنوں میں ہوتا ہے جیسا کہ نماز کی تحمید میں پڑھا جاتا ہے۔ ((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ .)) ''اللہ نے اُس کی سن لی جس نے اُس کی تعریف کی۔''

یا جیسے سورۃ المجادلہ کے شروع میں ہے:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝﴾ (المجادلہ 58: 1)

''(اے نبی ﷺ) بے شک اللہ نے اُس عورت کی بات سُن لی جو اپنے شوہر کے بارے میں آپ ﷺ سے جھگڑتی اور اللہ سے فریاد کرتی تھی۔ اللہ تمہاری گفتگو سن رہا تھا۔ بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

آیت زیرِ بحث میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کی بات سن لی ہے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ ''اللہ محتاج ہے اور ہم دولت مند ہیں۔''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ:

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا....﴾ (البقرۃ 2: 245)

''کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے......''

تو یہودیوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ کیا اللہ محتاج ہے اور ہم دولت مند ہیں! کیا ہم اللہ کو قرض دیں۔ اُسے قرض کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر یہ آیت (180) نازل ہوئی تھی۔

﴿سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝١٨١﴾

(آل عمران: 181)

یہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم ان لوگوں کی کہی ہوئی یہ غلط بات بھی لکھ لیں گے اور اُن کا وہ جرم بھی لکھ رکھیں گے جو انہوں نے نبیوں کو ناحق قتل کیا تھا۔ پھر آخرت میں اُن سے کہیں گے کہ اب اپنے ان تمام گناہوں کی پاداش میں دوزخ کی بھڑکتی آگ کا عذاب چکھتے رہو۔

یاد رہے کہ نبیوں کو قتل کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہوسکتا اس کے ساتھ "بِغَيْرِ حَقٍّ" (ناحق) کا اضافہ کر کے اس جرم کی شناعت اور شدت کو اور زیادہ نمایاں کر دیا گیا ہے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا مگر یہ آیت اُن کے اس دعوے کی تردید کرتی ہے۔ اس بارے میں ہم اس سے پہلے سورۃ البقرہ آیت 87، آل عمران آیت 144 میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

Marfat.com

﴿ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ﴾ (آل عمران : 182)

فرمایا جب دوزخ کی بھڑکتی آگ کا عذاب اُن یہودیوں (اور دوسرے مجرموں) کو دیا جائے گا تو اُس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ یہ عذاب تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو ایسا ہرگز نہیں کرتا کہ وہ اپنے بندوں کو ناحق سزا دے کر اُن پر ظلم کرے، یا بے قصوروں کو عذاب دے۔ وہ تو عادل ہے اور ہر ایک کو اُس کا حق دیتا اور اُس سے انصاف کا برتاؤ کرتا ہے۔ وہ اپنے فرماں بردار بندوں کو اجر و ثواب سے نوازے گا اور جو نافرمان ہیں اُن کو عذاب دے گا۔

﴿اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیۡنَاۤ اَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُوۡلٍ حَتّٰی یَاۡتِیَنَا بِقُرۡبَانٍ تَاۡکُلُہُ النَّارُ﴾

(آل عمران : 183)

اِس آیت کا شانِ نزول جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے، یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کعب بن اشرف سمیت چند یہودی سردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول ہونے کا دعویٰ بھی ہے اور یہ دعویٰ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی کتاب بھی نازل ہوئی ہے مگر ہماری توریت میں تو اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عہد لیا ہوا ہے کہ ہم کسی ایسے نبی یا رسول کو تسلیم نہ کریں جس کے صدقے اور قربانی کو وہ آگ نہ کھاتی ہو، جو آسمان سے اُترتے وقت ہلکی آواز بھی پیدا کرتی ہو۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

تفسیر طبری میں اس مقام پر یہ عبارت بھی ہے کہ:

((اِنَّ الرَّجُلَ مِنۡہُمۡ کَانَ یَتَصَدَّقُ بِالصَّدَقَۃِ، اِذَا تُقۡبَلُ مِنۡہُ نَزَلَتۡ عَلَیۡہِ نَارٌ مِّنَ السَّمَاءِ فَاَکَلَتۡ مَا تَصَدَّقَ بِہٖ.))

”یہودیوں میں سے جب کوئی شخص کچھ صدقہ کرتا تھا تو اگر وہ صدقہ قبول ہوتا تو اس کے لیے آسمان سے آگ گرتی تھی جو اُس صدقے کو کھا جاتی تھی۔“

لیکن یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے سے انکار کے لیے جو سوختنی قربانیوں کا یہ بہانہ بنایا تھا کہ ہم صرف اُسی شخص کو نبی یا رسول مانیں گے جس کی قربانیوں کو آگ کھاتی ہو گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی اِس بات کا پول کھول دیا اور ان کو جھوٹا قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تم وہ سنگ دل اور بدبخت قوم ہو جو اپنے نبیوں اور رسولوں کو قتل کرتی رہی ہو۔ یاد رہے کہ یہودیوں نے زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام اور یسعیاہ علیہ السلام کو شہید کر دیا تھا۔

﴿فَاِنۡ کَذَّبُوۡکَ فَقَدۡ کُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِکَ جَآءُوۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُنِیۡرِ﴾ (آل عمران : 184)

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ اگر یہود اور دوسرے کفار و مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان نہیں لاتے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ دنیا میں ایسے گمراہ اور بدبخت لوگ ہمیشہ

Marfat.com

رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ایسے انبیاء و رُسل کا بھی مذاق اڑاتے اور اُن کی تکذیب کیا کرتے تھے جو اُن لوگوں کے پاس آئے تھے اور جو اپنی نبوت و رسالت کے حق میں واضح دلائل، معجزات، صحیفے اور راہِ ہدایت دکھانے والی روشن کتابیں رکھتے تھے۔ اِس پر پہلے نبیوں اور رسولوں نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ لہٰذا آپ ﷺ بھی اپنے نہ ماننے والوں کی حالت پر غم و افسوس نہ کریں۔ بلکہ صبر و استقامت اختیار کریں۔ سارا قصور آپ ﷺ کے مخالفین کا ہے جو آپ ﷺ جیسے صادق و امین نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہر زمانے میں اہل حق بھی ہوتے ہیں اور اہل باطل بھی، سچے بھی اور جھوٹے بھی، مخلص بھی اور منافق بھی۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۣ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

(آل عمران: 185 تا 186)

"(یاد رکھو!) ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ پھر قیامت کے دن تمہیں تمہارے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جو شخص دوزخ کی آگ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کیا جائے وہ کامیاب ہوگا۔ یہ دنیا کی زندگی دھوکے کا سودا ہے۔ (اے مسلمانو!) تمہیں مال اور جان کی آزمائش میں ڈالا جائے گا اور تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی جانب سے بہت تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گی۔ لیکن اگر تم نے صبر سے کام لیا اور تقویٰ اختیار کیا تو یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔"

آیات کی تفسیر:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ﴾ (آل عمران: 185)

یہ بھی نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر شخص کو ایک نہ ایک روز موت آجائے گی۔ یہ دنیا کی عارضی زندگی اور فانی ہے۔ یہ دارالامتحان اور آزمائش کی جگہ ہے۔ آپ ﷺ کے مخالفین کی مخالفت بھی چند روزہ اور عارضی ہے جس

Marfat.com

پر آپ ﷺ کو چاہیے کہ صبر و تحمل سے کام لیں۔ کل قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے اچھے برے عمل کی جزا و سزا ملنے والی ہے۔

آیت کے اس فقرے کی وضاحت میں تفسیر مراغی میں یہ خاص نکتہ بیان کیا گیا ہے:

((کل نفس تذوق طعم مفارقة البدن وتحس به، و فی هذا إيماء الٰی ان النفس لا تموت بموت البدن، لأن الذی يذوق هو الموجود، والميت لا يذوق، فالذوق شعور لا يحس به الا الحی.))

''ہر نفس یعنی جان یا روح موت کے وقت اپنے بدن سے جدا ہونے کا ذائقہ چکھتی ہے اور اس ذائقے کو محسوس کرتی ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بدن کے مرنے سے نفس یعنی جان یا روح نہیں مرتی بلکہ وہ زندہ ہوتی ہے۔ کیونکہ جو کوئی چکھتا ہے وہ موجود اور زندہ ہوتا ہے جب کہ مردہ جسم چکھ نہیں سکتا اس لیے کہ چکھنا ایک شعوری حالت ہے جس کو صرف ایک زندہ وجود ہی محسوس کر سکتا ہے۔''

قرآن نے اپنے اس مضمون کو کہ ہر شخص نے موت کا مزا چکھنا ہے، تصریفِ آیات کے اسلوب میں کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ الانبیاء میں ہے کہ:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۝﴾ (الانبیاء 21: 35)

''ہر جان کو موت کا مزا چکھنا ہے اور تم لوگوں کو ہم دُکھ اور سکھ دے کر آزما رہے ہیں۔ آخر تمہیں ہمارے پاس آنا ہے۔''

پھر سورۃ العنکبوت میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ قف ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۝﴾ (العنکبوت 29: 57)

''ہر جان کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ پھر تم سب کو ہماری طرف ہی آنا ہے۔''

﴿وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ﴾ (آل عمران: 185)

فرمایا قیامت کے دن عدل و انصاف ہوگا۔ تم لوگوں کو تمہارے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تُوَفَّوْنَ (تمہیں پورا بدلہ دیا جائے گا) میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کچھ بدلہ دنیا میں بھی دیا جائے گا مگر پورا بدلہ آخرت میں ملے گا۔ ؎

پُرسشِ اعمال فقط حشر پہ موقوف نہیں
زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

Marfat.com

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آخرت سے پہلے برزخی زندگی میں بھی ثواب و عذاب ہوتا ہے۔ بلکہ اس دنیا میں بھی نیک و بد اعمال کا کچھ نہ کچھ بدلہ مل جاتا ہے۔ نیک لوگوں کو نیک نامی اور اطمینانِ قلب کی صورت میں اور برے انسانوں کو بدنامی اور بے سکونی کی شکل میں۔

پھر فرمایا جسے دوزخ سے بچالیا گیا اور اُسے جنت میں داخلہ مل گیا تو وہی کامیاب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے اور دنیا کی کامیابیاں عارضی اور بے حقیقت ہیں۔

آیت میں آخرت کی نجات کو دوزخ سے بچا لیے جانے سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ سب کو پہلے پل صراط اور دوزخ کے اوپر سے گزارا جائے گا اور جہنم سے بچنا ہی جنت میں داخل ہونا ہے۔

﴿وَ اِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا ۚ کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا ﴾ (مریم 19 : 71)

''تم میں سے کوئی نہیں جس کا دوزخ پر سے گزر نہ ہو۔ یہ تمہارے رب کی طے شدہ بات ہے جو پوری ہو کر رہے گی۔''

پھر نیک انسانوں کو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا جائے گا اور برے لوگوں کو دوزخ میں گرایا جائے گا۔

﴿ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْھَا جِثِیًّا ﴾ (مریم 19 : 72)

''پھر ہم اُن لوگوں کو بچالیں گے جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور ظالموں کو اُس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔''

﴿وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ (آل عمران : 185)

فرمایا یہ دنیا کی زندگی، مال و دولت، عیش و عشرت، منصب و اقتدار سب متاعِ غرور یعنی دھوکے کی چیز ہے۔ کیونکہ دنیا دار ہمیشہ ان کی وجہ سے دھوکے میں رہتا اور ان میں مگن ہو کر اپنی آخرت برباد کر لیتا ہے۔ ؎

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
فریبِ سود و زیاں، لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

قرآن نے تصریفِ آیات کے اسلوب میں اسی مضمون کو کئی اور مقامات پر بھی بیان کیا ہے:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیَاۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرَاہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَیَاۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ (الحدید 57 : 20)

''دیکھو، دنیا کی زندگی نام ہے کھیل تماشے کا، نمود و نمائش کا، ایک دوسرے پر فخر کرنے کا، اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھنے کا۔ اِس کی مثال ایسے ہے جیسے زمین پر بارش برسی۔ پھر اُس کی

Marfat.com

پیداوار دیکھ کر کسان خوش ہوئے۔ پھر وہ کھیتی خشک ہو کر زرد نظر آنے لگی اور پھر چورا چورا ہو کر رہ گئی۔ اِس زندگی کے بعد آخرت میں یا سخت عذاب ہے، یا اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی۔ اور یہ دنیا کی زندگی تو دھوکے کا مال ہے۔''

اسی طرح سورہ لقمان میں ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ز وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا ط اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا قفة وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ o﴾ (لقمان 31: 33)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اُس دن سے ڈرو جب نہ کوئی باپ اپنی اولاد کے کام آئے گا اور نہ اولاد اپنے باپ کے کام آئے گی۔ بے شک اللہ کا یہ وعدہ سچا ہے۔ لٰہذا نہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں ڈالے اور نہ شیطان دھوکے باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے پائے۔''

لٰہذا خوش نصیب اور سعادت مند وہ ہے جو دنیا پرستی کے فریب میں مبتلا نہیں ہوتا۔ بلکہ اچھے اعمال کے ذریعے اپنے لیے آخرت کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔ جسے دنیا کی فکر سے زیادہ آخرت کی فکر لاحق رہتی ہے۔

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۣ﴾ (آل عمران: 186)

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو غزوہ اُحد میں جس آزمائش سے دوچار ہونا پڑا، اس طرح کی مزید جانی اور مالی آزمائشوں سے آیندہ بھی سابقہ پیش آنے والا ہے، جن کا سامنا کرنے کے لیے اُن کو صبر اور تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔ تاکہ جب کوئی آزمائش آئے تو وہ واویلا نہ کریں بلکہ خندہ پیشانی کے ساتھ مشکل حالات کا مقابلہ کریں۔

یہی مضمون سورۃ البقرہ آیت 155، 156 میں بھی گزر چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

﴿وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًی كَثِیْرًا ط﴾ (آل عمران: 186)

فرمایا مسلمانوں کو یہودیوں، عیسائیوں اور کفار و مشرکین کی طرف سے ذہنی اذیت دی جائے گی۔ دین اسلام پر طعنہ زنی ہوگی۔ مسلمانوں پر جھوٹے الزامات لگائے جائیں گے اور اُن کو تنگ اور پریشان کرنے کا ہر حربہ آزمایا جائے گا۔ اُن کو کبھی بنیاد پرست کہا جائے گا کبھی دہشت گرد۔

تاریخ گواہ ہے کہ اہل کتاب اور اہل کفر و شرک کی طرف سے مسلمانوں کو ایذا رسانی کا سلسلہ عہدِ نبوی سے لے کر آج تک جاری ہے۔ عالم کفر کو اسلام کا وجود ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ کفار سے مسلمانوں کی کوئی کامیابی دیکھی نہیں جاتی۔ وہ اہل اسلام سے ہمیشہ بغض و عناد رکھتے ہیں۔

﴿وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝﴾ (آل عمران: 186)

Marfat.com

فرمایا، ہر قسم کی آزمائشوں میں اور کفر و شرک کرنے والوں کی طرف سے الزام تراشی اور میڈیا وار (Media War) کے مقابلے میں ہر طرح کے حالات میں اہل ایمان کو صبر اور تقویٰ اختیار کرنا ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ دونوں چیزیں معمولی نہیں ہیں بلکہ ان کو اختیار کرنا بڑی ہمت کا کام ہے اور اسی لیے ان پر اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ٘ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا١ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ١ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ١ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۠ ﴿۱۸۹﴾ ع ۱۹ ۱۰

(آل عمران : 187 تا 189)

”یاد کرو جب اللہ نے اہل کتاب سے اس بات کا عہد لیا کہ لوگوں کے سامنے اللہ کی کتاب کو ٹھیک ٹھیک بیان کرنا اور اس کی کوئی بات نہ چھپانا۔ مگر انہوں نے اِس حکم کو پس پشت ڈال دیا، اور اس کے بدلے میں دنیا کا حقیر مال حاصل کرنے لگے۔ کیسی بری چیز ہے جو انہوں نے خریدی!

(اے نبی ﷺ!) جو لوگ آج اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے ایسے کاموں کی تعریف کی جائے جو انہوں نے کیے نہیں، تو آپ ﷺ ان کو عذاب سے بری نہ سمجھیں۔ اُنہیں دردناک عذاب ہوگا۔ یاد رکھو! آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ کی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

لَتُبَیِّنُنَّهٗ:......(ب ی ن) ضرور تم بیان کرو گے۔

بِمَا اَتَوْا:......اس وجہ سے جو کچھ انہوں نے کیا۔ اَتٰی اور جَاءَ کے معنی فَعَلَ کے بھی آتے ہیں۔ جیسا کہ آیا ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا فَرِیًّا﴾ ”بے شک تم نے بڑا طوفان کر ڈالا۔“

مَفَازَةٍ:......(ف و ز) کامیابی۔

Marfat.com

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ٘ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾﴾ (آل عمران: 187)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے اہل کتاب...... یہود و نصاریٰ...... کے علما سے یہ عہد لیا تھا کہ تم اللہ کی کتاب...... توریت اور انجیل...... کو لوگوں کے سامنے صحیح بیان کرو گے اور حق بات کو ہرگز نہیں چھپاؤ گے۔ مگر انہوں نے اس عہد کو توڑا، ٹھکرا دیا اور اس کے ذریعے دنیا کا حقیر فائدہ حاصل کیا۔ اس طرح اہل کتاب کے عالموں نے اللہ تعالیٰ سے بدعہدی کر کے، حق باتوں کو چھپا کر اور دنیا پرستی اختیار کر کے بہت ہی برا کام کیا۔

افسوس آج ہمارے علماء و مشائخ کی اکثریت نے بھی یہود و نصاریٰ کے علما کی یہی غلط روش اختیار کر رکھی ہے۔ اس لیے جہاں ایک طرف جاہلوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دین کا علم سیکھیں، وہاں دوسری طرف عالموں کا یہ فرض ہے کہ وہ دوسروں کو دین کا علم سکھائیں اور اُن تک حق بات پہنچائیں۔

﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸۸﴾﴾ (آل عمران: 188)

اس سے پہلے اہل کتاب کے علما کے بارے میں تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بدعہدی کی۔ کتابِ الٰہی کو لوگوں کے سامنے ٹھیک ٹھیک بیان نہ کیا۔ اِس کے علاوہ اب اُن کی ایک اور بری حرکت کا ذکر ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو بدل ڈالا۔ اُس کی لفظی و معنوی تحریف کر ڈالی۔ حق و باطل کو گڈ مڈ (MIX UP) کر دیا۔ حق بات کو چھپایا۔ خود گمراہ ہوئے، اوروں کو گمراہ کیا۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود وہ لوگوں کے پیشوا اور مقتدا بنے رہے اور چاہتے تھے کہ لوگ ہر وقت ان کی تعریف و تحسین کرتے رہیں۔ لیکن یہ علمائے سوء اس خیال میں نہ رہیں کہ وہ عذاب سے نجات پائیں گے بلکہ ان کو دنیا اور آخرت میں اپنے کیے کی دردناک سزا بھگتنی پڑے گی۔

اِس مقام پر ﴿لَا تَحْسَبَنَّ﴾ ''تو ہرگز خیال نہ کر۔'' کے بعد ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ﴾ ''پھر تو ہرگز خیال نہ کر۔'' آ گیا ہے جو عربی کے اس اسلوب کے مطابق ہے جب کلام طویل ہو جائے تو تاکید اور وضاحت کے لیے دوبارہ پہلے فعل کو لایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ فعل سے پہلے بعض اوقات فائے زائدہ (ف) بھی لے آتے ہیں جیسا کہ ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ﴾ میں فَ آیا ہے۔ اس اسلوب کی دلیل یہ مصرع ہے۔ ؎

فَاِذَا هَلَكْتُ فَعِنْدَ ذٰلِكَ فَاجْزَعِیْ

''پھر جب میں مرجاؤں تو اے عورت! تو جزع فزع اور واویلا کر لینا۔''

﴿وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾﴾ (آل عمران: 189)

اب یہ مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ غم نہ کرو، کمزور نہ پڑو، حق کو بیان کرو، حق کو نہ چھپاؤ۔ تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور احکام کو دنیا کے حقیر مال کے عوض نہ بیچنا۔ اپنے نیک اعمال پر نہ اترانا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سارے رنج و غم دور کر دے گا۔

Marfat.com

مشکل کے بعد آسانی پیدا فرمائے گا۔ تمہیں تمہارے دشمنوں کی طرف سے ایذا رسانی اور تکلیفوں سے بھی وہی بچائے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ
لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ
قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَكَ فَقِنَا
عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ط
وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا
یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ
لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ ج
رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ط
اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿١٩٤﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ
عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ج بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ج
فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ
وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط وَ
اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾

Marfat.com

(آل عمران : 190 تا 195)

''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، اور رات دن کے باری باری آنے میں، اُن لوگوں کے لیے اللہ کی بہت نشانیاں ہیں جو عقل والے ہیں۔ جو کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر ہر وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں ''اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے۔ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا! اے ہمارے رب! جسے تو نے دوزخ میں ڈالا اُسے تو نے واقعی ذلیل کر دیا۔ وہاں ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلا رہا تھا، اے لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے۔ ہماری برائیوں کو ہم سے دور فرما! ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ ہو! اے ہمارے رب! ہمیں وہ سب کچھ عطا فرمانا جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے وعدہ کیا اور قیامت کے دن ہمیں رُسوا نہ کرنا! بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اور پھر اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول فرمائی۔ ''اے میرے بندو! میں تم میں سے کسی نیک کام کرنے والے کو اُس کی نیکی کے اجر سے محروم نہیں کروں گا، خواہ وہ نیکی کسی مرد نے کی ہو یا عورت نے، کیونکہ تم سب انسان ہو...... اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی، اپنا گھر بار چھوڑا، جو میری راہ میں ستائے گئے، جنہوں نے جہاد کیا اور شہید ہوئے، میں ضرور اُن کی خطائیں اُن سے دور کروں گا، اور اُن کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن میں نہریں جاری ہوں گی اور یہ سب اللہ کی طرف سے انہیں اجر ملے گا، اور بہترین اجر اللہ ہی کے پاس ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

جُنُوبِهِمْ:...... (اُن کے پہلو، کروٹیں) یہ جَنْبٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں پہلو، کروٹ۔

اَخْزَيْتَهٗ:...... (خ ز ی) تو نے اُس کو ذلیل، رُسوا کیا۔

مُنَادِيًا:...... (ن د ی) پکارنے والا، بلانے والا۔

يُنَادِيْ:...... (ن د ی) وہ پکارتا، بلاتا ہے۔

اَلْاَبْرَارِ:...... (نیک لوگ) اس کا واحد برٌّ یا بارٌّ ہے جس کے معنی ہیں نیک آدمی۔

تُخْزِنَا:...... (خ ز ی) تو ہمیں ذلیل، رُسوا کر۔

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝۱۹۰﴾

(آل عمران : 190)

Marfat.com

قرآن حکیم کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ اپنا سلسلۂ کلام طویل ہو جانے کے بعد پھر اپنی اصل دعوت...... رجوع الی اللہ...... کی طرف لوٹ آتا ہے۔ ان آیات میں انسان کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات پر غور و فکر کرے تا کہ وہ مخلوق سے ایک خالق کا، ربوبیت سے ایک رب کا، رحمت سے ایک رحیم کا، قدرت سے ایک قادر کا، صنعت سے ایک صانع کا، نظم سے ایک ناظم کا اور حکمت سے ایک حکیم کا تصور کر سکے۔ پھر توحید کا یہی تصور اس کے دل و دماغ کا پختہ عقیدہ اور یقین محکم بن جائے۔ وہ خالق کائنات اللہ سبحانہٗ پر ایمان لائے، اُس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی دعوت پر لبیک کہے۔ اپنے مقصدِ حیات کو سمجھتے دنیا کی عارضی اور فانی زندگی کے حصول میں مگن رہنے کی بجائے آخرت کی ابدی زندگی کے لیے تیاری کرے۔ وہ اللہ سبحانہٗ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اُس کا فرماں بردار بنے، اُس کے نازل کردہ احکامات پر چلے، تا کہ مرنے کے بعد وہ اپنے رب کی جنت کی لازوال نعمتیں پا سکے۔

اِس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ عقل مند انسان غفلت میں نہیں پڑے رہتے۔ بلکہ جب وہ اِس کائنات پر، آسمان و زمین کی عجیب و غریب تخلیق پر، دن رات کے بدلنے پر اور اُن کے گھٹنے بڑھنے پر غور و تدبر کرتے ہیں تو اُن کو وجودِ باری تعالیٰ اور توحید و وحدانیت کے بہت سے دلائل مل جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہ ہستی ہے جو خالق بھی ہے، رب بھی ہے، رحیم بھی ہے، مدبر و منتظم بھی ہے اور منعم و حکیم بھی ہے۔ اُن عقل والوں کو کائنات کے ہر گوشے میں حکمت اور مقصدیت (PURPOSEFULNESS) نظر آتی ہے، جو ایک زندہ اور باشعور ذہن کی کارفرمائی معلوم ہوتی ہے۔ وہ اپنے خالق و مالک پر ایمان لاتے اور صرف اُسے ہی عبادت کے لائق سمجھتے ہیں۔

﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ﴾ (آل عمران : 191)

یہ عقل مند انسانوں کا حال بتایا گیا کہ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی کو مانتے ہیں بلکہ اُس کو اُس کی تمام اعلیٰ صفات کے ساتھ مانتے ہیں۔ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے اُس کے ذکر اور اُس کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔ نماز میں قیام کرتے ہیں، ذکرِ الٰہی کی مجالس میں بیٹھتے ہیں، اپنے بستروں پر لیٹے ہوئے گویا ہر وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ نظامِ کائنات پر غور و فکر کرتے ہیں جس سے اُن کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

پھر چونکہ اللہ کی پہچان اور معرفتِ الٰہی کے لیے ذکر کے ساتھ فکر ضروری تھا اس لیے ذکر و فکر دونوں کو بیان کیا گیا۔ ایسے باشعور انسانوں کی زبانوں پر جو زمزمہ اور ترانہ ہوتا ہے وہ یہ ہے:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾﴾ (آل عمران : 191)

اے ہمارے رب! تو نے کوئی چیز باطل، بے کار اور بے مقصد پیدا نہیں کی۔ تیری ہر تخلیق میں قدرت، حکمت اور مقصدیت پائی جاتی ہے۔ ہم تجھے ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک اور مبرا سمجھتے ہیں۔ ہمیں ایسے کاموں کی توفیق دے جن پر عمل کرنے کے نتیجے میں ہم آخرت میں دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں اور تیری نعمتوں بھری جنت میں داخل ہو جائیں۔

Marfat.com

اس سے معلوم ہوا کہ جس علم سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور آخرت کا عقیدہ پیدا نہ ہو وہ علم بے کار ہے اور توحید و آخرت کے عقیدے کا منکر شخص جاہل اور پرلے درجے کا احمق ہے۔

مگر بے دین اور ملحد لوگوں کو اور کفار کو اس کائنات میں کوئی حکمت و مقصدیت نظر نہیں آتی وہ اسے باطل، عبث اور کھیل تماشا سمجھتے ہیں اور جانوروں جیسی زندگی گزارتے ہیں۔

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝﴾ (صٓ 38: 27)

''اور ہم نے آسمان کو، زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اس سب کچھ کو بے کار اور باطل پیدا نہیں کیا۔ ایسا گمان تو کافروں کا ہے، جن کے لیے دوزخ کی ہلاکت ہے۔''

دنیا پرست کفار تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا رام کی لیلا ہے۔ کسی کھلنڈرے کا کھیل ہے، سب کچھ خود بخود پیدا ہوا ہے اور پھر فنا ہو جائے گا۔ کائنات کی تخلیق میں کوئی مقصدیت و حکمت کارفرما نہیں۔ انسان کی زندگی کا مقصد بس یہی ہے کہ وہ کھائے پیے، چند دن عیش کرے اور پھر مر جائے۔ ع

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

''بابر خوب عیش کرلے کیونکہ دوبارہ یہ دنیا نہیں ملے گی۔''

﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝﴾ (آل عمران: 192)

اللہ تعالیٰ کے عقل مند اور باشعور بندے دوزخ کے عذاب سے بچنے کی دعا کرنے کے بعد وہاں کی ذلت و رسوائی سے بھی بچنا چاہتے ہیں اس لیے عذاب و ذلت دونوں سے محفوظ و مامون رہنے کی التجا کرتے ہیں کیونکہ سارے عذابوں سے بڑا عذاب یہ ہے کہ بندہ ذلیل و خوار ہو کر رہ جائے۔ آگے آیت 194 میں آخرت کی ذلت سے بچنے کے لیے پھر دعا کا ذکر ہے:

﴿وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ﴾ (آل عمران: 194)

''اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ آخرت میں دوزخیوں کے لیے عذاب کے علاوہ ذلت و رسوائی کا سامان بھی ہوگا۔

﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى﴾ (حٰمٓ السجدہ 41: 16)

''اور آخرت کا عذاب تو زیادہ ذلت ناک ہے۔''

سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ

Marfat.com

اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ۝﴾ (الانعام 6: 93)

''آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم اللہ پر جھوٹی باتیں کہتے اور اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر سرکشی اور تکبر کرتے تھے۔''

یہ ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو نہ تو کائنات پر غور وفکر کرتے ہیں اور نہ راہِ حق پاتے ہیں تو آخرت میں ایسے ظالموں کو اُن کے اپنے ہی ظلم و گناہ کی سزا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے اُن کو کوئی بچا نہ سکے گا۔ کیونکہ کائنات پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ظاہر ہوتی ہے اور پھر اُس کی پکڑ بڑی سخت ہو سکتی ہے۔

﴿وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ۝﴾

(ہود 11: 102)

''اور آپ ﷺ کے رب کی پکڑ اسی طرح ہوتی ہے جب وہ بستیوں کو اُن کے ظلم پر پکڑتا ہے۔ بے شک اُس کی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہے۔''

بعض دوسرے مقامات پر بھی تصریف کے اسلوب میں آیا ہے:

﴿وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۝﴾ (البقرۃ 2: 270)

''اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔''

﴿وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۝﴾ (المائدہ 5: 72)

''اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔''

﴿رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖۗ﴾

(آل عمران: 193)

یہ بھی عقل والوں کی دعا کا حصہ ہے۔ وہ یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم نے ایک منادی کرنے والے یعنی حضرت محمد ﷺ کی آواز سنی یا قرآن کی دعوت سنی جو ایمان کی طرف پکارتی تھی کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم نے اس کی دعوت پر لبیک کہی اور ایمان لے آئے۔

بظاہر اس فقرے کے شروع میں ''رَبَّـنَا'' کا لفظ لانے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ مگر اس کے آنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دعا کرتے وقت دعا کرنے والوں کی پوری توجہ اور دھیان اپنے رب کی طرف ہوتا ہے اور وہ پورے انہماک کے ساتھ دوسری باتوں کا ذکر کرتے ہوئے بھی اسے نہیں بھولے۔

﴿رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝۱۹۳ۚ﴾ (آل عمران: 193)

پھر وہی عقل مند یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے ہیں اور نیک اعمال بھی کر رہے ہیں۔ مگر ہم سے جتنے گناہ سرزد ہوئے، وہ سب بخش دے، ہماری برائیوں پر پردہ پوشی فرما اور جب موت آئے تو ہمیں اپنے

Marfat.com

''ابرار'' یعنی نیک اور دین دار بندوں جیسی موت نصیب ہو اور ہمیں آخرت میں اُن کے ساتھ شامل رکھنا۔

اس جگہ دعا میں اللہ تعالیٰ سے تین چیزیں مانگی گئی ہیں:

1۔ گزشتہ گناہوں سے معافی اور بخشش

2۔ آیندہ کے گناہوں پر پردہ پوشی

3۔ نیک لوگوں جیسی موت اور مرنے کے بعد اُن کا ساتھ، معیت اور ہم نشینی

اِس دعا سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ دعا مانگنے والے اپنے رب سے ملاقات کا شوق رکھتے ہیں اور صحیح حدیث میں سیّدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ، اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ، كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ.))

(صحیح بخاری، رقم: 6507، صحیح مسلم، رقم: 6822، ترمذی، رقم: 2309، نسائی، رقم: 1838)

''جو شخص اللہ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے تو اللہ اُس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ بھی اُس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔''

اِس سے ملتی جلتی وہ دعا بھی ہے جو سیّدنا یوسف علیہ السلام نے مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ اُن کو آخرت میں نیک لوگوں میں شامل فرمالے۔

﴿رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۝﴾

(یوسف 12 : 101)

''اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت بخشی۔ باتوں کی تہ تک پہنچنے کا علم عطا کیا۔ اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے! تو ہی میرا کارساز ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ میں جب مروں تو فرماں برداری کی حالت میں اور دوبارہ اُٹھوں تو تیرے نیک بندوں کے ساتھ!''

﴿رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ (آل عمران: 194)

اِس دعا کے پہلے حصے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

1۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل کے ذریعے اہل ایمان سے جو وعدے کر رکھے ہیں اُن کے پورا ہونے کے لیے یہ دعا کی گئی ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے بارے میں یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ جو لوگ اُن پر ایمان لائیں گے، اُن کی اطاعت کریں گے تو اُن کو دنیا اور آخرت میں بہترین اجر و ثواب ملے گا۔

اس دعا کے آخرت ٹکڑے کا مضمون اوپر بھی گزر چکا ہے کہ: اہل ایمان ہمیشہ دوزخ کے عذاب اور وہاں کی ذلت و

Marfat.com

رسوائی سے بچنے کی دعا کرتے رہتے ہیں۔

﴿ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴾ (آل عمران: 194)

یہ بھی اوپر کی دعا ہی کا حصہ ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں پورا یقین ہے کہ تو کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور نہ کرے گا۔ تو نے دنیا کے بارے میں جو اہل ایمان سے وعدہ کیا ہے وہ بھی سچا ہے اور جو اُن سے آخرت کے حوالے سے وعدہ کر چکا ہے وہ بھی یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جو وعدے کر رکھے ہیں اُن کی مثالیں یہ ہیں۔

آیتِ استخلاف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو خلافتِ ارضی عطا فرمائے گا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ط وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ o﴾ (النور 24: 55)

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ انہیں زمین میں اقتدار دے گا، جیسا کہ اُن سے پہلے لوگوں کو اقتدار دیا تھا۔ اور اُن کے لیے اُس دین کو مضبوط قائم کرے گا جسے اللہ نے اُن کے حق میں پسند فرمایا ہے۔ اُن کے خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا۔ وہ صرف میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کریں گے تو وہ نافرمان ہوں گے۔"

اور یہ وعدہ خلافتِ راشدہ کی صورت میں پورا ہو چکا ہے۔ اگر مسلمان اس کی بنیادی شرائط آج بھی پوری کریں تو اللہ کا وعدہ موجود ہے۔ اسی طرح دنیا ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ بھی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ o﴾ (محمد 47: 7)

"اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی خدمت کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں سے آخرت میں جنت کا وعدہ کر رکھا ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o﴾ (التوبہ 9: 72)

"مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اُن کو ایسے باغ دے گا جن میں نہریں بہتی

Marfat.com

ہوں گی۔ وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے، اُن سدا بہار باغوں میں اُن کے لیے عالی شان مکان ہوں گے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔"

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ﴾ (آل عمران : 195)

اہل ایمان کے رب نے اُن کی یہ دعا قبول فرمالی، کیونکہ وہ اُس پر ایمان والے، اللہ کا ذکر اور اُس کی عبادت کرنے والے، کائنات پر غور وفکر کرنے والے، اپنے رب کو ہر عیب سے پاک جاننے والے، اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانے والے، اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی طلب کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی وگریہ زاری کرنے والے ہیں۔ لیکن دعا کی قبولیت کا انداز دوسرا ہوگیا ہے کہ جو کچھ مانگ رہے ہو وہ ملے گا مگر اس کے لیے صالح اعمال اور اخلاصِ نیت شرط ہے۔

اس آیت سے مراد اور عورت کے تمام نیک اعمال......نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے اجر وثواب میں مساوات اور برابری کا ثبوت ملتا ہے۔ دونوں کا یکساں انسان ہونا بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے میں سے ہو۔ مرد ایک عورت سے جنم لیتا ہے اور عورت ایک مرد کے نطفے سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان سے پیدا ہونے والے یکساں طور پر انسان ہیں۔

﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝﴾ (آل عمران : 195)

اِس مقام پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کی دعا کی قبولیت کے لیے پہلے تو نیک اعمال کو بنیاد اور وسیلہ بنایا۔ اس کے بعد فرمایا جن مردوں اور عورتوں نے دین کی خاطر اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دی، اپنا گھر بار چھوڑا، دین کی راہ میں تکلیفیں اور مصائب برداشت کیے، جہاد کیا اور شہید ہوئے......تو میں ان کے گناہ معاف کر کے ان کو جنت کے اُن باغوں میں داخل کروں گا جہاں نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ سب اللہ کی طرف سے اُس کے نیک بندوں کے اعمال کا ثواب اور بدلہ ہوگا۔ ظاہر ہے اتنا عمدہ اور بہترین صلہ اللہ سبحانہٗ کے سوا اور کون دے سکتا ہے؟

یہ بات کہ جنت لوگوں کو اُن کے اعمال کے بدلے میں ملے گی۔ سراسر اللہ تعالیٰ کی اُس کے بندوں پر شفقت و رحمت ہے تاکہ بندوں میں خود اعتمادی اور خودداری کا احساس پیدا ہو۔ ورنہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ کوئی شخص بھی محض اپنے اعمال کی بدولت جنت میں نہیں جا سکتا، اور جنت صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے فضل و احسان ہی سے کسی کو مل سکتی ہے۔

Marfat.com

(صحیح بخاری، رقم: 6463، صحیح مسلم، رقم: 7117، نسائی، رقم: 5037، ابن ماجہ، رقم: 4201)

اس مقام پر تین باتوں کے جواب میں تین امور بیان کیے گئے ہیں:

1۔ دعا کے اس حصے: ((فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا .)) "پس تو ہمارے گناہ بخش دے۔" کے مقابل میں قبولیت کے طور پر آیا ہے۔ ((لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ .)) "میں ضرور اُن کی خطائیں اُن سے دور کر دوں گا۔"

2۔ پھر ((وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ .)) "اور ہمیں وہ سب کچھ عطا فرمانا جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے وعدہ کیا۔" کے مقابل میں آیا ہے: ((وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ .)) "اور میں ضرور اُن کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن میں نہریں جاری ہوں گی۔"

3۔ آخرت میں ((وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ .)) "اور قیامت کے دن ہمیں رُسوا نہ کرنا۔" کے مقابل میں ((ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ .)) "یہ سب اللہ کی طرف سے اُن کو اجر ملے گا۔" آ گیا ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ قف
ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا
رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾ وَ اِنَّ مِنْ
اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ مَاۤ اُنْزِلَ
اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لا لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا قف وَ اتَّقُوا اللّٰهَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾ ع

الثلثة ع ٢٠ ١١

(آل عمران: 196 تا 200)

"(اے نبی ﷺ!) ملک کے اندر کافروں کی سرگرمیاں آپ ﷺ کو دھوکے میں نہ ڈالیں۔ اُن

Marfat.com

کے لیے چار دن کا عیش ہے۔ پھر اُن کا ٹھکانا جہنم ہے، جو بہت بری جگہ ہے۔ البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اُن کے لیے آخرت میں ایسے باغ ہوں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی، وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے اُن کی میزبانی ہوگی۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، نیک لوگوں کے لیے وہی بہتر ہے۔ (اے مسلمانو!) اہل کتاب میں ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس کتاب کو بھی مانتے ہیں جو تمہاری طرف بھیجی گئی اور اُس کتاب کو بھی مانتے ہیں جو اس سے پہلے خود اُن کی طرف اُتاری گئی۔ اُن کے دل اللہ کے آگے جھکے رہتے ہیں۔ وہ اللہ کی آیتوں کے عوض میں دنیا کا حقیر مال حاصل نہیں کرتے۔ یہی لوگ ہیں جن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اے ایمان والو! صبر سے کام لو، ثابت قدم رہو، دشمن کے مقابلے میں ہر وقت تیار رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

يَغُرَّنَّكَ:...... (غ ر ر) وہ تجھے دھوکا، فریب نہ دے۔

اَلْبِلَادِ:......اس کا واحد ہے بَلَدٌ جس کے معنی ہیں: شہر، آبادی، علاقہ۔

نُزُلًا:......مہمانی کا کھانا، ضیافت۔

صَابِرُوْا:...... (ص ب ر) مقابلے میں ثابت قدم رہو، ڈٹے رہو۔ اس کا مصدر مُصَابَرَۃٌ ہے جس کے معنی ہیں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا۔

رَابِطُوْا:...... (ر ب ط) تم لگے رہو، تیار رہو، سرحدوں کا دفاع کرو۔

﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾﴾ (آل عمران: 196-197)

اس آیت میں بظاہر نبی ﷺ سے خطاب ہے لیکن حقیقت میں یہ خطاب عام ہے اور اس میں تمام اہل ایمان مخاطب ہیں۔ مشہور تابعی قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

((واللہ ما غرّوا نبی اللہ ﷺ حتی قبضه اللہ.))

"اللہ کی قسم! نبی ﷺ کو کافروں کی سرگرمیوں نے ساری عمر کبھی دھوکے میں نہ ڈالا۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح قبض کر لی۔"

بعض صحابہ کرام کو کبھی یہ خیال آتا تھا کہ مشرکین قریش اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں لیکن اُن کو دنیا میں ہر طرح کا امن و چین حاصل ہے۔ وہ آزادانہ تجارتی سفر کرتے ہیں۔ اپنے معاملات اور کاروبار میں آزاد پھرتے ہیں۔ لیکن ہم اہل ایمان کیوں تنگ دست اور مشکل حالت میں ہیں۔ اس پر فرمایا گیا کہ کفار کو جو آج امن و آرام میسر ہے اور وہ اپنے کاروبار اور

Marfat.com

معاملات کے لیے جس طرح کی سرگرمیوں میں آزاد پھرتے ہیں۔ یہ اُن کا چند روزہ عیش ہے۔ جو جلد ختم ہونے والا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو ہرگز دھوکا نہیں کھانا چاہیے کہ کافروں سے اللہ تعالیٰ بھی خوش اور راضی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کو بالکل پسند نہیں کرتا۔

مرنے کے بعد اُن کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، جو بہت بری جگہ ہے، جہاں وہ اپنے کفروشرک کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

﴿لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝﴾
(آل عمران : 198)

کفار کا برا انجام بتانے کے بعد اب اہل ایمان کو اُن کے اچھے انجام کی خوش خبری دی گئی کہ اُن کے تقویٰ اور نیک اعمال کے صلے میں وہ آخرت میں جنت کے باغوں میں رہیں گے جہاں نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کا میزبان ہوگا اور وہ اللہ کے مہمان ہوں گے۔ جو عارضی نعمتیں آج کفار ومشرکین کو دنیا میں میسر ہیں اُن کے مقابلے میں اُن سے بہتر اور ابدی نعمتیں آخرت میں ایمان اور تقوے والے نیک سیرت لوگوں کو حاصل ہوں گی۔ اسی مضمون کو کہ اہل ایمان جنت میں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے، سورۃ الکھف میں بھی بیان کیا گیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝﴾
(الکھف 18 : 107۔108)

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، اُن کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغ ہوں گے۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ اس جگہ کو چھوڑنا کبھی پسند نہ کریں گے۔"

پھر "ابرار" یعنی نیک لوگوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اُن کو آخرت میں ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی۔

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝﴾
(المطففین 83 : 22)

"بے شک ابرار یعنی نیک لوگ (نعمتوں کی) جنت میں ہوں گے۔"

ابرار کو یہ بھی خوش خبری دی گئی ہے کہ جنت میں اُن کی تواضع اعلیٰ مشروبات کے ذریعے کی جائے گی۔

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝﴾
(الدھر 76 : 5۔6)

"بے شک نیک لوگ (ابرار) ایسے جام پیئیں گے جن میں کافور ملا ہوگا۔ ایک چشمے سے اللہ کے نیک بندے پیئیں گے۔ اُس میں سے جہاں چاہیں گے، اُس کی شاخیں اور نالیاں نکال لیں گے۔"

﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

Marfat.com

الۡحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ (آل عمران : 199)

اِس سے پہلے اسی سورت کی آیت 187 میں اہل کتاب کے برے علما کا ذکر آیا تھا۔ اب اُن کے اچھے علما کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا اور وہ اسلام لانے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے اور دین فروشی جیسا مکروہ کام نہیں کرتے تھے۔ اُن کے ایمان نے اُن میں اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع وخضوع بھی پیدا کر دیا ہے۔ وہ اللہ سبحانہٗ کے آگے عاجزی وانکساری کرتے ہیں۔ یہودی علما میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے لوگ انہی صفات کے حامل تھے۔

سنن نسائی میں سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت حبشہ کے حکمران نجاشی کی موت کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں اُس کی غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا فرمائی تھی۔

آخر میں فرمایا کہ ایسے نیک اہل کتاب کو بھی اللہ تعالیٰ نیک اور ابرار مسلمانوں کے ساتھ اپنی جنت میں جگہ دے گا۔ یہ دنیا بھی جلد ختم ہو جانے والی ہے اور آخرت میں لوگوں کے اعمال کا حساب لینے میں بھی اللہ تعالیٰ کو دیر نہیں لگے گی وہ اُن سے جلد حساب لے لے گا۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَ صَابِرُوۡا وَ رَابِطُوۡا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۰﴾﴾

(آل عمران : 200)

سورت کے اختتام پر اس جامع آیت کے ذریعے ایمان والوں کو مخاطب کر کے چار باتوں کی ہدایت فرمائی گئی:

1۔ مشکل حالات میں صبر کرنا۔

2۔ جنگ میں ثابت قدمی اور استقامت اختیار کرنا۔

3۔ دشمن کے مقابلے میں ہمہ وقت تیار رہنا۔

4۔ تقویٰ اختیار کرنا یعنی اللہ سے ڈرتے رہنا۔

ان میں سب سے پہلے صبر کرنے کا حکم ہے کہ بندہ اپنے رب کے احکام کی پابندی کرے، گناہوں سے بچے اور مصائب کو برداشت کرے۔ دین کی راہ میں جو مشکل بھی پیش آئے، اُس کا سامنا کرتے ہوئے صبر کرے۔ اہل ایمان میں صبر کا وصف ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر وہ ایمان کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے۔

پھر جنگ میں ثابت قدمی اور استقامت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ غزوہ اُحد میں اسی کی کمی نے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ جنگ سے بھاگنا اور میدانِ جنگ سے پیٹھ دکھانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے جس سے بچنا ہر مسلمان مجاہد کا فرض ہے۔

پھر دشمن کے مقابلے میں ہر وقت تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ کفر و اسلام اور حق و باطل میں ہمیشہ کشمکش اور جنگ رہتی ہے۔ اہل کفر کے مقابلے میں اہل اسلام کو ہمیشہ مستعد اور مسلح رہنے کی اور ملکی سرحدوں کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ سورہ الانفال میں ہے:

Marfat.com

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ (الانفال 8: 60)

''(اے مسلمانو!) جس قدر تم سے ہو سکے فوجی قوت اور گھوڑے تیار رکھو، جس سے اللہ کے دشمنوں پر، تمہارے دشمنوں پر اور اُن لوگوں پر تمہارا رعب رہے جنہیں تم نہیں جانتے لیکن اللہ جانتا ہے۔''

اس لیے مسلمانوں کو جدید ترین جنگی ساز و سامان اور اسلحہ سے لیس ہونا چاہیے۔

آخرت میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے احکامات کی پابندی کرے اور اُن کی خلاف ورزی کے برے انجام سے ڈرے۔

پھر سب سے آخر میں فرمایا کہ اگر تم مسلمان یہ چاروں چیزیں اختیار کرو گے تو تمہیں دنیا اور آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل ہوگی۔

جہاد اور تقویٰ اختیار کرنے سے مسلمانوں کو دنیا اور آخرت میں فلاح و کامرانی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس مضمون کو قرآن نے تصریفِ آیات کے اسلوب میں کئی جگہ بیان کیا ہے: جیسے

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (المائدہ 5: 35)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اُس کا قرب حاصل کرو اور اُس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

❀❀❀❀

Marfat.com

سُوْرَةُ النِّسَآءِ

یہ قرآن مجید کی چوتھی سورت ہے۔ اس کی 176 آیتیں اور 24 رکوع ہیں۔ اس سے پہلی سورت آل عمران سے اس کی چند مناسبتیں یہ ہیں:

1- سورۂ آل عمران کی آخری آیت میں تقویٰ کا ذکر آیا ہے:

﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۠﴾ (آل عمران 3: 200)

''اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو۔''

اور اب اس سورت کا آغاز بھی تقویٰ سے کیا گیا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ﴾ (النسآء: 1)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔''

2- پہلی سورت میں غزوۂ اُحد کا تفصیلی ذکر تھا۔ اب اُسی کے ضمن میں اس سورت میں بھی اُسی واقعے کی طرف یہ اشارہ ہے:

﴿فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَ اللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا۝﴾ (النسآء 4: 88)

''(مسلمانو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ بن گئے ہو۔ حالانکہ اللہ نے ان کے برے اعمال کی وجہ سے ان کو کفر کی طرف پھیر دیا۔ کیا تم چاہتے ہو اُن کو ہدایت دو جن کو اللہ نے گمراہ کر دیا؟ جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے تم سیدھی راہ نہیں پا سکتے۔''

3- پہلی سورت میں غزوۂ اُحد کے ساتھ ہی غزوۂ حمراء الاسد اس طرح مذکور تھا کہ:

﴿اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ۝﴾ (آل عمران 3: 172)

''وہ مومنین جو ایک چوٹ کھانے کے بعد دوبارہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی پکار پر جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے، ان میں سے جو نیک اور پرہیزگار ہیں اُن کے لیے بڑا اجر ہے۔''

اور اب اس سورت میں بھی اُسی واقعے کے حوالے سے یہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَ لَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ

Marfat.com

تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (النسآء: 104:4)

''اور دشمن کا پیچھا کرنے سے ہمت نہ ہارو۔ اگر تم دُکھ اُٹھاتے ہو تو تمہارا دشمن بھی تمہاری طرح دُکھ اُٹھاتا ہے۔ لیکن اللہ سے اجر وثواب کی جو اُمیدیں تم رکھتے ہو، وہ نہیں رکھتے، اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔''

زمانۂ نزول:

یہ سورت ہجرت کے بعد ۳ھ سے ۵ھ تک کے زمانے میں نازل ہوئی۔

اہم مضامین:

سورۃ النساء میں جن امور کا ذکر ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے:

1- تقویٰ اختیار کرنے کا حکم
2- تمام انسان ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا ہوئے ہیں۔
3- رشتہ داروں، یتیموں اور عورتوں کے بارے میں احکام
4- نکاح اور وراثت سے متعلق احکامات
5- مسلمانوں کے باہمی حقوق وفرائض اور سمع وطاعت کا نظام
6- اللہ کی راہ میں جہاد کا حکم
7- مسلمانوں کی جماعت کی اخلاقی تربیت
8- اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) سے بحث وجدال۔ اُن کے غلط عقائد کی تردید
9- منافقین کا ذکر
10- آخر میں اہل کتاب اور مشرکین کے بارے میں مزید کلام۔ اُن کے گمراہ کن نظریات پر تنقید اور اُن کو اسلام کی دعوت۔

❀❀❀❀❀

Marfat.com

اٰیَاتُھَا ـ 176 4 ...... سُوْرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ رُکُوْعُھَا ـ 24

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ①

(النسآء: 1)

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا اور پھر دونوں کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی بہت بڑی تعداد دنیا میں پھیلا دی۔ تم اللہ ہی سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داروں کے ساتھ قطع رحمی سے بچو۔ بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیت کی تفسیر:

بَثَّ: ......اُس نے بکھیر دیا، پھیلا دیا۔ یہ خَلَقَ کے بعد تکرار سے بچنے کے لیے اُس کے مترادف کے طور پر ہے۔

تَسَآءَلُوْنَ: ......(س ء ل) تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، مانگتے ہو۔ اصل میں تَسْئَلُوْنَ کی جگہ کثرت تعداد کو ظاہر کرنے کے لیے آیا ہے۔

رَقِیْبًا: ......نگہبان، محافظ، نگران۔

﴿ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ① ﴾ (النسآء: 1)

سورہ آل عمران کی آخری آیت میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب اس سورہ النسآء کا آغاز بھی تقوے کے حکم سے ہوا ہے۔ اس کے علاوہ سورہ الحج کے شروع میں بھی ہمیں یہی اسلوب ملتا ہے:

﴿ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ﴾ (الحج 22: 1)

Marfat.com

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔''

پھر سورہ لقمان میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۚ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا﴾ (لقمان 31: 33)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اُس دن سے ڈرو جب نہ کوئی باپ اپنی اولاد کے کام آئے گا اور نہ اولاد اپنے باپ کے کام آئے گی۔''

پہلی آیت ہی میں ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ ''(اے لوگو!)'' کہہ کر پوری انسانیت کو مخاطب کیا گیا ہے جس سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ قرآن ایک عالمگیر کتاب ہے اور محمد ﷺ کی نبوت و رسالت بھی ساری دنیا کے لیے ہے۔ اس لیے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے اُن کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے محسن و مربی ربِّ عظیم کے احکام پر عمل کریں، نیکی کو اختیار کریں اور برائی سے بچیں۔

تقوے کا حکم دینے کے بعد اپنی قدرت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ غور کرو تمہارے رب نے تم سب کو ''نفسِ واحدہ'' (ایک جان) سے پیدا کیا، اور وہ ہیں آدم علیہ السلام۔

پھر فرمایا: ﴿وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ یعنی اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا۔ اس سے حوا علیہا السلام مراد ہیں۔

بعض لوگ جن میں ابومسلم اصفہانی شامل ہیں ''مِنْهَا'' (اُس سے) سے ''مِنْ جِنْسِهَا'' (اس کی جنس سے) مراد لیتے ہیں اور اپنے حق میں قرآن سے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس میں ''مِنْ اَنْفُسِكُمْ'' (تمہاری جانوں سے) سے مراد ''مِنْ جِنْسِكُمْ'' (تمہاری جنس میں سے) ہے:

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝﴾ (الروم 30: 21)

''اور اُس (اللہ) کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کیے، تاکہ ان سے سکون حاصل کرو اور اُس نے تمہارے درمیان محبت اور الفت پیدا کی۔ بے شک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔''

اس کے علاوہ وہ لوگ یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ سورۃ الجمعہ میں آیا ہے کہ:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝﴾ (الجمعہ 62: 2)

''وہی (اللہ) ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں اُنہی میں سے ایک رسول (ﷺ) بھیجا۔''

اس جگہ بھی ''مِنْهُمْ'' (اُن میں سے) سے مراد ''مِنْ جِنْسِهِمْ'' (اُن کی جنس میں سے) ہے۔

Marfat.com

لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ زیر بحث آیت میں "مِنْهَا" (اُس سے) کے معنی "مِنْ جِنْسِهَا" (اُس کی جنس میں سے) لینا دو لحاظ سے صحیح نہیں ہے:

1۔ یہ معنی مراد لینے سے صحیحین کی اُس متفق علیہ حدیث کا انکار لازم آتا ہے جس میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ...... .))

(صحیح بخاری، رقم: 5186، صحیح مسلم، رقم: 3644)

"عورتوں سے بھلائی سے پیش آؤ کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں......"

اسی طرح صحیح مسلم میں بھی سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ الْمَرْءَ ةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ...... .)) (صحیح مسلم، رقم: 3643)

"بے شک عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے......"

اس حدیث میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ ہر عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حوا علیہا السلام کو بھی آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ صحیح حدیث کی موجودگی میں اس کے خلاف معنی مراد لینا درست نہیں ہوسکتا کیونکہ حدیث قرآن کی تشریح کرتی ہے اور اس کی تشریح حجت ہے۔

2۔ دوسرے اس آیت کا سیاقِ کلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ظاہر کرتا ہے کہ جس قادرِ مطلق خدا نے ایک جوڑے سے لاتعداد مردوں اور عورتوں کی نسل پیدا کر کے پوری دنیا میں پھیلا دی، اُسی کی یہ قدرت بھی ہے کہ وہ ایک زندہ وجود سے دوسرا زندہ وجود بغیر توالد و تناسل کے پیدا کرسکتا ہے۔

اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ اس مقام پر "مِنْهَا" (اس سے) اپنے حقیقی لغوی معنوں میں آیا ہے جیسا کہ ایک متفق علیہ حدیث میں ہے جس کی روایت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّىْ، فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِىْ .))

(صحیح بخاری، رقم: 3767، مسلم، رقم: 6307_6308)

"فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس سے دشمنی کی اُس نے مجھ سے دشمنی کی۔"

چونکہ اس سورت کا زیادہ حصہ خاندانی اور معاشرتی احکام پر مشتمل ہے اس لیے اس کا آغاز اس اسلوب میں کیا گیا کہ تمام انسان ایک باپ اور ایک ماں کی اولاد ہونے کے لحاظ سے ایک کنبہ اور خاندان کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے اُن کو ایک دوسرے کے حقوق و آداب کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ اُس نے آدم و حوا علیہما السلام کی نسل میں سے بے شمار اور لاتعداد مردوں اور عورتوں کو پیدا کر کے اُن کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا۔ اس میں "رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً" کے بعد كَثِيْرَاتٍ محذوف

Marfat.com

(Understood) ہے جو بلاغت کی وجہ سے حذف ہو گیا ہے جیسا کہ دوسرے مقامات پر بھی اس طرح کے حذف کی مثالیں موجود ہیں۔ سورۃ الاحزاب میں نیک مردوں اور عورتوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:

﴿وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (الاحزاب 33: 35)

''اور پاک باز مرد اور پاک دامن عورتیں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں...... ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور بڑا اجر رکھا ہے۔''

اس میں بترتیب فُرُوْجَهُنَّ اور الذّٰاكِرٰتِ کے بعد اللّٰهَ كَثِيْرًا کے الفاظ بلاغت کی وجہ سے حذف ہو گئے ہیں۔

یہی مضمون سورہ الاعراف میں بھی آیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾

(الاعراف 7: 189)

''وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ ایک دوسرے سے سکون حاصل کریں۔''

سورہ الزمر میں بھی یہی مضمون تصریف کے اُسلوب میں موجود ہے:

﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ (الزمر 39: 6)

''اُسی نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا۔''

پھر فرمایا اُس اللہ جل جلالہٗ سے ڈرو جس کے نام کا واسطہ دے کر ایک دوسرے سے اپنی حاجتیں کرتے اور حقوق مانگتے ہو اور قریبی رشتہ داروں کے معاملے میں ڈرو کہ قطع رحمی نہ کرو۔ ہمارے ہاں کی طرح اہل عرب میں بھی رواج تھا کہ وہ اللہ کے نام کا، یا قبیلے برادری کا واسطہ دے کر ایک دوسرے سے اپنے کام نکالتے تھے۔ اس لیے اُن کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے، اُس کی عظمت کا خیال رکھنے اور اُس کے حکموں پر چلنے کی تعلیم دینے کے لیے یہ اُسلوب اپنایا گیا۔

اس ایک ہی آیت میں دو بار تقویٰ اختیار کرنے کا حکم آیا ہے جس سے اس کی خاص اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

پھر اَرحام یعنی قریبی رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھنے، صلہ رحمی کرنے، قطع رحمی نہ کرنے اور اُن سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا۔ اس میں "وَالْاَرْحَامَ" کا عطف لفظ ''اللہ'' پر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے:

((واتقوا اللّٰہ واتقوا الارحام ان تقطعوھا.))

''اور اللہ سے ڈرو اور قریبی رشتہ داروں سے ڈرو کہ ان سے قطع تعلق نہ کرو۔''

رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنے کے حوالے سے چند احادیث یہ ہیں:

1۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

((مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّبسَطَ لَهٗ فِی رِزْقِهٖ وَیُنْسَاَلَهٗ فِیْ اَثَرِهٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَهٗ .))

(صحیح بخاری، رقم: 5986، صحیح مسلم، رقم: 6524، ابو داؤد، رقم: 1693)

''جسے یہ پسند ہو کہ اُس کی روزی میں اضافہ اور برکت ہو اور اُس کو لمبی عمر ملے تو اُسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔''

2۔ سیّدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ .))

(صحیح بخاری، رقم: 5984، صحیح مسلم، رقم: 6520، ابو داؤد، رقم: 1696، ترمذی، رقم: 1909)

''قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جا سکے گا۔''

3۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِئِ، وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا .))

(صحیح بخاری، رقم: 5991، ابو داؤد، رقم: 1697، ترمذی، رقم: 1908)

''صلہ رحمی کے بدلے میں صلہ رحمی کرنے والا، صلہ رحمی کرنے والا نہیں بلکہ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے قطع تعلقی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔''

آخر میں تنبیہ کے انداز میں فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ①﴾ (1)

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔''

وہ دیکھ رہا ہے کہ کون اس کے احکام کی سچی اطاعت کر رہا ہے اور کون نہیں کر رہا ہے۔ پھر وہ بندوں کے اعمال کے لحاظ سے اُن کو جزا و سزا دے گا۔

بالکل یہی اسلوب سورہ الاحزاب میں اختیار کیا گیا۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا۝﴾ (الاحزاب 33: 52)

''اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔''

یاد رہے کہ سورۃ النسآء کی یہ پہلی آیت نکاح کے خطبۂ مسنونہ میں بھی پڑھی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ تنبیہ کا یہی انداز ہمیں سورہ المجادلہ میں بھی ملتا ہے جہاں بعض احکام دینے کے بعد فرمایا گیا ہے:

﴿وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۝﴾ (المجادلہ 58: 6)

''اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔''

Marfat.com

وَ اٰتُوا الْیَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ص
وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا ۝۲
وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ
لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ
اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ط ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا
تَعُوْلُوْا ۝۳ ط وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط فَاِنْ طِبْنَ
لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا ۝۴

(النسآء: 2-4)

’’اور یتیموں کا مال اُن کے حوالے کرو۔ اپنے خراب مال کو اُن کے اچھے مال سے نہ بدلو۔ یتیموں کا مال اپنے مال میں ملا کر نہ کھاؤ۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے تو اُن سے نکاح کرلو جو تمہیں پسند ہوں، دو سے، تین سے، یا چار سے۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ زیادہ بیویوں کی صورت میں اُن کے درمیان انصاف نہیں کرسکو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو، یا جو کنیز تمہاری مِلک میں ہو۔ اس طرح تم ناانصافی سے بچ سکتے ہو۔ اور بیویوں کو اُن کے مہر خوش دلی سے ادا کرو۔ اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تمہارے لیے چھوڑ دیں تو اسے ہنسی خوشی سے کھاؤ۔‘‘

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

حُوْبًا:...... بڑا گناہ، بڑا وبال۔ (الحوب: الذنب العظیم، الکشاف)

مَا طَابَ:...... جو اچھا لگے، جو اچھی لگے۔

مَثْنٰی:...... دو دو۔

ثُلٰثَ:...... تین تین۔

رُبٰعَ:...... چار چار۔

مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ:...... (تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہوں) مراد ہیں لونڈیاں اور غلام۔

Marfat.com

تَعُوْلُوْا:......(ع و ل) تم ایک طرف جھک پڑو۔تم ناانصافی کرو۔

صَدُقَاتِ:......(مہر،حق مہر) اس کا واحد صَدُقَةٌ ہے۔

نِحْلَةً:......خوشی سے،خوشی کے ساتھ۔

طِبْنَ:......(ط ی ب) اُن کو اچھا لگے۔

هَنِيْئًا مَّرِيْئًا:......(ہ ن ء۔م ر ء) خوش ذائقہ،خوش گوار۔

﴿وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝﴾ (النسآء: 2)

یتیم وہ ہے جس کا باپ فوت ہو چکا ہو اور وہ ابھی بالغ نہ ہوا ہو۔یتیم لڑکا بھی ہو سکتا ہے اور لڑکی بھی۔

یہ یتیم کے ولی اور سرپست سے فرمایا کہ جب یتیم بالغ ہو جائے اور سمجھ دار ہو جائے تو اُس کا مال اُس کے حوالے کر دو۔اس دوران اپنے خراب مال کو اُن کے اچھے مال سے نہ بدل لو۔یا اپنے حلال مال کو یتیم کے مال سے جو تمہارے لیے حرام ہے، ملا کر اپنا سارا مال حرام نہ کر لو۔اُن کا مال اپنے مال میں اس طرح نہ ملا دو کہ معلوم نہ ہو کہ اُس میں یتیم کا مال کون سا اور کتنا ہے؟ بلکہ اُن کے مال کا صحیح حساب رکھو اور اُن کا مال ضائع ہونے سے بچاؤ۔یتیم کا مال کھانا حُـوْبًـا كَبِيْرًا یعنی بڑا گناہ اور پاپ ہے۔بلکہ کبیرہ گناہ ہے۔جس کی وضاحت آگے آیت 10 میں اس طرح کی گئی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۝﴾ (النسآء 4: 10)

''بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے بھرتے ہیں اور عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالے جائیں گے۔''

گویا یتیم کا مال کھانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ ایسا کرنے والا اگر توبہ کیے بغیر مر گیا تو دوزخ میں جائے گا۔

ایک متفق علیہ حدیث جس کو سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قَالُوْا: وَمَا هُنَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ.))

(صحیح بخاری، رقم: 2766، صحیح مسلم، رقم: 262، ابو داؤد، رقم: 2874، نسائی، رقم: 2874)

''سات مہلک اور تباہ کن چیزوں سے بچو۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ سات مہلک اور تباہ کن چیزیں کون سی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جادو کرنا، کسی جان کو قتل کرنا جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے

Marfat.com

وقت میدانِ جہاد سے بھاگنا، اور بھولی بھالی پاک دامن مسلمان عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔''

اس صحیح حدیث میں یتیم کا مال کھانے کو بھی مہلک کبیرہ گناہوں میں سے ایک شمار کیا گیا ہے۔

﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــــًٔـا مَّرِيْٓــــــًٔا ۝﴾

(النسآء: 3۔4)

دورِ جاہلیت میں عربوں میں رواج تھا کہ دولت مند یتیم لڑکیوں کی دولت ہتھیانے کے لیے اُن کے سرپرست اُن سے خود نکاح کر لیتے تھے اور اُن کو حق مہر نہیں دیتے تھے۔ اُن کے مال پر بھی غاصبانہ قبضہ کر لیتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے ہاں بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص غیلان بن سلمہ ثقفی کی دس بیویاں تھیں اور نبی ﷺ نے اُسے یہ ارشاد فرماتے ہوئے چار بیویاں رکھنے کی اجازت دے کر باقی عورتوں کو طلاق دلوا دی کہ:

((اَمْسِكْ اَرْبَعًا وَ فَارِقْ سَائِرَهُنَّ .))

(ترمذی، رقم: 1128، ابن ماجه، رقم: 1953، مسند احمد، رقم: 5027)

''چار رکھ لو اور باقی کو فارغ کر دو۔''

اس پر فرمایا گیا کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو دوسری غیر یتیم عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں، نکاح کر سکتے ہو۔ دو سے، یا تین سے یا چار عورتوں سے۔ اس طریقے سے تم اُن سے ظلم و زیادتی کرنے سے بچ جاؤ گے۔ اس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ کوئی مرد بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام میں مرد کو زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے مگر یہ حکم نہیں ہے کہ ہر مرد ضرور چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھے۔

اس طرح اسلام نے دورِ جاہلیت کے اس رواج کو جس کے مطابق مرد لاتعداد بیویاں رکھ سکتے تھے، ختم کر کے اسے چار بیویوں تک محدود کر دیا۔ البتہ لونڈیوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔

بعض لوگوں نے اس جگہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کی بجائے یتیموں کی ماؤں سے نکاح مراد لیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اس معاملے پر ہم نے آگے آیت 127 کی تفسیر میں بحث کی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

پھر فرمایا کہ اگر تم کو ناانصافی کا ڈر ہو کہ ایک سے زیادہ بیویوں کی صورت میں اُن کے حقوق میں عدل و انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔ یا لونڈیاں سے نکاح کر لو۔ یاد رہے کہ موجودہ دور میں اب کنیزوں سے نکاح کا تصور ختم ہو چکا ہے کیونکہ دنیا میں غلام لونڈی کا رواج باقی نہیں رہا۔

ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل و انصاف کے لیے صرف یہ ضروری ہے کہ سب کے لیے نان و نفقہ،

Marfat.com

رہائش اور اوقات وغیرہ میں برابری ملحوظ رکھی جائے۔ رہا دل کا معاملہ کہ وہ کسی ایک کی طرف زیادہ مائل ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ گرفت نہیں فرمائے گا۔ جیسا کہ نبی ﷺ آخری عمر میں اگرچہ اپنی زوجہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ دلی تعلق رکھتے تھے مگر ان کو بھی دوسری ازواج کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر کوئی خاص حق نہیں دیتے تھے بلکہ سب کے لیے باری مقرر تھی۔ آپ ﷺ یہ دعا فرماتے تھے کہ:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا قَسمِیْ فِیْمَا اَمْلِكُ فَلَا تُؤَاخِذْنِیْ فِیْمَا لَا اَمْلِكُ .))

(ابو داؤد، رقم: 2134، ترمذی، رقم: 1140، النسائی، رقم: 3943، ابن ماجه، رقم: 1917، دارمی، رقم: 2207)

"اے اللہ! میں نے اپنی توفیق کے مطابق باری تقسیم کر رکھی ہے۔ لہٰذا مجھے اس بارے میں نہ پکڑنا جس کا مجھے اختیار نہیں۔"

اِس آیت کی رُو سے اسلام میں تعدّدِ ازدواج (Polygamy) یعنی ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت ہے، اور وہ بھی عدل کے ساتھ مشروط ہے مگر جن قوموں اور معاشروں نے اس پر پابندی لگائی ہے اور صرف یک زوجگی (Monogamy) جائز رکھی ہے وہاں بے حیائی، فحاشی اور جنسی بے راہ روی پھیل گئی ہے۔

﴿وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝٤﴾ (النسآء: 4)

فرمایا جن عورتوں سے نکاح کرو تو اُن کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو۔ البتہ اگر بیوی اپنی خوشی اور آزاد مرضی سے مہر کی رقم کا کچھ حصہ معاف کر دے تو وہ مال تمہارے لیے جائز ہے جسے تم ہنسی خوشی مزے سے کھا سکتے ہو اور اپنے استعمال میں لا سکتے ہو۔

آیت میں "فَاِنْ وَهَبْنَ" کی جگہ "فَاِنْ طِبْنَ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ عورتیں کسی مجبوری یا دباؤ میں آ کر مہر میں سے کچھ معاف نہ کر دیں جب وہ اپنی آزاد مرضی اور خوشی سے ایسا کریں تو پھر یہ معاف کرنا درست ہوگا ورنہ جائز نہ ہوگا۔

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝٥ وَ ابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَ لَا تَاْكُلُوْهَاۤ

Marfat.com

اِسۡرَافًا وَّ بِدَارًا اَنۡ یَّکۡبَرُوۡا ؕ وَ مَنۡ کَانَ غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ وَ مَنۡ کَانَ فَقِیۡرًا فَلۡیَاۡکُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ اَمۡوَالَہُمۡ فَاَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِمۡ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیۡبًا ﴿۶﴾

(النسآء: 5_6)

''اور وہ مال و دولت جسے اللہ نے تمہارے لیے قیام اور بقا کا ذریعہ بنایا ہے، اُسے نادان یتیموں کے حوالے نہ کرو۔ بلکہ اُس میں سے اُن کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرو اور اُن سے بھلی بات کہو۔ اُن کی سمجھ بوجھ کا جائزہ لیتے رہو، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو کر نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر اُن میں ہوشیاری دیکھو تو اُن کا مال اُن کے حوالے کر دو۔ ایسا نہ کرو کہ فضول خرچی کر کے جلدی سے اُن کا مال کھا پی جاؤ کہ جب وہ بڑے ہوں گے تو اپنا مال مانگیں گے۔ وہ مال دار جو کسی یتیم کا سرپرست ہو، اُسے چاہیے کہ یتیم کا مال اپنے اوپر خرچ نہ کرے۔ لیکن محتاج سرپرست اپنی حاجت کے مطابق کھا سکتا ہے۔ پھر جب اُن کا مال اُن کے حوالے کرو تو اس پر لوگوں کو گواہ بنا لو۔ ویسے حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

قِیَامًا:......(ق و م) اس کے کئی معنی ہیں: کھڑے ہونا (مصدر)، کھڑے ہونے والے (قَائِمٌ کی جمع) اور ایسی چیز جس سے کسی کی بقا اور درستی وابستہ ہو اور اس جگہ یہی آخری معنی مراد ہیں۔

اُکۡسُوۡھُمۡ:......(ک س و) تم اُن کو پہناؤ، تم اُن کو کپڑا دو۔

اٰنَسۡتُمۡ:......(ء ن س) تم نے دیکھا، تم نے محسوس کیا، معلوم کیا۔

فَادۡفَعُوۡا:......(د ف ع) پس تم لوٹا دو، واپس کر دو۔

بِدَارًا:......(ب د ر) جلدی کر کے، جلدی جلدی۔

فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ:......(ع ف ف) پس چاہیے کہ وہ بچا رہے۔

حَسِیۡبًا:......(ح س ب) حساب لینے والا، حساب کرنے والا۔ اس کا مصدر حِسَابٌ ہے۔ یہ فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت مشبہ ہے اور اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔

Marfat.com

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝﴾ (النسآء: 5)

اس سے پہلے یہ حکم تھا کہ یتیموں کو اُن کے جوان ہو جانے پر اُن کے مال اُن کے حوالے کر دو۔ پھر بیویوں کو مہر دینے کا ذکر آیا۔ اب یتیموں کے سرپرستوں اور ولیوں سے فرمایا کہ یتیموں کا مال اُن کو اُن کی نا بالغی اور نا سمجھی کی عمر کے دوران میں نہ دو کہ کہیں وہ فضول خرچی میں اِدھر اُدھر نہ اُڑا دیں۔ کیونکہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت، انسانی زندگی کی ضرورت اور اس کے قیام و بقا کا ذریعہ ہے جسے بہر حال ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ یتیم جب تک بالغ اور سمجھ دار نہ ہو جائیں اُن کے مال سے اُن کی ضروریاتِ زندگی پوری کرتے رہو۔ اُن کو روٹی کپڑا اور دوسرے لوازمات و اخراجات دیتے رہو۔ اگر وہ وقت سے پہلے اپنا مال مانگیں تو اُن کو بھلے طریقے سے ٹالتے اور سمجھاتے رہو کہ یہ سب مال تمہارا ہی ہے جو جلد تمہارے حوالے کر دیا جائے گا۔

﴿وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَ لَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝﴾ (النسآء: 6)

یہ بھی یتیموں کے سرپرستوں سے فرمایا کہ یتیموں کی سمجھ بوجھ کا جائزہ لیتے رہو۔ یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر تک پہنچ جائیں اور بالغ اور سمجھ دار ہو جائیں۔ پھر جب تم دیکھو کہ اب وہ سمجھ بوجھ رکھتے ہیں تو اُن کے مال اُن کے حوالے کر دو۔ ایسا نہ کرو کہ اُن کا مال جلدی جلدی فضول خرچی میں اُڑا دو کہ جب یہ جوان ہوں گے تو اپنا مال مانگیں گے۔ یتیم کے سرپرست کے لیے ضروری ہے کہ اگر وہ خود مال دار اور خوش حال ہے تو یتیم کا مال اپنے اوپر خرچ نہ کرے۔ لیکن اگر وہ خود غریب اور محتاج ہے تو اپنی حاجت اور ضرورت کے مطابق یتیم کے مال میں سے کچھ اپنے لیے بھی خرچ کر سکتا ہے۔ پھر جب یتیموں کا مال واپس کرو تو اس موقع پر دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنا لو۔ ویسے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے اور گواہی کے لیے کافی ہے۔

یتیموں کو اُن کا مال اُن کے بالغ ہو جانے پر لوٹایا جا سکتا ہے لیکن اگر اُن میں سمجھ بوجھ کی کچھ کمی ہو تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ پچیس (25) برس کی عمر تک بہر حال اُن کو مال لوٹا دیا جائے گا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۖ
وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا

Marfat.com

قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝٧ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ
اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ
وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝٨ وَ لْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ
تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا
اللّٰهَ وَ لْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝٩ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ
اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ
سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝١٠ ع

ع ١٠ ١٢

(النسآء: 7۔10)

''ماں باپ اور دوسرے رشتے داروں کے ترکے میں سے مردوں کا بھی حصہ ہے، اور ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کے ترکے میں عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ ورثے کا مال تھوڑا ہو یا زیادہ، اُس کے سب حصے اللہ نے مقرر کر دیے ہیں۔ جب وراثت تقسیم ہو اور بعض غریب رشتہ دار، یتیم اور محتاج بھی وہاں آ موجود ہوں، تو اُس میں سے اُن کو بھی کچھ دے دو، اور اُن سے ہمدردی کی بات کہو۔ وارثوں کو بھی خیال رکھنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے چھوٹے بچے چھوڑ کر مرتے تو اُن کے لیے اُنہیں کتنی فکر ہوتی! لہٰذا اُن کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور ان غریبوں سے مناسب بات کہنی چاہیے۔ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے بھرتے ہیں، اور عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالے جائیں گے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

مَفْرُوْضًا:......(ف ر ض) فرض، مقرر۔

ضِعٰفًا:......(ض ع ف) ناتواں، کمزور، یہ ضَعِيْفٌ کی جمع ہے۔

سَدِيْدًا:......(س د د) درست، سیدھا، کھرا، کھری، یہ سَدَادٌ درست، سیدھا ہونا۔ مصدر سے صفت مشبہ ہے۔

سَعِيْرًا:......(س ع ر) دہکتی ہوئی آگ مراد ہے دوزخ۔

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ

Marfat.com

الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝﴾ (النسآء: 7)

اہل عرب دورِ جاہلیت میں اپنی عورتوں اور نابالغ بچوں کو وراثت میں سے کوئی حصہ نہ دیتے تھے۔صرف بالغ اور جوان بیٹوں کو ترکے کا وراث سمجھتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جو نوجوان گھوڑے پر بیٹھ کر دشمن سے لڑ سکتا ہے اور مالِ غنیمت حاصل کر سکتا ہے صرف وہی وراثت میں سے حصہ لے سکتا ہے۔

قرآن نے پہلی بار عورتوں کو بھی وراثت میں سے حصہ دلوایا اور نابالغ اولاد کو بھی ترکے میں سے وارث بنایا اور یہ اعلان کیا کہ عورت کو اس وجہ سے کہ وہ عورت ہے اور نابالغ بچوں کو اس سبب کہ وہ نابالغ ہیں، وراثت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے سب وارثوں کے حصے متعین کر دیے۔

بعد کی آیت گیارہ 11 نے اس آیت کی تشریح اور وضاحت کر دی ہے۔

﴿وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝﴾ (النسآء: 8)

اس آیت میں قرآن نے یہ ہدایت فرمائی کہ جب ترکہ تقسیم ہو تو اس موقع پر اگر کچھ غیر وارث رشتہ داروں میں سے مسکین ومحتاج یا یتیم نادار بچے آموجود ہوں تو ان سے خوش اخلاقی سے پیش آؤ اور جتنا ہو سکے اُن کو بھی تقسیم سے پہلے وراثت میں سے صدقہ وخیرات کے طور پر کچھ مال دے دو۔

بعد میں جب آیاتِ مواریث نازل ہو گئیں اور سب وارثوں کے حصے مقرر ہو گئے تو اس آیت کا حکم اکثر علماء کے نزدیک منسوخ ہو گیا ہے اور اس کی پابندی لازم نہیں رہی۔

﴿وَ لْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝﴾ (النسآء: 9)

یہ یتیموں کے سرپرستوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ یتیموں پر ظلم وزیادتی نہ کریں اور اُن سے برا سلوک نہ کریں کیونکہ اگر اُن کو مرتے وقت اپنے بچوں کے یتیم ہو جانے کا ڈر ہوتا تو اُن کو اس کی کتنی فکر اور پریشانی ہوتی اور اندیشہ لاحق ہوتا کہ کہیں دوسرے لوگ اُن کی اولاد پر ظلم وزیادتی نہ کریں۔ لہٰذا یتیم بچوں کو اپنی اولاد سمجھ کر اُن سے اچھا سلوک کرو اور اُن سے سیدھے منہ بات کیا کرو۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝﴾ (النسآء: 10)

فرمایا جو لوگ کمزور اور بے بس یتیموں کا مال ناحق طور پر کھاتے ہیں، وہ گویا اپنے پیٹ میں روٹی کے نوالے نہیں ڈالتے بلکہ دوزخ کی آگ کے انگارے بھرتے ہیں جو کہ اس حرکت کا قدرتی نتیجہ اور انجام ہے اور آخرت میں اُن کو جہنم کی بھڑکتی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

Marfat.com

اس سے معلوم ہوا کہ یتیم کا مال کھانے والا کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے۔ اگر اُس نے مرنے سے پہلے توبہ نہ کی اور متعلقہ افراد سے معافی نہ مانگ لی تو قیامت کے دن اُسے دوزخ کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔

قرآن وحدیث میں یتیموں سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (الانعام 6: 152)

''اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو۔''

ایک متفق علیہ حدیث، جسے سیّدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، میں رسول اللہ ﷺ نے یتیم کی پرورش کرنے والے کو جنت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

((اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهُ، وَلِغَيْرِهِ، فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا، وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى، وَ فَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا.))

(صحیح بخاری، رقم: 5304، صحیح مسلم، رقم: 7469، ابو داؤد، رقم: 5150، ترمذی، رقم: 1918)

''میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا، خواہ وہ یتیم اُس کا عزیز ہو یا غیر رشتہ دار ہو، جنت میں اس طرح ہوں گے، اور آپ ﷺ نے شہادت کی اُنگلی اور درمیانی اُنگلی کے ساتھ اشارہ فرمایا، اور دونوں اُنگلیوں کے درمیان کچھ خلا رکھا۔''

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿11﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ

Marfat.com

اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ
كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ
تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ
وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ
مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ
اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ﴿۱۲﴾

(النسآء: 11۔12)

''اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ وراثت میں لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دیا جائے۔ صرف لڑکیاں ہوں اور وہ دو یا دو سے زیادہ ہوں تو انہیں کل ترکے کا دو تہائی 2/3 ملے گا۔ اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اُسے آدھا ملے گا۔ میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا 1/6 حصہ ملے گا بشرطیکہ میت کی اولاد ہو۔ لیکن اگر اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ وراث ہوں تو ماں کو ایک تہائی 1/3 حصہ ملے گا اور باقی سارا باپ کو۔ اور اگر ماں باپ کے علاوہ میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں تو ماں کے لیے چھٹا 1/6 حصہ ہے۔ یہ تمام حصے میت کی طرف سے کی گئی وصیت کو پورا کرنے اور اُس کا قرض ادا کرنے کے بعد دیے جائیں۔ تمہارے باپ ہوں یا بیٹے، تم ان کے بارے میں نہیں جانتے کہ ان میں سے کون ہے جو تمہیں سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہے۔ یہ سب حصے اللہ نے مقرر فرمائے ہیں۔ بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

اور جو ترکہ تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اور اُن کی کوئی اولاد نہ ہو تو تمہارے لیے اُس میں آدھا حصہ ہے۔ اگر ان کی اولاد ہو تو پھر تمہارے لیے 1/4 حصہ ہے۔ یہ حصے ان کی وصیت پوری کرنے اور اُن کا قرض ادا کرنے کے بعد تقسیم کیے جائیں۔ جو ترکہ تم چھوڑ جاؤ اور تمہاری کوئی اولاد نہ ہو تو بیویوں کا چوتھائی 1/4 حصہ ہے اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر اُن کے لیے آٹھواں 1/8 حصہ ہے۔ یہ حصے بھی وصیت کی تعمیل اور قرض کی ادائیگی کے بعد دیے جائیں۔ لیکن اگر کسی ایسے شخص کا ترکہ ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد، اور اُس کا وارث صرف اُس کا بھائی یا بہن ہو، تو اُن میں سے ہر ایک کا

Marfat.com

چھٹا 1/6 حصہ ہے۔ اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی 1/3 حصے میں سب برابر شریک ہوں گے۔ لیکن یہ تمام حصے میت کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد دیے جائیں بشرطیکہ میت نے اپنی وصیت کے ذریعے کسی کی حق تلفی نہ کی ہو۔ اللہ کا یہ تاکیدی حکم ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا تحمل والا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

کَلٰلَۃً:...... وہ میت جس کے نہ اصول ہوں اور نہ فروغ۔ نہ والدین (باپ، دادا، پردادا) ہوں اور نہ اولاد (بیٹا، پوتا، پڑپوتا)۔

غَیۡرَ مُضَآرٍّ:...... (نہ ضرر/نقصان پہنچانے والا) یہ اصل میں مُضَارِرٌ اسم فاعل تھا۔

﴿ یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَہُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ ۚ وَ اِنۡ کَانَتۡ وَاحِدَۃً فَلَہَا النِّصۡفُ ؕ وَ لِاَبَوَیۡہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنۡ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنۡ کَانَ لَہٗۤ اِخۡوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ لَکُمۡ نَفۡعًا ؕ فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۱﴾ ﴾ (النسآء: 11)

یتیموں کے بارے میں احکام بیان کرنے کے بعد اب آیت 11 اور 12 میں وراثت کے احکام کا ذکر ہے۔ ان آیات کو "آیاتِ مواریث" (وراثت کے بارے میں آیات) کہا جاتا ہے۔

سب سے پہلے اولاد کے حصوں کا ذکر کیا گیا کہ بیٹے کا حصہ بیٹی سے دگنا ہے۔ یہ اس لیے کہ اسلام میں معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ مرد پر ہے اور وہی عورتوں کا کفیل ہے۔ عورتوں پر دوسروں کی کفالت کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی۔

پھر والدین کے بارے میں بتایا گیا کہ اگر اُن کی اولاد ہے تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو کل ترکے کا چھٹا حصہ 1/6 ملے گا۔ اگر اولاد نہیں ہے تو ماں کو 1/3 حصہ اور باقی 2/3 حصہ باپ کو مل جائے گا۔

اگر والدین کے علاوہ میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں تو ماں کو 1/6 حصہ ملے گا۔

پھر فرمایا کہ یہ تمام حصے وصیت پر عمل کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد وارثوں کو دیے جائیں گے۔ قرآن میں اگرچہ وصیت کا ذکر پہلے آیا ہے مگر ترتیب میں پہلے میت کے ذمے کا قرض ادا ہوگا اور پھر باقی مال میں سے وصیت پر عمل ہوگا۔ آخر میں فرمایا تم نہیں جانتے ہو کہ تمہارے باپ، یا بیٹے یا دوسرے رشتہ داروں میں سے کون تمہیں زیادہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس بات کو صرف اللہ تعالیٰ، جو کہ علیم وحکیم ہے، بہتر جانتا ہے، تم نہیں جانتے ہو اس لیے اُس کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق میراث تقسیم کیا کرو۔

﴿ لَا تَدۡرُوۡنَ اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ لَکُمۡ نَفۡعًا ؕ ﴾ "تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون ہے جو تمہیں زیادہ فائدہ پہنچانے

Marfat.com

والا ہے۔'' کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے: ﴿اَیُّھُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا﴾
''کہ اُن میں سے کون تمہارے لیے دین و دنیا کے لحاظ سے بہتر اور مفید ہے۔''

﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾﴾ (النسآء: 12)

اب وراثت میں میاں بیوی کے حصوں کا ذکر ہے۔ فرمایا جس بیوی کی اولاد نہ ہو، اُس کی میراث میں سے خاوند کو آدھا 1/2 حصہ ملے گا اور اولاد موجود ہونے کی صورت میں خاوند کو بیوی کے ترکے سے ایک چوتھائی 1/4 حصہ ملے گا۔ اسی طرح اگر خاوند کی اولاد نہیں ہے تو اس کی وراثت میں سے بیوی کو ایک چوتھائی 1/4 حصہ ملے گا اور اولاد کی موجودگی میں آٹھواں 1/8 حصہ ملے گا۔

پھر کلالہ کی وراثت کا ذکر کیا گیا۔ کلالہ وہ میت ہے جس کے نہ اصول ہوں یعنی نہ اُس کے والدین ہوں اور نہ دادا دادی، اور نہ اس کے فروع ہوں یعنی نہ اُس کی اولاد ہو اور نہ پوتے پوتیاں ہوں۔ البتہ اُس کے بہن بھائی موجود ہوں۔ پھر کلالہ مرد بھی ہو سکتا ہے اور عورت بھی کلالہ ہو سکتی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کلالہ وہ وارث ہے جس کے نہ اصول موجود ہوں اور نہ فروع۔ مگر یہ خیال قرآن اور اجماعِ امت کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن نے (النسآء 4:176) میں ﴿اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ﴾ ''اگر ایک آدمی مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو'' کہہ کر کلالہ کی تعریف خود بیان کر دی ہے۔

اس آیت میں کلالہ کے جن میں بہن بھائیوں کا ذکر ہے اس سے مراد اخیافی بہن بھائی ہیں جن کی ماں ایک ہوتی ہے لیکن باپ الگ الگ ہوتے ہیں۔ ان میں وراثت کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اگر ایک ہی بھائی یا بہن ہے تو ہر ایک کو کل میراث کا چھٹا حصہ 1/6 حصہ ملے گا۔ اگر دو یا دو سے زیادہ بہن بھائی ہوں تو اُن میں کل وراثت کا ایک تہائی 1/3 حصہ برابر برابر تقسیم ہوگا۔

یہ بھی فرمایا کہ میراث کی تقسیم میت کی وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد کی جائے گی۔ اس میں اگرچہ قرض کا ذکر وصیت کے بعد آیا ہے مگر حقیقت میں پہلے میت کا قرض ادا کیا جائے گا اور پھر اس کی وصیت پر عمل کیا جائے گا۔

پھر وصیت کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ ''غَیْرَ مُضَآرٍّ'' (نہ نقصان پہنچاتے ہوئے) ہونی چاہیے کہ اس کے ذریعے کسی حقیقی وارث کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔

Marfat.com

وصیت کے بارے میں شرعی احکام یہ ہیں:

1۔ کسی وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ قرآن مجید کی سورۃ النسآء (آیت 11، 12 وغیرہ) میں اللہ تعالیٰ نے تمام وارثوں کے حصے مقرر فرما دیے ہیں۔ اس سلسلے میں سورۃ البقرہ کی آیت 180 کا وصیت کا حکم منسوخ مانا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حدیث میں ہے کہ:

((لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ .)) (ابو داؤد، رقم: 2870، ترمذی، رقم: 2120، النسائی، رقم: 3671)

''وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں ہوسکتی۔''

2۔ غیر وارث کے لیے بھی زیادہ سے زیادہ کل مال کے ایک تہائی 1/3 حصے تک کی وصیت جائز ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اس کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا:

((اَلثُّلُثُ ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ .))

(صحیح بخاری، رقم: 2742، صحیح مسلم، رقم: 4209، ترمذی، رقم: 2116، النسائی، رقم: 3665)

''ایک تہائی (1/3) مال کی وصیت کردو اور یہ ایک تہائی (1/3) مال بھی بہت ہے۔''

3۔ اگر کسی شخص کے ذمے قرض ہو، یا اس کا کسی اور سے کوئی لین دین ہو، یا اس کے پاس کسی کی امانت ہو اسے چاہیے کہ وصیت کر جائے تاکہ اس کی اچانک وفات کی صورت میں بعد میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔ ایسی وصیت کرنا ضروری اور واجب ہے۔

4۔ وصیت تحریر کرلینی چاہیے اور اس پر دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنا لینا چاہیے۔

آخر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ علیم (جاننے والا، علم والا) ہے کہ وہ تمہارے تمام اعمال کو جانتا ہے اور اُن کا علم رکھتا ہے۔ پھر وہ حلیم (تحمل والا، بردبار، برداشت کرنے والا) ہے کہ تمہارے گناہوں پر تمہیں جلد نہیں پکڑتا بلکہ توبہ کے لیے مہلت اور ڈھیل دیتا ہے اور یہ بھی بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت، عنایت اور مہربانی ہے۔

اسلامی احکامِ میراث کے چند بنیادی اصول:

1۔ وراثت کا سبب یا تو نسب ہے یا نکاح۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی قریبی رشتہ دار وارث ہوسکتا ہے یا خاوند بیوی ایک دوسرے کے وارث ہوسکتے ہیں۔

2۔ صرف مرد ہی وارث نہیں ہوتے، عورتیں بھی وارث ہوتی ہیں۔

3۔ مساوی درجے کی قرابت ہو تو عام طور پر مرد کا حصہ عورت سے دگنا ہوتا ہے۔ جیسے بیٹا بیٹی، بہن بھائی اور خاوند بیوی۔

4۔ جن وارثوں کے حصے قرآن وحدیث میں متعین اور مقرر ہیں ان کو اصطلاح میں ''ذوی الفروض'' کہتے ہیں جیسے ماں باپ، خاوند، بیوی اور اولاد وغیرہ۔

Marfat.com

5۔ ذوی الفروض موجود نہ ہوں تو عصبات وارث بن جاتے ہیں جیسے، چچا، بھتیجا وغیرہ۔

6۔ ذوی الفروض اور عصبات موجود نہ ہوں تو ذوی الارحام وارث ہوں گے جیسے ماموں، بھانجا، نواسی وغیرہ۔

7۔ جس کا کوئی وارث نہ ہو اُس کی وارث اسلامی حکومت ہے۔

8۔ قرض اور وصیت کو پورا کرنے کے بعد وراثت تقسیم کی جائے گی۔

مزید تفصیلات کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تمام اجتماعی قوانین عمومی مفاد و مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں اور ان میں انفرادی مفاد سے زیادہ اجتماعی مفاد کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ یہی حال اسلام کے قانون وراثت کا بھی ہے۔ اس میں بھی انفرادی سے زیادہ عمومی مفاد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مگر قرآن حکیم کا یہ اعجاز اور کرشمہ ہے کہ اُس نے اپنے وراثت کے اجتماعی قانون میں بھی فرد کے مفاد کا تحفظ کرنے کے لیے وصیت کا ضمنی قانون جاری کر دیا ہے۔

وارثوں کے لیے قرآن کے مقرر کردہ حصص کے نظام میں یتیم پوتے کے لیے کوئی جگہ نہیں نکل سکتی تھی کیونکہ اس صورت میں درمیان کی کڑی گم ہوگئی تھی۔ اس لیے اُسے وراثت میں سے حصہ نہیں مل سکتا تھا۔ لیکن قرآن نے وصیت کا قانون جاری کر کے اس کمی کو پورا کر دیا۔ دادا اپنے یتیم پوتے کے حق میں کل میراث کے ایک تہائی حصے 1/3 تک وصیت کرنے کا مجاز ہے جس پر عمل ہونے سے یتیم کی کفالت کا پورا بندوبست ہو جاتا ہے۔ پھر جیسا کہ بعض مسلم ممالک میں اس وصیت کو از خود لازمی قرار دے کر قانونی طور پر لاگو کر دیا گیا ہے تو یہ اقدام بھی شریعت کے منشا کے خلاف نہیں ہے۔

لیکن جو لوگ یتیم پوتے کو ''قائم مقامی یا جانشینی'' کے نام نہاد اصول کے تحت اُسے وراثت میں حصہ دار بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو اُن کی یہ جسارت قرآنی احکام کی خلاف ورزی کے زمرے میں آتی ہے، کیونکہ:

1- قرآن حکیم کے مقرر کردہ چھ (6) بنیادی وارثوں ...... ذوی الفروض یعنی باپ، ماں، خاوند، بیوی، بیٹا اور بیٹی ...... میں سے جب صرف دو مردہ وارثوں ...... بیٹے اور بیٹی ...... کے لیے ''قائم مقامی یا جانشینی'' کا خود ساختہ اصول اپنایا جائے گا تو پھر اسی 'اصول' کا اطلاق دوسرے فوت شدہ ذوی الفروض کے لیے بھی ماننا پڑے گا۔ پھر جب فوت شدہ خاوند، فوت شدہ بیوی اور فوت شدہ ماں اور باپ کے حصے بھی نکالنے ہوں گے اور اس کے بعد ترکہ تقسیم ہوگا تو اس کے نتیجے میں قرآن کا پورا قانونِ میراث درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ اس خرابی کو ذیل کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

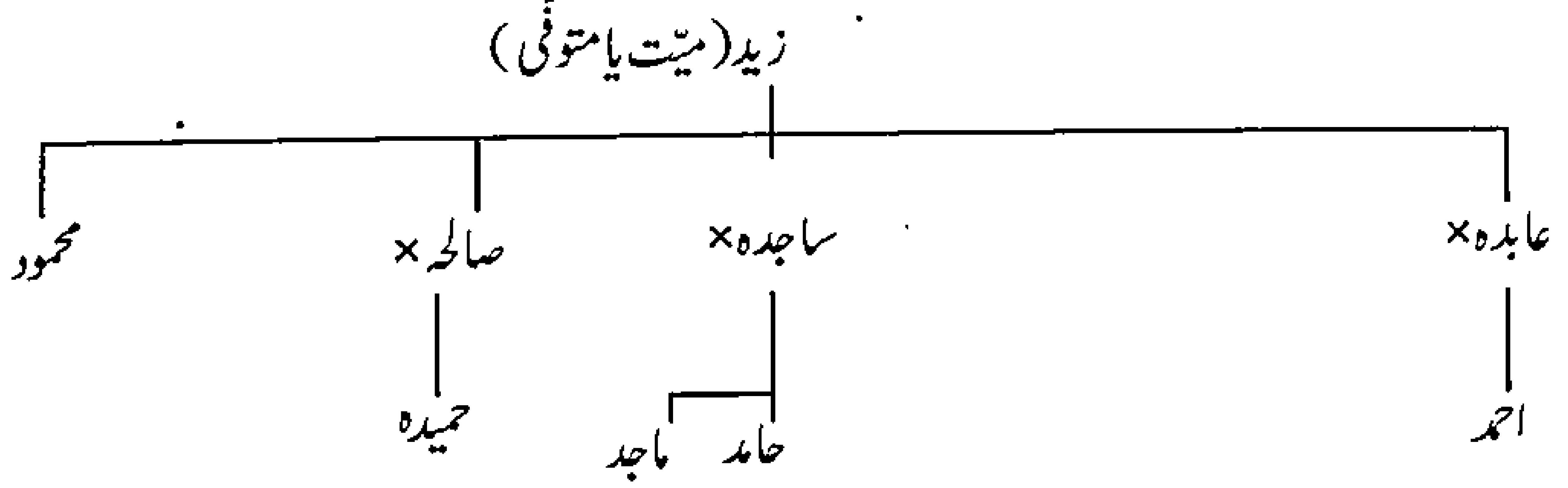

اس مثال میں زید دادا ہے جس کی وفات کے بعد اس کی وراثت تقسیم کرنی مطلوب ہے۔ اس کی تین بیٹیاں تھیں جو اُس کی زندگی میں فوت ہوگئی تھیں۔ اُس کا ایک بیٹا محمود زندہ ہے۔ مرحومہ بیٹیوں کی اولاد بھی زندہ ہے۔ اب اس مثال میں محمود جسے اصل میں ساری وراثت کا اکیلا وارث ہونا چاہیے تھا لیکن ''قائم مقامی اور جانشینی'' کے نام نہاد اصول کے مطابق اب اُس کے ساتھ اُس کی مرحومہ بہنوں کی اولاد بھی بہن بھائی بن کر وراثت میں سے حصہ پائے گی اور محمود کو کل وراثت کا صرف 2/9 حصہ ملے گا۔ حالانکہ اگر اُس کی تینوں فوت شدہ بہنیں اگر زندہ موجود ہوتیں تو قرآن کے حکم کے مطابق محمود کو 2/5 حصہ ملتا۔ آخر محمود کو 2/5 کی بجائے 2/9 حصہ دینا کیسے معقول اور درست ہوسکتا ہے اور یہ ظلم نہیں ہے۔

تقسیم وراثت کا یہ فارمولا کس قدر غیر معقول اور غیر منصفانہ ہے جس میں اکلوتے بیٹے کی موجودگی میں وراثت کا 7/9 حصہ دوسرے خاندانوں میں چلا گیا ہے۔

2- ''قائم مقامی یا جانشینی'' کا نام نہاد اور خود ساختہ اصول برتنے سے جب کسی فوت شدہ فرد کا حصہ نکال کر آگے اس کے قرآنی وارثوں کی بجائے صرف اُس کے بیٹے بیٹیوں ہی میں تقسیم کر دیا جائے گا تو فوت شدہ خاوند کی بیوہ کو، یا فوت شدہ بیوی کے خاوند کو کس قرآنی حکم کے تحت وراثت سے محروم کیا جاسکے گا؟ کیونکہ اس صورت میں وراثت میں سے اُن کی اولاد تو حصہ پائے گی مگر اُسی اولاد کے ماں باپ کو کچھ نہیں ملے گا اور وہ ترکے سے محروم رہیں گے۔

حاصل یہ کہ قرآن کی رُو سے تو یتیم پوتے کو وراثت میں سے حصہ نہیں مل سکتا البتہ وصیت کے قرآنی قانون کے ذریعے اُس کی کفالت و پرورش کا خاطر خواہ انتظام ہوسکتا ہے۔ لیکن جو لوگ ''قائم مقامی یا جانشینی'' کے من گھڑت اصول کے ذریعے یتیم پوتے کو وارث بناتے ہیں وہ قرآن حکیم کے پورے قانونِ وراثت کو بگاڑ دینا چاہتے ہیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ
يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع ۲/۱۴

Marfat.com

(النسآء: 13-14)

''یہ سب اللہ کی قائم کی ہوئی حدیں ہیں جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کریں گے، اللہ اُن کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ مگر جو شخص اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے اور اللہ کی قائم کردہ حدوں سے باہر نکل جائے تو اللہ اُسے دوزخ کی آگ میں ڈالے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اُسے ذلت والا عذاب دیا جائے گا۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

یَعْصِ:...... (ع ص ی) یہ اصل میں ''یَعْصِیْ'' (وہ نافرمانی کرتا ہے) تھا۔ اس کا مصدر ''عِصْیَانٌ'' ہے جس کے معنی ہیں نافرمانی کرنا۔

یَتَعَدَّ:...... (ع د و) یہ اصل میں تھا ''یَتَعَدّٰی'' (وہ حد سے گزرتا ہے، وہ زیادتی کرتا ہے)۔

مُھِیْنٌ:...... (ہ و ن) ذلیل، رُسوا کرنے والا۔

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۳﴾﴾ (النسآء: 13)

وراثت کے احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی شریعت کے احکام ہیں۔ جو لوگ ان کی پابندی اور پاس داری کریں گے ہر معاملے میں اللہ کی اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے تو وہ آخرت میں جنت کے اُن باغوں میں داخل ہوں گے جن میں نہریں جاری ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

آخر میں فرمایا جس شخص کو آخرت میں جنت مل گئی اُسے سب سے بڑی کامیابی حاصل ہوگئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا کی ہر کامیابی معمولی اور عارضی ہے۔ جبکہ حقیقی اور عظیم کامیابی آخرت کی کامیابی ہے اور وہ جنت کی ابدی نعمتیں ہیں جن کے حصول کے لیے ہر شخص کو پوری کوشش کرنی چاہیے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو ایک ہی فعل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ گویا دونوں کی اطاعت حقیقت میں ایک ہی چیز ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت کر دی کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کر لیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر لی۔

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النسآء 4: 80)

''جس نے رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت کی تو اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

پھر اس سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ جو آدمی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر محض اپنی عقل اور خواہشاتِ نفسانی کے سہارے زندگی گزارے گا اس کا انجام ناکامی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

قرآن نے اسی مضمون کو تصریفِ آیات کے اسلوب میں بعض دوسری جگہوں پر بھی بیان کر دیا ہے، جیسے سورۃ الفتح میں فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ (الفتح 48: 17)

''اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا، اللہ اُسے ایسے باغوں میں داخل کرے گا، جن میں نہریں بہتی ہوں گی، لیکن جو اس کے حکم سے منہ موڑے گا تو اسے وہ دردناک عذاب دے گا۔''

اسی طرح سورۃ الاحزاب میں بھی ہے کہ:

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ (الاحزاب 33: 71)

''اور جس نے اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کر لی اُس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔''

﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ (النسآء: 14)

اطاعت گزار بندوں کا ذکر کرنے کے بعد اب نافرمانوں کے بارے میں بتایا گیا ہے اور یہ قرآن کا وہ اسلوب ہے جو ترغیب و ترہیب کا اسلوب کہلاتا ہے۔ فرمایا: جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی نافرمانی کرے گا اور اللہ سبحانہٗ کی قائم کی ہوئی حدوں کو توڑے اور پھلانگے گا، اپنے گناہوں پر اصرار اور ضد کرے گا اور توبہ کیے بغیر مر جائے گا تو اُسے دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا اور اسے ذلت ناک عذاب دیا جائے گا۔

عربی زبان میں "مَنْ" کا حرف واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے۔ لیکن آیت 13 میں اس کے بعد "خَالِدِيْنَ" جمع آ گئی ہے اور آیت 14 میں خَالِدًا واحد آیا ہے۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اہل جنت بہن بھائیوں کی طرح مل جل کر عیش و آرام میں رہیں گے جب کہ اہل جہنم کا یہ حال ہوگا کہ ان میں سے ہر کوئی اپنے عذاب میں اس طرح مبتلا پائے گا کہ اُس کا نہ کوئی ساتھی ہوگا اور نہ کوئی غم خوار، بلکہ ہر دوزخی اپنے آپ کو اکیلا تنہائی کے عذاب میں گرفتار دیکھے گا۔

آیت کے اس مضمون کو تصریف آیات کے اسلوب میں بعض دوسرے مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ الاحزاب میں ہے کہ:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب 33: 36)

''کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لیے گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کے لیے اُس میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ اور جو اللہ اور اُس کے

Marfat.com

رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے گا، تو وہ کھلی گمراہی میں جا پڑے گا۔"

اسی طرح سورۃ الجن میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (الجن 72: 23)

"اور جو اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کریں گے تو اُن کے لیے جہنم کی آگ ہوگی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔"

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

(النسآء: 15-16)

"(مسلمانو!) تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں، اُن پر اپنے میں سے چار (4) گواہ طلب کرو۔ اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو، یہاں تک کہ موت اُن کا خاتمہ کر دے، یا اُن کے لیے اللہ کوئی اور راستہ نکالے۔ اور تم میں سے جو مرد اور عورت بدکاری کریں تو اُن کو ایذا دو۔ پھر اگر وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں، تو انہیں چھوڑ دو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَللّٰاتِيْ:...... (اسم موصول) وہ سب عورتیں۔ اس کا واحد ہے "اَلَّتِيْ" (وہ عورت)

يَاْتِيْنَ:...... (ء ت ی) وہ عورتیں آتی ہیں، کرتی ہیں، لاتی ہیں۔

اَلْفَاحِشَةَ:...... (بے حیائی کا کام) اس جگہ اس سے مراد زنا اور بدکاری ہے۔

اَللَّذٰنِ:...... (اسم موصول) وہ دو مرد، یہ اَلَّذِيْ کا تثنیہ (مثنیٰ) ہے۔

﴿وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝﴾

Marfat.com

(النسآء: 15)

فرمایا تمہاری عورتوں میں سے جو زنا کا ارتکاب کریں تو ان کا جرم ثابت کرنے کے لیے چار گواہ ضروری ہیں۔ اگر وہ گواہی دے دیں تو ایسی عورتوں کو اُن کے گھروں میں تا حیات محبوس رکھا جائے۔ اُن کو لوگوں سے ملنے جلنے نہ دیا جائے۔ یہاں تک کہ طبعی موت اُن کا خاتمہ کر دے یا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی اور راستہ نکالے۔ آیت سے اَلْمَوْتُ سے "مَلَكُ الْمَوْتِ" (موت کا فرشتہ) مراد ہے۔

زنا کی سزا کے بارے میں یہ ابتدائی عارضی حکم تھا جس کی طرف آیت کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں کہ: ﴿اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝﴾ "یا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی اور راستہ نکالے۔"

اس کے بعد جب سورۃ النور کی یہ آیت نازل ہوگئی کہ:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ص وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ج وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

(النور 24: 2)

"زانی عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو (100) کوڑے مارو۔ اگر تم اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے قانون کی تعمیل میں تمہیں ان دونوں پر رحم نہیں آنا چاہیے، اور ضروری ہے کہ دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ وہاں موجود ہو۔"

اُمت کے تمام مفسرین اور فقہا کا اس پر اِجماع ہے کہ سورۃ النور کی اِس آیت جلد کے حکم کا اطلاق صرف کنوارے غیر شادی شدہ آزاد مردوں اور عورتوں کے ارتکابِ زنا پر ہوتا ہے اور اُن کے لیے سو (100) کوڑوں کی حد ہے۔ اس حکم میں شادی شدہ زانی مرد اور عورتیں شامل نہیں ہیں بلکہ اُن کے لیے الگ سے سنت کی رُو سے رجم (سنگ ساری) کی حد مقرر ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحیح مسلم میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خُذُوْا عَنِّیْ، خُذُوْا عَنِّیْ، فَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا، اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَّ تَغْرِيْبُ عَامٍ، وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ.)) (صحیح مسلم، رقم: 4418)

"مجھ سے حکم لے لو، مجھ سے حکم لے لو، اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے طریقہ مقرر کر دیا۔ کنوارا، کنواری سے زنا کرے تو اس کی حد سو (100) کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے۔ اور شادی شدہ مرد، شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو اس کی سزا سو (100) کوڑے اور رجم (سنگ ساری) ہے۔"

سورۃ النسآء کی اس آیت 15 میں مذکور حکم تو منسوخ ہو گیا اور اس کی جگہ سورۃ النور کی آیت 2 کے حکم نے لے لی۔ جس کی تشریح میں سنت نے جرمِ زنا پر رجم (سنگ ساری) کی حد مقرر کر دی۔ مگر اس آیت میں چار مردوں کی گواہی کا جو

Marfat.com

نصاب بیان ہوا ہے وہ منسوخ نہیں ہوا بلکہ وہ بعد میں بھی قائم رہا اور آج تک قائم ہے۔

﴿وَ الَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾﴾ (النسآء: 16)

عام طور پر اس آیت سے بدفعلی کا جرم مراد لیا گیا ہے لیکن محققین کے نزدیک اہل عرب اس غیر فطری فعل سے بالکل نا آشنا تھے اور نزولِ قرآن کے وقت ایسا کوئی واقعہ بھی کبھی پیش نہیں آیا۔ اس میں مذکر کا صیغہ تغلیب کے قاعدے کے مطابق ہے جیسے ماں باپ کو والدین کہا جاتا ہے۔ اس لیے آیت میں ایسے مرد اور عورت دونوں مراد ہیں جو زنا کا ارتکاب کریں۔ ان کے بارے میں یہ ہے کہ ان کو ایذا دو یعنی ڈانٹ ڈپٹ کرو اور مار پیٹ کرو۔ پھر اگر وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں تو اُن کو چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ بھی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ہمارے نزدیک آیت کے الفاظ ﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ﴾ "تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو" سے اسلام میں قید کی سزا کا جواز نکلتا ہے۔

لیکن اس آیت کا حکم بھی سورۃ النور میں زنا کی حد نازل ہو جانے کے بعد منسوخ ہو گیا۔

حدِ زنا کے بارے میں تفصیل بحث انشاء اللہ سورۃ النور کی تفسیر میں کی جائے گی۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓىٕكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۷﴾ وَ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓىٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۸﴾

(النسآء: 17-18)

"اللہ کے ہاں صرف اُن لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو نادانی سے کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں، پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ معاف کر دیتا ہے، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

لیکن اُن لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برابر گناہ کرتے رہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے

Marfat.com

کسی کی موت کا وقت آ جائے تو وہ کہے ''میں اب توبہ کرتا ہوں۔'' اسی طرح اُن لوگوں کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی جو کفر کی حالت میں مرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

بِجَهَالَةٍ:......(ج ہ ل) یہ اصل میں بِ + جَهَالَةٍ ہے جس کے معنی ہیں نادانی سے۔ عربی زبان میں اس سے مراد انسان کی وہ ذہنی حالت ہے جب وہ عقل و ہوش کی بجائے جوش و جذبات سے کام لیتا ہے اور اپنے انجام کی پروا نہیں کرتا۔

اَلْـٰٔنَ:......اب (یہ اسم ظرف زمان ہے)۔ اس سے پہلی آیت 16 میں بدکاری کرنے والوں کی توبہ و اصلاح کا ذکر تھا۔ اب اسی مناسبت سے توبہ کے بارے میں فرمایا جو لوگ جہالت اور نادانی سے، یا جذبات کی رو سے بہہ کر کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں اگر وہ اس کے بعد اس سے جلد توبہ کر لیں، یا مرنے سے پہلے سچی توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول فرمالے گا، اور اُن کا گناہ معاف کر دے گا۔

﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝﴾ (النسآء: 17)

یاد رہے کہ آیت میں لفظ ''قَرِيْبٍ'' بعید کے مقابل میں نہیں آیا ہے کیونکہ دونوں کے بارے میں حکم ایک جیسا ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ﴾ (البقرۃ 2: 222)

''بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

آخر میں فرمایا: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝﴾ ''کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حالت کو خوب جانتا ہے۔'' اور وہ ایسا ہے کہ اُس کے ہر کام اور حکم میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔

آیت میں ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ﴾ ''بے شک توبہ اللہ کے ذمے ہے۔'' کے الفاظ آئے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ:

((اِنَّمَا قَبُوْلُهَا عَلَيْهِ لَا وُجُوْبُهَا.))

''گویا اللہ تعالیٰ ایسی توبہ قبول کر لیتا ہے مگر وہ اس کو قبول کرنے کا پابند نہیں ہے اور نہ اُس پر واجب اور فرض ہے کہ وہ ضرور ایسی توبہ قبول کرے۔''

﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝﴾

Marfat.com

(النسآء: 18)

فرمایا ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو ساری عمر گناہوں میں لتھڑے رہتے ہیں۔ یا اپنے گناہوں پر اصرار کرتے ہیں۔ پھر موت کو سامنے دیکھ کر توبہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اُس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کفر کی حالت میں مرنے والوں کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کے کفر و شرک اور بداعمالیوں کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے آخرت میں دوزخ کا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

توبہ کی حقیقت کے بارے میں ذیل میں کچھ تفصیل دی جا رہی ہے:

1۔ توبہ کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کر بیٹھے تو اس کے برے انجام سے ڈرے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے خوف سے اس پر پشیمانی اور ندامت محسوس کرے۔ پھر آئندہ کے لیے اس گناہ سے بچنے کا اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنے کا عزم و ارادہ کرے۔

2۔ بندہ جب توبہ کرتا ہے تو اس وقت اپنے رب تعالیٰ کی توحید، اس کے رحمان و رحیم اور غفور و رحیم ہونے کا اقرار بھی کر لیتا ہے۔

3۔ توبہ کے بارے میں چند احادیث:

[1]...... ایک متفق علیہ حدیث میں سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تشبیہ کے انداز میں فرمایا:

((لَلّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِينَ يَتُوبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِاَرْضِ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِيْ ظِلِّهَا قَدْ اَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَاَنَا رَبُّكَ، اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ.))

(صحيح بخاری، رقم: 6309، صحيح مسلم، رقم: 6960)

”جب کوئی شخص توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی توبہ سے اُس مسافر آدمی سے بھی بڑھ کر خوشی ہوتی ہے جس کی سواری صحرا میں کہیں دور بھاگ گئی ہو۔ اس سواری پر اس کے کھانے پینے کا سامان بھی لدا ہوا تھا۔ وہ آدمی پریشانی میں مایوس ہو کر کسی درخت کے سائے میں لیٹ جائے۔ اچانک اُس کی سواری اُس کے پاس آ کھڑی ہو۔ پھر وہ اس کی مہار تھامے اور خوشی کے جوش میں غلطی سے بول پڑے: ”اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔“

[۲]...... سیّدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ يَدَهٗ بِاللَّيْلِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيْئُ

Marfat.com

اللَّيْلِ، حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا.))

(صحیح مسلم، رقم: 6989، مسند احمد، رقم: 19758)

''بے شک اللہ تعالیٰ رات کے وقت اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کے وقت گناہ کرنے والا توبہ کر لے۔ اسی طرح دن کے وقت بھی اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کے وقت گناہ کرنے والا توبہ کرلے۔ یہ سلسلہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے (قیامت) تک جاری رہے گا۔''

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ.)) (ترمذی، رقم: 3537، ابن ماجه، رقم: 4253)

''بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ اُس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک غرغرہ یعنی مرنے سے پہلے سانس اُکھڑنا شروع نہ ہو۔''

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

(النسآء: 19-21)

''اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ عورتوں کو میراث سمجھ کر اُن کے زبردستی وارث بن جاؤ۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم نے جو مال اُن کو دیا تھا، اُس میں سے کچھ حصہ واپس لینے کے لیے اُنہیں تنگ کرو، مگر اس صورت میں جب وہ کھلی بدکاری کریں۔ اور دیکھو، اپنی بیویوں کے ساتھ اچھی طرح گزر

Marfat.com

بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں، تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں تمہارے لیے بہت بھلائی رکھی ہو۔ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو، جب کہ تم پہلی کو ڈھیروں مال دے چکے ہو تو طلاق کے بعد علیحدگی کی صورت میں اُس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ کیا تم اپنا دیا ہوا مال کسی بہتان یا ظلم کے ذریعے واپس لو گے؟ اور تم کس طرح وہ مال لو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے خلوت کر چکے، اور وہ نکاح کے وقت تم سے پختہ عہد لے چکیں۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

تَرِثُوا:......(وارث) تم وارث بن جاؤ۔ تم وراثت میں لے لو۔

كَرْهًا:......زبردستی۔

عَاشِرُوْهُنَّ:......(ع ش ر) تم ان عورتوں کے ساتھ گزارہ کرو، زندگی گزارو۔

كَرِهْتُمُوْهُنَّ:......(ک ر ہ) تم اُن عورتوں کو ناپسند کرو۔

عَسٰی: ...... یہ حرف کئی معنوں میں آتا ہے: قریب ہے، عنقریب، ممکن ہے، اُمید ہے، توقع ہے، اندیشہ ہے اور یقین ہے۔ اس جگہ یہ لفظ یقینی وعدے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

اِسْتِبْدَالَ:......(ب د ل) بدلنا، تبدیل کرنا، اس جگہ مراد ہے ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری شادی کرنا۔

اَفْضٰی:......(ف ض ی) وہ پہنچ گیا، وہ مل چکا، اس کا مصدر ہے "اِفْضَاءٌ" (پہنچنا) اس جگہ یہ جماع سے کنایہ ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝۱۹ ﴾ (النسآء: 19)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک تو یہ حکم دیا ہے کہ وہ عورتوں کو وراثت کا مال نہ سمجھیں۔ دوسرے یہ کہ اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کیا کریں۔ ہوسکتا ہے تمہیں کبھی ان کی کوئی چیز ناپسند ہو لیکن اسی میں تمہارے لیے کوئی خاص فائدہ مضمر ہو۔

اس آیت کے اہم امور یہ ہیں:

1۔ سب سے پہلے ایمان والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ دورِ جاہلیت کے اس غلط طریقے کو چھوڑ دیں جس کے تحت مرنے والے آدمی کے دوسرے مال اور متروکہ جائیداد کی طرح اس کی بیوہ بھی وراثت کا مال سمجھ کر لے لی جاتی۔ مرنے والے شخص کا بڑا بیٹا اپنی سوتیلی ماں یا ماؤں پر چادر ڈال کر اُن کو زبردستی اپنی بیوی بنالیتا تھا، یا کسی اور سے نکاح کر کے اس کے مہر کی رقم خود وصول کر لیتا تھا، یا اس کا کہیں اور نکاح نہ ہونے دیتا تھا۔ لیکن اسلام نے ایک تو بیوہ کو وراثت میں سے حصہ دلوایا۔ دوسرے کسی بیٹے کا اس کی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا حرام قرار دیا۔

Marfat.com

2۔ دوسرا حکم اس آیت میں اہل ایمان کو یہ دیا گیا کہ اگر آدمی کو اس کی بیوی ناپسند ہو تو وہ اسے اس لیے تنگ نہ کرتا رہے کہ اس سے اپنے دیے ہوئے تحفے تحائف یا حق مہر میں سے کچھ مال واپس لے لے۔ البتہ اگر وہ عورتیں بدکاری کی مرتکب ہوں تو پھر ان کو مناسبِ حال سزا دی جاسکتی ہے اور اُن سے کچھ مال بھی واپس لیا جاسکتا ہے۔

3۔ پھر فرمایا کہ بیویوں سے اچھا سلوک کیا کرو۔ اگر ایک بیوی کی کوئی عادت تمہیں پسند نہ ہو، یا وہ خوب صورت نہ ہو تو اس سبب سے اسے جلد طلاق نہ دے بیٹھو۔ ممکن ہے تمہیں اُس کی ایک عادت اچھی نہ لگے لیکن اس کی کوئی اور عادت آپ کو پسند آ جائے گی۔ یا اس میں حسن صورت کی بجائے حسن سیرت ہو جو اکثر اوقات ازدواجی زندگی کو خوش گوار بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا، رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ.))

(صحیح بخاری، رقم: 3645، مسند احمد، رقم: 8345)

''کوئی مومن خاوند اپنی مومن بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اُسے اس کی ایک عادت پسند نہیں تو کوئی دوسری عادت پسند ہو گی۔''

4۔ آخر میں فرمایا بعض اوقات تمہاری اپنی پسند اور ناپسند کا معیار درست نہیں ہوتا۔ تم ایک چیز کو پسند کرتے ہو مگر وہ تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو مگر اسی میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھلائی اور فائدہ رکھا ہوتا ہے جو تمہیں بعد میں معلوم ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر پانچ وقت کی نماز کی پابندی، رمضان المبارک کے روزے، مال میں سے سالانہ زکوۃ اور جہاد جیسے شرعی احکام پر عمل کرنا نفس پر شاق گزرتا ہے اور انسانی طبیعت ان کو گراں محسوس کرتی اور ناپسند کرتی ہے لیکن ان احکام کی پابندی میں جو فوائد و برکات مضمر ہیں اُن کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح شراب نوشی اور عیش کوشی میں اگرچہ انسانی طبیعت بڑی رغبت محسوس کرتی ہے مگر اس کا انجام اچھا نہیں ہے۔

﴿وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۲۰﴾ (النسآء: 20)

پہلے تو یہ ہدایت کی گئی کہ ناپسندیدگی کے باوجود خاوند کے لیے صحیح طریقہ یہی ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اچھی طرح نباہ کرے۔ اب اس آیت میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ اگر تم نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری شادی کرنے کا ارادہ کرلیا ہے تو تمہارے لیے یہ قطعاً جائز نہیں کہ تم نے اپنی پہلی بیوی کو جو مال دیا ہوا تھا، اس میں سے کچھ بھی کسی بہانے سے، یا الزام تراشی کر کے واپس لے لو، خواہ وہ ڈھیروں مال ہی کیوں نہ ہو، تمہیں واپس نہیں لینا چاہیے۔ ایسا کرنا ظلم اور گناہ ہے۔

Marfat.com

﴿وَ كَيۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ وَ قَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ وَّ اَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۲۱﴾﴾

(النسآء: 21)

فرمایا، بیوی کو طلاق دے کر اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس لینا کسی طرح جائز نہیں۔ ایسا کرنا اخلاقی، عرفی، قانونی اور شرعی لحاظ سے درست نہیں۔ کیونکہ وہ عورت تمہاری بیوی بن کر رہی ہے۔ وہ تمہاری خلوتوں کی ہم نشیں، محرمِ راز اور ساتھی رہی ہے۔ اُس نے تم سے نکاح جیسا مضبوط پاکیزہ معاہدہ کیا ہوا تھا۔ اس لیے ایسی گھٹیا اور کمینی حرکت نہ کرو کہ اسے چھوڑتے وقت اس کا مال (مہر اور عطیات وغیرہ) ہتھیانے کی کوشش کرو۔ یہ چیز مرد کی مردانگی، فتوّت اور مروّت کے بھی خلاف ہے۔

وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
ع ٨ ٣ ١٤ فَاحِشَةً وَّمَقۡتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيۡلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَ
اَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ وَبَنٰتُ الۡاَخِ وَبَنٰتُ الۡاُخۡتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ
الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمۡ
وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىۡ فِىۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ ۚ فَاِنۡ
لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ ۚ وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ
الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ ۙ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ
سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۲۳﴾

(النسآء: 22-23)

"اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں، اُن سے تم نکاح نہ کرو، مگر جو پہلے ہو چکا، سو ہو چکا۔ بے شک یہ بے حیائی، نفرت کی بات اور بہت برا طریقہ ہے۔

(مسلمانو!) تمہارے لیے نکاح کرنا حرام ہے اپنی ماؤں سے، اپنی بیٹیوں سے، اپنی بہنوں سے، اپنی پھوپھیوں سے، اپنی خالاؤں سے، اپنی بھتیجیوں سے، اپنی بھانجیوں سے، اپنی رضاعی ماؤں سے، اپنی دودھ شریک بہنوں سے اور اپنی ساسوں سے، اور جن بیویوں سے تم ہم بستری کر چکے ہو ان کی پچھلی

Marfat.com

بیٹیوں سے جو عام طور پر تمہاری گودوں میں پرورش پاتی ہیں۔ لیکن جن بیویوں سے تم نے صحبت نہیں کی، تو ان کی پچھلی بیٹیوں سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ اور تمہارے لیے اپنے حقیقی بیٹوں کی بیویوں یعنی بہوؤں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔ اور دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا بھی حرام ہے۔ مگر اس سے پہلے جو ہو چکا، سو ہو چکا۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

مَقْتًا: ...... یہ مصدر ہے اس کے معنی ہیں: کسی کی برائی کی وجہ سے اس سے سخت ناراض ہونا، اُس سے شدید نفرت کرنا۔

رَبَائِبُ: ...... (بیویوں کی بیٹیاں جو پہلے خاوند، خاوندوں سے ہوں) یہ رَبِیْبَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی زیر پرورش لڑکی کے ہیں جو پہلے شوہر سے ہو۔

حُجُوْرِكُمْ: ...... (تمہاری گود) یہ حِجْرٌ کی جمع ہے جس کے اصل معنی حفاظت کے ہیں لیکن چونکہ گود میں بچہ حفاظت سے رہتا ہے اس لیے اس سے گود مراد لی جانے لگی۔

حَلَآئِلُ: ...... (ح ل ل) یہ حَلِیْلَةٌ کی جمع ہیں جس کے معنی بیوی یا زوجہ کے ہیں۔ اس کا مذکر حَلِیْلٌ (شوہر، خاوند) ہے۔

اَصْلَابِكُمْ: ...... (تمہاری پشتیں، پیٹھیں) اَصْلَابٌ جمع ہے صُلْبٌ کی جس کے معنی پیٹھ یا پشت کی ہڈی کے ہیں۔ اس جگہ اس سے مراد حقیقی (بیٹے) ہیں۔

﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا﴾ (النسآء: 22)

"فرمایا تمہاری سوتیلی مائیں جو تمہارے باپ کی منکوحہ تھیں اُن سے نکاح نہ کرو، کیونکہ ایسا کرنا زنا اور بدکاری کی طرح بے حیائی ہے، قابل نفرت ہے اور برا طریقہ ہے۔"

سوتیلی ماں سے نکاح کی ممانعت اس سے پہلے آیت 19 کے الفاظ: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا﴾ "اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ عورتوں کو میراث سمجھ کر اُن کے زبردستی وارث بن جاؤ" کے الفاظ کے حکم سے بھی کر دی تھی اور جاہلیت کے اس غلط رواج سے منع کیا گیا جس کے تحت سوتیلی ماں کو وراثت کا مال سمجھ کر میت کا بڑا لڑکا اپنے نکاح میں لے آتا تھا۔ اب اس آیت 22 کی رو سے اسے قطعی حرام قرار دیا گیا۔ البتہ پہلے سے کیا گیا اس طرح کا کوئی نکاح کالعدم قرار نہیں دیا گیا۔ اُس کے نتیجے میں پیدا شدہ اولاد بھی جائز تصور ہوگی اور اس پر وراثت وغیرہ کے دوسرے احکام بھی لاگو ہوں گے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دورِ جاہلیت میں اہل عرب بھی ان تمام عورتوں سے نکاح کو حرام سمجھتے تھے جن کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے۔ مگر وہ دو قسم کی عورتوں سے نکاح کو جائز سمجھتے تھے۔ ایک سوتیلی ماں سے نکاح کرنا

Marfat.com

اور دوسرے دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھ لینا۔ مگر ان آیات 22، 23 کی رُو سے یہ دونوں قسم کے نکاح بھی حرام ہو گئے۔

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾﴾ (النسآء: 23)

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ﴾

''تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئی ہیں۔''

اس میں اصول فقہ کی اصطلاح ''اقتضاء النص'' یا ''دلالۃ النص'' کے مطابق ''نِكَاحُهُنَّ'' (اُن کا نکاح) کا لفظ محذوف ہے۔ کیونکہ حرام ہونے کا اطلاق اُن کی ذات پر نہیں کیا گیا بلکہ ذات سے متعلق فعل پر کیا گیا ہے اور وہ فعل نکاح ہے۔

اسی طرح کی ایک اور مثال یہ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ (المائدہ 5: 3)

''تم پر مردار حرام کیا گیا ہے۔''

اس میں بھی ''اَكْلُهَا'' (اُس کا کھانا) کا لفظ محذوف ہے۔

پھر اسی طرح مزید ایک مثال یہ ہے:

﴿وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا﴾ (الانعام 6: 138)

''اور کچھ چوپائے جانور جن کی پیٹھیں حرام ہیں۔''

اس میں بھی ''رُكُوْبُهَا وَالتَّحْمِيْلُ'' (اُن کی سواری اور اُن پر بوجھ لادنا) کے الفاظ محذوف ہیں۔

اب اس آیت میں اُن محرماتِ نکاح کا ذکر ہے جس سے کسی مرد کا نکاح جائز نہیں ہے:

1۔ ماں، اِس میں دادی اور نانی وغیرہ بھی شامل ہیں۔

2۔ بیٹی، اِس میں پوتی اور نواسی بھی شامل ہیں۔

3۔ بہن، اِس میں علاتی اور اخیافی دونوں سوتیلی بہنیں بھی شامل ہیں۔

4۔ پھوپھی۔

5۔ خالہ۔

Marfat.com

6۔ بھتیجی، اِس میں اُس کی بیٹی بھی شامل ہے۔
7۔ بھانجی، اِس میں اُس کی بیٹی بھی شامل ہے۔
8۔ رضاعی ماں۔
9۔ رضاعی بہن۔
10۔ ساس، اس میں وہ سالی بھی شامل ہے جس کی بہن ابھی نکاح میں ہو۔
11۔ سوتیلی بیٹیاں۔
12۔ بہو (حقیقی بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ)
13۔ دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا۔
14۔ اگلی آیت 24 کے مطابق وہ عورت جو کسی مرد کے نکاح میں ہو۔

اس کے علاوہ حدیث وسنت کی رُو سے پھوپھی بھتیجی یا خالہ بھانجی کو بھی بیک وقت کسی ایک مرد کے نکاح میں جمع کرنا درست نہیں ہے۔

ایک متفق علیہ حدیث ہے جو سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْءَةِ وَعَمَّتِهَا، وَلَا بَيْنَ الْمَرْءَةِ وَخَالَتِهَا.))

(صحیح بخاری، رقم: 5109، صحیح مسلم، رقم: 3436)

”کسی عورت اور اُس کی پھوپھی کو، اور کسی عورت اور اُس کی خالہ کو، بیک وقت کسی ایک مرد کے نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔“

پھوپھی بھتیجی یا خالہ بھانجی کا ایک دوسرے کی سوکنیں بننا از روئے سنت قطع رحمی ہے۔ پھر جو خرابی قطع رحمی ہونے کی ایک مرد کے نکاح میں دو بہنوں کے جمع ہونے میں تھی، وہی خرابی پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کے جمع ہونے میں ہے۔ اس لیے علت یکساں ہونے کی وجہ سے دونوں کا حکم یکساں ہو گیا کہ ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ انتہائی قریبی رشتہ دار عورتوں کا ایک دوسرے کی سوکن بننا قطع رحمی کا سبب اور ذریعہ بن سکتا ہے اور اسلامی شریعت کا اصول ہے جو کام کسی حرام کام کا ذریعہ اور سبب بن رہا ہو تو وہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔ اس لیے نکاح کی یہ تینوں صورتیں حرام ہیں۔

[1]...... کسی مرد کے نکاح میں بیک وقت دو بہنوں کا جمع ہونا۔
[2]...... کسی مرد کے نکاح میں بیک وقت پھوپھی اور بھتیجی کا جمع ہونا۔
[3]...... کسی مرد کے نکاح میں بیک وقت خالہ اور بھانجی کا جمع ہونا۔

اس کے علاوہ جس طرح نسبی اور خونی رشتے حرام ہوتے ہیں اسی طرح رضاعی رشتے بھی حرام ہوتے ہیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

((یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا یَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ.))

(صحیح بخاری، رقم: 5090، صحیح مسلم، رقم: 3568، دارمی، رقم: 2249)

''جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں، وہ رضاعت کے سبب بھی حرام ہو جاتے ہیں۔''

(۵) الجزء الخامس

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ
مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۗ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ
اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۗ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ
الْفَرِيْضَةِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ
طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ
فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۗ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ
فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ
غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ
بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۗ ذٰلِكَ
لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۗ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

ع ۱ ۔

(النسآء: 24-25)

''اور وہ عورتیں بھی تمہارے لیے حرام ہیں جو کسی اور کے نکاح میں ہوں سوائے اُن کے جو جنگ میں لونڈیاں بن کر تمہارے ہاتھ آئیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے کہ جس کی پابندی تم پر لازم ہے۔ ان کے سوا باقی تمام عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں بشرطیکہ تم اپنا مال خرچ کر کے مہر کے ذریعے ان سے نکاح کرو،

Marfat.com

بدکاری نہ کرو۔ پھر جن عورتوں کوتم کام میں لائے انہیں اُن کا طے شدہ مہر ادا کر دو، اور اگر تم باہمی رضا مندی سے اس مہر میں کمی بیشی کر لو تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

اور تم میں سے جو آزاد عورتوں سے نکاح نہ کر سکتا ہو اسے چاہیے وہ کسی مسلمان کنیز سے نکاح کر لے۔ اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ تم سب آپس میں ایک ہو۔ اس لیے مالکوں کی اجازت سے اُن کی کنیزوں سے نکاح کر لو اور معروف طریقے سے ان کے مہر ادا کرو۔ اس طرح کہ وہ نکاح میں لائی جائیں، نہ کہ آزاد شہوت رانی کریں اور چوری چھپے آشنائیاں کریں۔

پھر اگر وہ تمہارے نکاح میں آنے کے بعد بدکاری کریں تو جو سزا آزاد عورتوں کے لیے ہے، اس کی آدھی سزا اُن کے لیے ہے۔ کنیز سے نکاح کی اجازت صرف اُس مرد کے لیے ہے جسے بدکاری میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔ لیکن اگر تم صبر سے کام لو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَلْمُحْصَنٰتُ: ......(ح ص ن) یہ اِحصان مصدر سے اسم فاعل یا مفعول مُحْصَنَۃٌ کی جمع ہے۔ قرآن میں یہ لفظ تین معنوں میں آیا ہے:

1 شادی شدہ عورتیں، اور اس جگہ یہی معنی مراد ہیں۔

2 پاک دامن عورتیں (خواہ کنواری ہوں یا شادی شدہ)، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا﴾ (النور 24: 4)

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار (4) گواہ نہ لیں، تو اُن کو اَسّی (80) کوڑے مارو اور اُن کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔''

3 لونڈیوں کے مقابل میں آزاد خاندانی عورتیں، جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ (النسآء 4: 25)

''اور تم میں سے جو آزاد عورتوں سے نکاح نہ کر سکتا ہو تو اسے چاہیے وہ کسی مسلمان لونڈی سے نکاح کر لے۔''

مُحْصِنِيْنَ: ......(ح ص ن) یہ جمع ہے مُحْصَنٌ کی جس کے معنی ہیں: نکاح کر کے پاک دامنی حاصل کرنے والا۔

مُسٰفِحِيْنَ: ......(س ف ح) یہ جمع ہے مُسَافِحٌ کی جس کے معنی ہیں: بدکاری زنا کرنے والا۔ اس کی مونث

Marfat.com

مُسَافِحَاتٌ ہے جس کے معنی ہیں: بدکار عورتیں، طوائفیں۔

اُجُوْرَهُنَّ:......اس کا واحد ''اجر'' ہے۔ یہ لفظ نکاح کے حوالے سے ''مُهُوْرَهُنَّ'' (اُن کے مہر) کی جگہ قرآن میں کئی بار آیا ہے۔ مہر کو اجر اس لیے کہا گیا کہ یہ اُس حلال منفعت کا عوض ہے جو خاوند کو بیوی کے بدن سے حاصل ہوتی ہے۔

طَوْلًا:......اس کے معنی ہیں: مالی وسعت، گنجائش، طاقت۔

فَتَيَاتِ:......(ف ت ی) یہ جمع ہے فَتَاةٌ کی جس کے معنی ''اَمَةٌ'' (لونڈی) کے ہیں۔ اس جگہ ان کے احترام اور اکرام کے لیے اُن کو ''فَتَيَاتِ'' (جوان لڑکیاں) کہا گیا۔

مُسٰفِحٰتٍ:......(س ف ح) یہ جمع ہے مُسَافِحَةٌ کی جس کے معنی ہیں: علانیہ بدکاری، زنا کرنے والی۔

مُتَّخِذٰتِ:......(ء خ ذ) یہ جمع ہے مُتَّخِذَةٌ کی جس کے معنی ہیں: بنانے والی پکڑنے والی۔

اَخْدَان:...... یہ جمع ہے خِدْنٌ کی جس کے معنی ہیں: چھپے یار، پوشیدہ آشنا۔ یہ لفظ مذکر اور مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ انگلش میں ان کو GIRL FRIEND یا BOY FRIEND کہتے ہیں۔

اَلْعَنَت:......اس کے معنی ہیں: تکلیف، مشقت، نقصان، زنا میں پڑنے کا اندیشہ۔ اس جگہ آخری معنی مراد ہیں۔

﴿وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝﴾

(النسآء: 24)

اس آیت میں ''محصنات'' (وہ عورتیں جو کسی کے نکاح میں ہوں) کا عطف پہلی آیت 23 پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن محرماتِ نکاح کا ذکر آچکا ہے کہ فلاں فلاں عورت سے نکاح حرام ہے، اُن میں یہ عورتیں بھی شامل ہیں اور ان سے بھی نکاح حرام ہے۔ کیونکہ جو عورتیں (مسلمان یا غیر مسلم) کسی اور مرد کے نکاح میں ہوں اُن سے بھی نکاح جائز نہیں ہے۔ البتہ مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح جائز ہے۔ اس کے علاوہ لونڈیوں سے بھی نکاح ہوسکتا ہے۔

پھر ''محصنات'' کے ساتھ ﴿مِنَ النِّسَاءِ﴾ ''عورتوں میں سے۔'' کے الفاظ کی قید آجانے سے عموم کا فائدہ حاصل ہوگیا کہ عام اجنبی عورتوں میں سے جو عورتیں کسی کے نکاح میں ہوں، صرف وہی حرام ہیں، ان کے سوا باقی ساری اجنبی عورتیں حلال ہیں۔ پھر اسی بات کی مزید وضاحت ﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ ''اور ان کے سوا باقی تمام عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔'' کے الفاظ سے ہوگئی ہے۔

پھر فرمایا کہ نکاح کا مقصد پاک دامنی کا حصول ہونا چاہیے نہ کہ بدکاری کرنا۔

پھر ارشاد ہوا کہ جن بیویوں سے تم استمتاع یعنی فائدہ حاصل کرلو۔ مطلب یہ ہے کہ جماع یا خلوتِ صحیحہ کرلو، تو اُن

Marfat.com

کے مقررہ مہر ادا کرو۔ لیکن اگر باہمی رضا مندی سے مہر میں سے کچھ کمی بیشی کر لو تو یہ جائز ہے۔

آخر میں فرمایا کہ تمہاری ہر بات اور تمہارے ہر کام کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کیونکہ وہ علیم ہے اور اُس کا کوئی کام اور حکم حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہوتا کیونکہ وہ حکیم ہے۔

اس مقام پر بعض لوگ لفظ "اِسْتَمْتَعْتُمْ" (تم فائدہ حاصل کرو) کے لفظ سے متعہ کا جواز نکالتے ہیں مگر یہ نہ تو لغوی اعتبار سے درست ہے اور نہ شرعی لحاظ سے، کیونکہ:

1۔ آیت کا سیاقِ کلام نکاح کے بارے میں ہے اور متعہ نکاح نہیں ہوتا اور اس میں "اِحصان" (پاک دامنی) کی شرط بھی نہیں پائی جاتی۔

2۔ قرآن نے فلاح پانے والے مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ o اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ o فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ o﴾ (المؤمنون 23: 5-7)

"اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے، کیونکہ ان کے بارے میں کوئی الزام نہیں۔ مگر جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں، تو وہ حد سے گزرنے والے ہیں۔"

اس میں منکوحہ ازواج اور لونڈیاں کو مرد کے لیے حلال قرار دیا ہے اور اس کے سوا کوئی اور طریقہ اختیار کرنے والوں کو عَادُوْنَ یعنی "حد سے گزرنے والے" کہا گیا ہے جو کہ ناجائز کام کرنے والے ہیں۔ ظاہر ہے متعہ نہ تو نکاح ہے اور نہ ملک یمین (لونڈی) اس لیے یہ ناجائز ٹھہرا۔

3۔ جامع ترمذی میں سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ وَعَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ زَمَنَ خَيْبَرَ.))

(ترمذی، رقم: 1121)

"نبی ﷺ نے فتح خیبر کے موقع پر عورتوں سے متعہ کرنے سے اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا۔"

4۔ نکاح کا مقصد احصان یعنی پاک دامنی اختیار کرنا ہے اور نکاح کرنے والے مردوں کے لیے اسی سورۃ النسآء آیت 24، 25 میں "محصنین" (پاک دامنی اختیار کرنے والے) اور عورتوں کے لیے "محصنات" (پاک دامنی اختیار کرنے والیاں) کے الفاظ بطور شرط کے آئے ہیں جب کہ متعہ میں احصان کا مقصد نہیں پایا جاتا بلکہ یہ سفاح (بدکاری) ہے جو کہ حرام ہے۔

5۔ قرآن مجید میں "استمتاع" کہیں بھی متعہ کے اصطلاحی معنوں میں نہیں آیا ہے۔ اس مقام کے علاوہ یہ لفظ تین اور مقامات پر آیا ہے اور جہاں بھی آیا ہے فائدہ حاصل کرنے کے معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً: سورۃ الانعام 6:

Marfat.com

128، الاحقاف 46:20، التوبۃ 9:69۔

﴿وَ مَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ مِنۡکُمۡ طَوۡلًا اَنۡ یَّنۡکِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ مَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ مِّنۡ فَتَیٰتِکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِکُمۡ ؕ بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَانۡکِحُوۡہُنَّ بِاِذۡنِ اَہۡلِہِنَّ وَ اٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ مُحۡصَنٰتٍ غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ فَعَلَیۡہِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَی الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ؕ ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ الۡعَنَتَ مِنۡکُمۡ ؕ وَ اَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۵﴾﴾ (النسآء: 25)

اس سے پہلے محرماتِ نکاح کا ذکر تھا۔ پھر ان عورتوں کے بارے میں بتایا جن سے نکاح جائز ہے۔ گویا محرماتِ نکاح کے سوا باقی سب اجنبی عورتوں سے نکاح کی اجازت ان الفاظ کے ساتھ دے دی گئی:

﴿وَ اُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ مُّحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ ؕ﴾ (النسآء 4: 24)

''اوران کے سوا باقی تمام عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں بشرطیکہ تم اپنا مال خرچ کر کے مہر کے ذریعے ان سے نکاح کرو بدکاری نہ کرو۔''

اب اس آیت میں بعض مخصوص استثنائی حالات میں لونڈیوں سے نکاح کی صورت بتائی گئی اور اس کے لیے بظاہر تین شرطیں رکھی گئی ہیں:

1۔ جو مرد کسی آزاد عورت سے نکاح کرنے کے لیے مالی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے کسی مسلمان لونڈی سے نکاح کرنے کی اجازت ہے۔

2۔ جس مرد کو زنا میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہو صرف وہی ایسا نکاح کرسکتا ہے جیسا کہ: ﴿ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ الۡعَنَتَ مِنۡکُمۡ﴾ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

3۔ جس لونڈی سے نکاح کیا جائے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے اگرچہ بعض فقہائے کرام ان تینوں امور کو شرائط کے طور پر تسلیم نہیں کرتے لیکن وہ ان تحفظات کو ضرور پیش نظر رکھتے ہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو مرد محصنات یعنی آزاد خاندانی عورت سے نکاح کے لیے مالی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ اس کا حق مہر ادا نہ کرسکتا ہو اور اس کے نان ونفقہ کی ذمہ داری نہ اُٹھا سکتا ہو تو اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ کسی مسلمان لونڈی سے نکاح کرلے۔

اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کی حقیقت جانتا ہے۔ اس لیے ضرورت کے وقت مسلمان لونڈیوں سے نکاح کرسکتے ہو۔ وہ بھی انسان ہیں اور ایمان میں تم جیسی ہیں۔ پھر اس نکاح کا مقصد پاک دامنی حاصل کرنا ہونا چاہیے نہ کہ بدکاری یا چھپی یاری آشنائی والا ناجائز تعلق قائم کرنا۔ پھر یہ نکاح لونڈی کے مالک کی اجازت سے ہونا چاہیے جس کی وہ خادمہ

Marfat.com

ہے۔ پھر دستور کے مطابق اُس کو مہر ادا کرنا چاہیے۔ اس نکاح کا مقصد لونڈی کے لیے پاک دامنی کا حصول ہو نہ کہ بدکاری یا چھپی یاری آشنائی کا معاملہ۔

اس مقام پر لونڈیوں اور کنیزوں کے لیے "اِمَاءٌ" (لونڈیاں) کی بجائے "فَتَیَاتٌ" (جوان لڑکیاں) کا لفظ آیا ہے جس سے لونڈیوں کا احترام اور اِکرام مقصود ہے، جیسا کہ ایک متفق علیہ حدیث ہے:

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((......لَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ: عَبْدِیْ ، اَمَتِیْ . وَلْیَقُلْ: فَتَایَ ، فَتَاتِیْ ، غُلَامِیْ .))

(صحیح بخاری، رقم: 2552، صحیح مسلم، رقم: 5877)

''......تم میں سے کوئی یوں نہ کہے: میرا بندہ، میرا غلام، میری بندی یا میری لونڈی، بلکہ یوں کہا کرو کہ: میرا لڑکا، میری لڑکی، میرا لڑکا۔''

اس طرح غلاموں اور لونڈیوں کے احترام و اکرام کے لیے یہ تعلیم دی گئی۔

پھر اگر یہ شادی شدہ لونڈی زنا کرے اور اس کا جرم ثابت ہو جائے تو اسے اُس سزا سے آدھی سزا دی جائے گی جو آزاد خاندانی غیر شادی شدہ عورت کے زنا پر سورۃ النور کی آیت 2 کی رُو سے سو (100) کوڑے مقرر ہے تو اس کا نصف یعنی پچاس (50) کوڑے اس شادی شدہ زانیہ لونڈی کو مارے جائیں گے۔ گویا سنت کی رو سے لونڈی کے معاملے میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ ہونے سے زنا کی سزا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کو پچاس پچاس کوڑے ہی لگائے جائیں گے۔

اسلام میں جرمِ زنا کی سزا کیا ہے؟ اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ سورۃ النور کی آیت 2 کی تفسیر میں کی جائے گی۔

پھر فرمایا مسلمان لونڈیوں سے نکاح کی اجازت ایسے مردوں کے لیے ہے جن کو زنا میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہو۔ ورنہ جو صبر سے کام لیں گے تو وہ صبر اُن کے حق میں بہت فائدہ مند ہے۔ تا کہ ان کی اولاد غلام پیدا نہ ہو۔ کیونکہ لونڈی کی اولاد کو لوگ حقارت سے لونڈی غلام کہتے تھے اور جس لونڈی کے ہاں بچہ پیدا ہو جاتا تو وہ "اُمِّ ولد" خود بخود آزاد بھی ہو جاتی تھی۔

یاد رہے کہ 1952ء سے اقوامِ متحدہ کی طرف سے دنیا میں غلامی کو غیر قانونی قرار دیا جا چکا ہے۔ اسے مسلم ممالک نے بھی تسلیم کر لیا ہے اور اسلام بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

آخر میں فرمایا کہ توبہ کرنے والوں کے لیے اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَ یَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ یَتُوْبَ عَلَیْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝۲۶ وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ

Marfat.com

عَلَيۡكُمۡ ۗ وَيُرِيۡدُ الَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الشَّهَوٰتِ اَنۡ تَمِيۡلُوۡا مَيۡلًا عَظِيۡمًا ﴿۲۷﴾
يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّخَفِّفَ عَنۡكُمۡ ۚ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا ﴿۲۸﴾

(النسآء: 26-28)

"اللہ چاہتا ہے جو نیک لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں، اُن کے طور طریقے تم سے کھول کر بیان کر دے اور تم پر اپنی رحمت کی نظر رکھے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم پر رحمت کی نگاہ رکھے لیکن جو لوگ خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں تم مسلمان بھی سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ۔ اللہ یہ بھی چاہتا ہے کہ تم پر سے پابندیوں کا بوجھ ہلکا کرے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

تَمِيۡلُوۡا:...... (م ی ل) تم جھکو، یہ "مَالَ يَمِيلُ مَيلًا" سے ہے جس کے معنی ایک طرف جھک جانے کے ہیں۔

يُخَفِّفَ:...... (خ ف ف) وہ کمی، ہلکا، نرمی کرتا ہے۔

﴿يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمۡ وَيَهۡدِيَكُمۡ سُنَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَيَتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ۗ وَيُرِيۡدُ الَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الشَّهَوٰتِ اَنۡ تَمِيۡلُوۡا مَيۡلًا عَظِيۡمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّخَفِّفَ عَنۡكُمۡ ۚ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا ﴿۲۸﴾﴾ (النسآء: 26-28)

نکاح وغیرہ سے متعلق احکام دینے کے بعد اب ترغیب کے اسلوب میں اُن کی بعض حکمتیں بیان کی جارہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آج مسلمانوں کو دین کے وہی احکام سکھا رہا ہے جو اس سے پہلے کے نبیوں اور نیک لوگوں کو سکھائے گئے تھے۔

تمام اُمتوں کا ایک ہی دین تھا اور وہ اسلام ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰٓى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ﴾ (الشوریٰ 42: 13)

"اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا۔ اور (اے نبی ﷺ!) اسی دین کی وحی ہم نے آپ (ﷺ) کی طرف کی ہے اور اسی پر چلنے کا حکم ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو، موسیٰ (علیہ السلام) کو اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں اختلاف نہ ڈالو۔"

Marfat.com

دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران 3: 19)

’’بے شک اللہ کے نزدیک اسلام ہی (سچا) دین ہے۔‘‘

مگر سب اُمتوں کی شریعتیں الگ الگ تھیں جو اُن کے مخصوص حالات کے مطابق تھیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا﴾ (المائدة 5: 48)

’’ہم نے تم میں سے ہر اُمت کے لیے ایک شریعت اور ایک طریقہ مقرر کیا ہے۔‘‘

پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔ وہ ہر بات کا علم رکھتا ہے اور اس کے ہر کام اور حکم میں حکمت کارفرما ہوتی ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ تمہیں اچھے اور مفید احکام دے کر گناہوں سے پاک کر دے۔ تم گناہ اور نافرمانی سے بچو، نیکی اور تقویٰ اختیار کرو۔ تم اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل بن جاؤ اور اللہ تعالیٰ بھی تم سے راضی ہو جائے۔

لیکن یاد رکھو، جو لوگ خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے چلتے ہیں۔ اپنی خواہش کو معبود بنا کر اس کی پوجا کرتے ہیں۔ شرعی احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ جو فاسق و فاجر ہیں۔ وہ نہ صرف خود فسق و فجور اور حرام کاموں میں مبتلا ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی گناہ اور معصیت کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس لیے ایسے برے لوگوں سے اپنے آپ کو بچا کر رکھو ورنہ وہ تمہیں بھی لے ڈوبیں گے۔

پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے احکام کے ساتھ رخصتیں اور آسانیاں بھی دیتا ہے تاکہ تمہیں تنگی سے بچائے اور تمہارے لیے دین پر چلنا آسان ہو جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة 2: 185)

’’اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، وہ تم پر سختی کرنا نہیں چاہتا۔‘‘

پھر اسی سورۃ البقرہ میں فرمایا:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة 2: 286)

’’اللہ کسی پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔‘‘

پھر سورۃ الحج میں بھی تصریف کے اسلوب میں یہی مضمون دہرایا گیا:

﴿وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج 22: 78)

’’اور اُس (اللہ) نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔‘‘

سورہ المائدہ میں بھی تصریف کے اسلوب میں یہی مضمون بیان کیا گیا:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾ (المائدہ 5: 6)

’’اللہ نہیں چاہتا کہ وہ تم پر کوئی تنگی ڈالے۔‘‘

Marfat.com

آخر میں فرمایا کہ:

﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾

''اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان فوری فائدے اور لذت کی خاطر اپنی خواہشات اور جذبات کی رو میں بہہ جاتا ہے، اور اس طرح کمزوری دکھاتا ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ خواہش کی پیروی کرنے کی بجائے عقل وشعور اور دین وایمان سے کام لیتے ہوئے صبر وتقویٰ اختیار کرے۔ شیطان کے پیچھے چلنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنے کی کوشش کرے اس راہ میں کوئی کوتاہی ہو تو توبہ واستغفار کرے۔ اسی میں اُس کے لیے دنیا اور آخرت کی کامیابی مضمر ہے۔

اسی اجمالی بات کو تفصیل کے ساتھ یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾

(آل عمران 3: 14،16)

''لوگوں کے لیے جن خواہشوں کی محبت خوش نما بنا دی گئی ہے وہ ہیں بیویاں، بیٹے، سونے چاندی کے ڈھیر، نشان لگے ہوئے اعلیٰ گھوڑے، مویشی چوپائے اور کھیتی! مگر یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے ہاں اچھا ٹھکانا ہے۔

(اے نبی ﷺ!) آپ (ﷺ) کہیں ''کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتاؤں؟ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، ان کے لیے اُن کے رب کے پاس ایسے باغ ہوں گے، جن میں نہریں جاری ہوں گی۔ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس کے علاوہ اُن کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝٢٩ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا

Marfat.com

فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾

(النسآء: 29-30)

''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ البتہ باہمی رضامندی کی تجارت کے ذریعے جو مال حاصل کرو، وہ کھا سکتے ہو۔ اور دیکھو، ایک دوسرے کو ہلاک نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر بڑا مہربان ہے۔ جو کوئی ظلم اور سرکشی سے ایسا کرے گا اسے ہم ضرور دوزخ کی آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

تَرَاضٍ:......(ر ض ی) یہ اصل میں تَرَاضِیٌ تھا جس کے معنی ہیں: باہمی رضامندی، آپس کی مرضی۔

نُصْلِيهِ:......(ص ل ی) ہم اسے داخل کریں گے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾﴾ (النسآء: 29)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے انہیں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر کھانے سے منع فرمایا ہے۔

آیت میں درج ذیل امور بیان ہوئے ہیں:

1۔ سب سے پہلے ایمان والوں کو خطاب کر کے یہ حکم دیا گیا کہ تم ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ۔ جیسے رشوت، چوری، ڈاکہ، سود اور جوا وغیرہ سب حرام کی کمائی ہے اور باطل اور ناجائز ہے۔

اسی مضمون کو سورۃ البقرہ میں اس طرح بیان کیا گیا:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾ (البقرۃ 2: 188)

''اور ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ، رشوت کو حاکموں تک رسائی کا ذریعہ نہ بناؤ کہ اسی طرح جان بوجھ کر دوسروں کا مال ہڑپ کر جاؤ۔''

2۔ دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ ایسی تجارت اور اس کا منافع تمہارے لیے جائز ہے جس کا لین دین باہمی رضامندی سے ہو۔ کسی دباؤ، مجبوری یا دھوکے فریب کا نتیجہ نہ ہو۔ لیکن یاد رہے کہ شریعت نے بعض چیزوں کی تجارت کو بھی حرام قرار دیا ہے اگرچہ وہ عَنْ تَرَاضٍ یعنی باہمی رضامندی سے ہو جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ والے سال (8ھ) میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

Marfat.com

((اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ، وَالْمَيْتَةِ، وَالْخِنْزِيْرِ، وَالْاَصْنَامِ...... .))

(صحیح بخاری، رقم: 2236، صحیح مسلم، رقم: 4048، ابو داؤد، رقم: 3486، ترمذی، رقم: 1297)

''بے شک اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار، سؤر اور بتوں کی خرید وفروخت حرام قرار دی ہے۔''

3۔ پھر ارشاد ہوا کہ: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ﴾ ''اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔'' اس فقرے کے تین مطالب ہو سکتے ہیں اور تینوں ہی مراد ہو سکتے ہیں:

(ا)...... ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر کھانا اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔ اس سے پورے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے جس کا اثر خود آدمی پر پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ آخرت میں اس کے سبب سے دوزخ کا عذاب ہوگا جو کہ ہلاکت و بربادی کا دوسرا نام ہے۔

(ب)...... مسلمانوں کا ایک دوسرے کو قتل کرنا سخت منع اور حرام ہے۔

(ج)...... خودکشی (Suicide) نہ کرو۔

4۔ آخر میں فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝٢٩﴾ ''اللہ تعالیٰ تم مسلمانوں پر بڑا مہربان ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ تمہارا خیر خواہ اور ہمدرد ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ تم ایک دوسرے کا مال ہڑپ کر جاؤ، یا ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔ وہ ہر حال میں تمہاری بھلائی اور بہتری چاہتا ہے۔ وہ تمہیں ایسے کاموں سے روکتا ہے جن میں تمہارا نقصان ہے اور وہ تم کو بھی ایک دوسرے کے لیے ہمدرد اور خیر خواہ دیکھنا چاہتا ہے۔

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝٣٠﴾

(النسآء: 30)

فرمایا جو کوئی اوپر کی آیت (29) میں دیے گئے دو احکام کی خلاف ورزی کرے گا یعنی ظلم و زیادتی کے ساتھ باطل اور ناجائز طریقے سے دوسروں کا مال کھائے گا یا کسی کو ناحق قتل کرے گا...... تو اسے اللہ تعالیٰ آخرت میں دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالے گا۔ ایسے ظالموں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ وہ بلاشبہ رحمان و رحیم ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ جبار و قہار اور عادل بھی ہے۔ اُس کا عدل و انصاف بھی اُس کی صفتِ رحمت کا تقاضا ہے تاکہ نیکوں کو اجر و ثواب اور بروں کو عذاب ملے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝٣١

Marfat.com

(النسآء: 31)

''اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری چھوٹی برائیوں کو معاف کر دیں گے اور تمہیں جنت کے باعزت مقام میں جگہ دیں گے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیت کی تفسیر:

تَجْتَنِبُوْا:...... (ج ن ب) تم بچو گے۔ اس کا مصدر اِجْتِنَابٌ ہے جس کے معنی بچنے کے ہیں۔

كَبَآئِرَ:...... (ک ب ر) یہ جمع ہے كَبِيْرَةٌ کی جس کے معنی ہیں کبیرہ گناہ، بڑا گناہ۔

تُنْهَوْنَ:...... (ن ہ ی) تم کو روکا/منع کیا جاتا ہے۔

مُدْخَلًا:...... (د خ ل) داخل ہونے کی جگہ، مقام۔

كَرِيْمًا:...... عمدہ، اعلیٰ، نفیس، باعزت۔

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾

(النسآء: 31)

یہ مسلمانوں سے فرمایا کہ جن کبیرہ گناہوں سے تمہیں منع کیا گیا ہے، اگر تم ان سے بچتے رہو گے تو اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ تمہارے چھوٹے اور صغیرہ گناہ معاف کر دے گا۔ پھر آخرت میں تمہیں جنت کا باعزت اور عمدہ مقام عطا فرمائے گا۔

ایک متفق علیہ حدیث میں سات کبیرہ گناہوں کا ذکر آیا ہے، سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قَالُوْا: وَمَا هُنَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ، وَالتَّوَلِّىْ يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ.)) (صحیح بخاری، رقم: 2766، صحیح مسلم، رقم: 262، ابو داؤد، رقم: 2874، نسائی، رقم: 2874، 3671)

''سات مہلک چیزوں سے بچو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ سات مہلک چیزیں کون کون سی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، کسی ایسی جان کو قتل کرنا جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے موقع پر میدانِ جنگ سے بھاگنا اور بھولی بھالی پاک دامن مسلمان عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔''

اسی طرح ایک اور صحیح حدیث میں الکبائر یعنی بڑے بڑے گناہوں میں شرک، والدین کی نافرمانی، جھوٹ اور جھوٹی گواہی کا ذکر بھی کیا گیا ہے:

Marfat.com

''سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے ساتھ شریک بنانے، والدین کی نافرمانی کرنے، ناحق قتل کرنے اور جھوٹی گواہی......کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔''

(صحیح بخاری، رقم: 2653، صحیح مسلم، رقم: 261)

اس سے معلوم ہوا کہ صحیح احادیث میں کبیرہ گناہوں کی تعداد مقرر نہیں ہے۔ بعض علماء کی رائے میں ہر وہ گناہ کبیرہ گناہ ہے جس پر شریعت میں کوئی حد یا سزا مقرر کی گئی ہے۔ جیسے چوری، قذف اور زنا وغیرہ۔ یا جس پر عذاب کی وعید سنائی گئی ہے وہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔ علماء کا ایک قول یہ بھی ہے کہ جس صغیرہ گناہ پر اصرار کیا جائے، اُسے مسلسل کیا جائے اور چھوڑا نہ جائے تو وہ بھی کبیرہ گناہ بن جاتا ہے۔

اس سلسلے میں سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ:

((لَا صَغِيْرَةَ مَعَ الْإِصْرَارِ، وَلَا كَبِيْرَةَ مَعَ الْإِسْتِغْفَارِ.))

''اصرار کرنے سے صغیرہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا اور توبہ واستغفار کے بعد کبیرہ گناہ باقی نہیں رہتا۔''

مطلب یہ ہے کہ مسلسل اصرار اور ارتکاب کرتے رہنے سے صغیرہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا بلکہ کبیرہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح کبیرہ گناہ توبہ واستغفار کر لینے سے کبیرہ گناہ نہیں رہتا بلکہ معاف ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، سورہ ہود میں ہے کہ:

﴿إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (ہود 11 : 114)

''بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔''

اس کی تشریح بعض صحیح احادیث میں اس طرح ملتی ہے کہ:

1۔ ہر دو عمرے ان گناہوں کے لیے کفارہ ہیں جو ان کے درمیان کیے گئے ہوں۔ گویا بعد کا ہر عمرہ پہلے کے تمام صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری، رقم: 1773، صحیح مسلم، رقم: 3289)

2۔ دو رمضان المبارک کے درمیان کے صغیرہ گناہ دوسرے رمضان المبارک کے روزے رکھنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔

3۔ دو جمعوں کے درمیان کے صغیرہ گناہ بھی دوسرا جمعہ پڑھنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔

4۔ ہر دو فرض نمازوں کے درمیان کے صغیرہ گناہ اگلی نماز پڑھنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

Marfat.com

(النسآء: 32)

''اور ایسی چیز کی تمنا نہ کرو جس میں اللہ نے تمہیں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی۔ مردوں کو اُن کی کمائی کا اجر ملے گا اور عورتوں کو اُن کی کمائی کا۔ البتہ اللہ سے اس کا فضل مانگو۔ بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیت کی تفسیر:

لَا تَتَمَنَّوْا:......(م ن ی) نہ تم تمنا، آرزو کرو۔

فَضَّلَ:......(ف ض ل) اُس نے فضیلت دی، درجہ دیا، برتری دی۔

﴿ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِــيْمًا ﴾ (النسآء: 32)

اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں میں سے ہر ایک کو فطری اور خلقی طور پر بعض مخصوص کاموں اور ذمہ داریوں کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اس لیے مرد کو عورت یا عورت کو مرد بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ دونوں کا دائرۂ عمل اور صلاحیتِ کار الگ الگ ہے۔ اس معاملے میں اُن کو ایک دوسرے کی ریس اور نقل نہیں کرنی چاہیے ورنہ پورا نظام زندگی تلپٹ ہو کر رہ جائے گا۔

مرد اور عورت کو اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے زندگی کے معاملات میں حصہ لینا چاہیے۔ الگ الگ فطری صلاحیتوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا اور مسابقت کرنا، فضول بھی ہے اور ناپسند بھی۔ البتہ اکتسابی میدان میں اُن کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے فضل وکرم کی امید بھی رکھنی چاہیے۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ جیسے نیکی، تقویٰ اور عبادت میں جو جتنی پیش قدمی کرے گا اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا مستحق ہو گا اور اجر و ثواب پائے گا۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّاۗىِٕمِيْنَ وَالصّٰۗىِٕمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ (الاحزاب 33: 35)

''بے شک اطاعت گزار مرد اور اطاعت گزار عورتیں، ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، پاک باز مرد

Marfat.com

اور پاک دامن عورتیں، اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں...... ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔"

مزید تفصیل آگے آیت 34 کی وضاحت میں دیکھیے۔

وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾

(النسآء: 33)

"اور جو ترکہ تمہارے والدین اور دوسرے رشتہ دار چھوڑ جائیں تو ہم نے ہر ایک کے لیے وارث مقرر کر دیے ہیں۔ اور جن لوگوں سے تم نے کوئی عہد کر رکھا ہو تو انہیں اُن کا حصہ دو۔ بے شک اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیت کی تفسیر:

مَوَالِيَ:...... (و ل ی) یہ "مَوْلًا" (مولیٰ) کی جمع ہے۔ جس کے کئی معنی ہیں: اس جگہ اس سے مراد میت کے ورثاء یعنی وارث لوگ ہیں۔

عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ:...... تم نے عہد کر رکھا ہو۔ تم نے پیمان باندھا ہو۔

﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ ﴾ (النسآء: 33)

فرمایا: تمہارے والدین اور دوسرے قریبی رشتہ دار جو ترکہ چھوڑ جائیں تو اس وراثت کے مال کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کے وارث مقرر فرما دیے ہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے آیت 7 میں آ چکا ہے کہ:

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۷﴾ ﴾ (النسآء 4: 7)

"ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کے ترکے میں سے مردوں کا بھی حصہ ہے اور ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کے ترکے میں عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ ورثے کا مال تھوڑا ہو یا زیادہ، اس کے سب حصے اللہ نے مقرر کر دیے ہیں۔"

اب اسی بات کی مزید تاکید کے لیے فرمایا کہ اصلی اور شرعی وارث تو وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے

Marfat.com

اور ان کے حصے بھی متعین کر دیے ہیں۔ ان مقررہ حصوں میں کسی قسم کی تبدیلی یا کمی بیشی جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جن غیر وارث لوگوں کے لیے تم وصیت وغیرہ کا عہد و پیمان کر جاتے ہو تو ان کو وہ مال دے دیا جائے جس مال کی وصیت کی گئی ہے۔

آخر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ اور نگران ہے۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ تم جو اعمال کرو گے وہ اُن کے مطابق تمہیں جزا و سزا دے گا۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

(النسآء: 34-35)

"مرد بیویوں کے سربراہ ہیں، کیونکہ اللہ نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر برتری دی، اور اس وجہ سے کہ مرد بیویوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر نیک بیویاں تو اپنے شوہروں کی فرماں بردار ہوتی ہیں اور اُن کی عدم موجودگی میں اللہ کی توفیق سے ہر چیز کی حفاظت کرتی ہیں۔ اور جن بیویوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ، اُن سے ہم بستری چھوڑ دو، اور اس پر بھی نہ مانیں تو انہیں مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف الزام تراشی نہ کرو۔ بے شک اللہ سب سے بلند اور بہت بڑا ہے۔ اگر تمہیں میاں بیوی میں علیحدگی کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے مقرر کر لو۔ اگر وہ صلح کروائیں گے تو اللہ بھی میاں بیوی میں

Marfat.com

موافقت پیدا کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

قَوّٰمُوْنَ:...... (ق و م) یہ جمع ہے قَوَّامٌ کی جس کے معنی ہیں: سربراہ، سرپرست، منتظم۔

قٰنِتٰتٌ:...... (ق ن ت) یہ قنوت سے ہے جس کے معنی اطاعت کے ہیں۔ مراد ہے اطاعت کرنے والیاں۔

نُشُوْزَ:...... (ن ش ز) اس کے معنی ہیں سرکشی، نافرمانی، بے رُخی، بے رغبتی۔

اُهْجُرُوْهُنَّ:...... (ہ ج ر) تم اُن عورتوں کو الگ/ جدا کر دو، اُن سے دور رہو۔

اَلْمَضَاجِعِ:...... (ض ج ع) یہ جمع ہے مَضْجَعٌ کی جس کے ایک معنی ہیں: بستر۔

فَابْعَثُوْا:...... یہ اصل میں ہے فَ + اِبْعَثُوْا، جس کے معنی ہیں: پس تم بھیجو، پس تم مقرر کرلو۔

حَكَمًا:...... اس کے معنی ہیں: منصف، ثالث، فیصلہ کرنے والا۔

اِصْلَاحًا:...... اس کے معنی ہیں صلح کرانا، اصلاح کرنا۔

يُوَفِّقِ:...... (و ف ق) وہ موافقت پیدا کرے گا۔

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝﴾ (النسآء: 34)

فرمایا، مرد بیویوں کے سرپرست اور سربراہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر برتری دی ہے۔ مراد یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ (البقرۃ 2: 228)

"اور مردوں کو اُن (عورتوں) پر ایک درجہ کی فوقیت حاصل ہے۔"

خاندان ایک چھوٹی سی ریاست ہے جس کے لیے ایک سربراہ کی ضرورت ہے اور اس کی سربراہی کا منصب مرد ہی کے لیے موزوں ہے کیونکہ مردوں میں اس کے لیے دو اسباب پائے جاتے ہیں:

1۔ ایک یہ کہ مردوں کو جسمانی قوت، عقل و شعور، اصابت رائے اور عزم و استقلال کے لحاظ سے عورتوں پر برتری حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا منصب بھی مردوں میں رکھا ہے۔ کسی عورت کو نبی یا رسول نہیں بنایا۔ اس کے علاوہ اسلام میں خلافت و امارت، قضا اور امامت کے مناصب بھی صرف مردوں کے لیے مخصوص ہیں۔ پھر اذان، اقامت، خطبہ، جمعہ، جہاد اور دوسرے اسلامی شعائر و فرائض کے قیام و انصرام کی ذمہ داری بھی مردوں پر ڈالی گئی ہے۔ طلاق دینے کا اختیار بھی مردوں کو دیا گیا۔ اسے ایک سے زیادہ بیویوں کی

Marfat.com

اجازت دی گئی۔ حدود میں ان کی گواہی معتبر قرار دی گئی اور وراثت میں مرد کا حصہ عورت سے دگنا رکھا گیا۔

2۔ دوسرا سبب مردوں کی برتری کا یہ بیان ہوا ہے کہ مرد ہی بیوی کا کفیل اور اُس کے نان ونفقہ اور حفاظت وصیانت کا ذمہ دار ہے۔عورت کی بہ نسبت مرد ہی اس ذمہ داری کو اُٹھانے کا زیادہ اہل ہے۔

لیکن عام حقوق و واجبات میں مرد اور عورت برابر حیثیت رکھتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

﴿وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرة 2: 228)

''اور عورتوں کے لیے دستور کے مطابق حقوق ہیں جس طرح دستور کے مطابق اُن پر ذمہ داریاں۔''

یاد رہے کہ اسلام میں مغرب کے نام نہاد ''نظریۂ مساواتِ مرد وزن'' کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ جس میں مرد اور عورت زندگی کے ہر شعبے میں شانہ بشانہ ہو کر رہتے ہیں۔ جہاں عورت اجنبی مردوں کے درمیان بے پردہ رہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتی۔ جہاں طلاق کا اختیار عورت کو بھی دے دیا گیا ہے اور جہاں مرد اُس کے نان ونفقہ کا ذمہ دار نہیں ہے۔ مطلقہ عورت اپنے علاوہ اپنی اولاد کے نان ونفقہ کی بھی ذمہ دار ہے۔ جس کے نتیجے میں وہاں خاندانی نظام تباہ ہو کر رہ گیا ہے، آبادی مسلسل گھٹ رہی ہے اور معاشرے میں بے حیائی اور بدکاری عام ہو گئی ہے۔

قرآن نے مردوں کو بیویوں کا سربراہ قرار دینے کے بعد فرمایا کہ ازدواجی زندگی میں جو نیک بیویاں ہوتی ہیں وہ اپنے رب اور اپنے شوہر کو فرماں بردار ہوتی ہیں۔ خاوند کی عدم موجودگی میں اپنی عزت وآبرو اور پاک دامنی کی حفاظت کرتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔

سیّدنا ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک بیوی کی یہ تعریف کی ہے:

((اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَ اِنْ نَظَرَ اِلَیْهَا سَرَّتْهُ، وَ اِنْ اَقْسَمَ عَلَیْهَا اَبَرَّتْهُ، وَ اِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِیْ نَفْسِهَا وَمَالِهِ.)) (ابن ماجه، رقم: 1857)

''اگر وہ (مسلمان شوہر) اُسے حکم دے تو وہ (بیوی) اس کی اطاعت کرے، اگر وہ اُس کی طرف دیکھے، تو اُسے خوش کر دے۔ اگر اُسے کوئی قسم دے تو وہ اسے پوری کر دے، اور اگر وہ اس کے پاس موجود نہ ہو تو وہ اپنی جان اور خاوند کے مال کی خیر خواہی اور حفاظت کرے۔''

ایک متفق علیہ حدیث میں قریش کی عورتوں کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خَیْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْاِبِلَ صَالِحُ نِسَآءِ قُرَیْشٍ، اَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدٍ فِیْ صِغَرِهٖ، وَ اَرْعَاهُ عَلٰى زَوْجٍ فِیْ ذَاتِ یَدِهٖ.)) (صحیح بخاری، رقم: 5082، صحیح مسلم، رقم: 6460)

''دنیا میں جن عورتوں نے اونٹ کی سواری کی ہے۔ ان میں سب سے بہترین قریش کی عورتیں ہیں، جو اپنے چھوٹے بچوں کا خاص خیال رکھتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔''

Marfat.com

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ كُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْءَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا .))

(ترمذی، رقم: 1159، ابن ماجہ، رقم: 1852، مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 3255)

''اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔''

پھر فرمایا جو بیویاں سرکشی اختیار کرتی ہیں۔ اپنے شوہروں کی سربراہی قبول نہیں کرتیں، اُن کی اطاعت گزار نہیں ہوتیں اور اُن کے حقوق ادا نہیں کرتیں تو طلاق سے بچنے کے لیے ان کی اصلاح کی جائے اور اس کے لیے بتدریج چار طریقے اختیار کیے جائیں:

1۔ پہلے مرحلے میں اُن کو خیر خواہی کے ساتھ سمجھایا جائے اور وعظ ونصیحت کی جائے۔ اُن کے فرائض اور ذمہ داریاں بتائی جائیں کہ وہ ان کو پورا کریں۔

2۔ دوسرے مرحلے میں اُن سے ہم بستری چھوڑ دی جائے۔

3۔ تیسرے مرحلے میں ان کو مارا پیٹا جائے۔ مگر یہ مار پیٹ ایسی ہونی چاہیے جو زیادہ تکلیف دہ نہ ہو اور جس سے کسی عضو کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے:

((فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ .))　(صحیح مسلم، رقم: 2950)

''پس تم ان کو اتنا مار سکتے ہو جو ایسا تکلیف دہ نہ ہو کہ اس سے ان کے کسی عضو کو نقصان پہنچے۔''

4۔ چوتھے مرحلے میں جس کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے، یہ ہے کہ میاں بیوی میں صلح صفائی اور مصالحت کے لیے ایک معتبر منصف مرد کی طرف سے اور ایک معتبر منصف عورت کی طرف سے مقرر کیا جائے۔ وہ دونوں مل کر زوجین میں صلح کرا دیں کیونکہ اس صورت میں میاں بیوی کے درمیان مصالحت کا قوی امکان ہے لیکن اگر صلح نہ ہو سکے تو پھر طلاق کا راستہ کھلا ہے۔

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝﴾　(النسآء: 35)

فرمایا: اگر میاں بیوی میں ناچاقی ہو اور علیحدگی کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو ان کے درمیان مصالحت کے لیے ایک معتبر منصف مرد کے خاندان سے (یا کوئی اور) اور ایک معتبر منصف عورت کے خاندان سے (یا کوئی اور) مقرر کر لیا جائے۔ اگر یہ دونوں منصف نیک نیتی کے ساتھ صلح کی کوشش کریں گے اور میاں بیوی بھی صلح پر آمادہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ بھی زوجین کے درمیان ضرور موافقت پیدا فرمائے گا اور اُن کی آپس میں صلح ہو جائے گی۔ ورنہ دوسری صورت میں جدائی اور

Marfat.com

طلاق ہوسکتی ہے۔

یاد رہے کہ اس صورت میں دونوں منصفوں کے اتفاق رائے ہی سے کوئی فیصلہ ہوسکتا ہے۔ صرف ایک منصف کی رائے پر فیصلہ لاگو نہیں ہوسکتا۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ہر بات کو جانتا ہے اور تمہارے ہر معاملے سے باخبر ہے۔ اس لیے اپنا ہر کام پوری ذمہ داری اور آخرت کی جوابدہی کے احساس سے انجام دیا کرو۔

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي
الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ
الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ
يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ
مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِيْنَ
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَ مَاذَا
عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ
وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

(النسآء: 36-39)

"اور تم اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اُس کا شریک نہ بناؤ، اور اچھا سلوک کرو اپنے والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار ہمسایوں، اجنبی ہمسایوں، پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں سے اور لونڈی غلاموں کے ساتھ۔ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا اُن لوگوں کو جو تکبر کرنے والے شیخی باز ہوں۔ جو خود بخل کریں اور دوسروں کو بخل سکھائیں، اللہ نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہے، اسے خرچ کرنے کی

Marfat.com

بجائے چھپائیں۔ ایسے ناشکروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ وہ اگر کچھ خرچ بھی کرتے ہیں تو لوگوں کو دکھانے کے لیے، نہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان جس کا ساتھی ہو، وہ بہت برا ساتھی ہے۔ آخر ان لوگوں کا کیا نقصان تھا اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے، اللہ نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہے، اُس میں سے اُس کی راہ میں خرچ کرتے؟ اور اللہ ایسے لوگوں سے اچھی طرح باخبر ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَلْجَارِ:......اس کے معنی ہیں: ہمسایہ، پڑوسی، مددگار۔ اس جگہ پہلے معنی مراد ہیں۔

اَلْجَارِ الْجُنُبِ:......اجنبی ہمسایہ، غیر رشتہ دار پڑوسی۔

اَلصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ:......پہلو کا ساتھی، مراد وقتی طور پر عارضی ساتھی جیسے کسی سواری کے مسافر یا دفتر میں اکٹھے کام کرنے والے۔

مُخْتَالًا:......(خ ی ل) مغرور، متکبر۔

فَخُوْرًا:......(ف خ ر) اترانے والا، شیخی کرنے والا۔

قَرِيْنًا:......اس کے معنی ہم نشین، ساتھی یا دوست کے ہیں۔

﴿وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝﴾ (النسآء: 36)

اس سورت میں اب تک خاندانی نظام، یتیموں کے حقوق، وراثت اور بیویوں سے حسن سلوک کے بارے میں احکام بیان ہوئے ہیں۔ اب اُن کی مناسبت سے کچھ اور حقوق العباد کا ذکر ہے مگر ان سے پہلے حقوق اللہ بیان ہوئے ہیں کیونکہ بندے پر سب سے زیادہ اور بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس کے لیے حکم دیا گیا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اُس کا شریک نہ بناؤ۔ پھر حقوق العباد میں سب سے بڑا حق والدین کی خدمت اور اُن سے حسن سلوک کرنا ہے۔

اسی مضمون کو تصریف کے اسلوب میں سورہ بنی اسرائیل میں اس طرح بیان کیا گیا:

﴿وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (بنی اسرائیل 17 : 23)

"اور تمہارے رب نے حکم جاری کر دیا کہ تم اُس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔"

اس کے علاوہ سورہ الانعام میں بھی یہی مضمون تصریف کے اسلوب آیا ہے:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (الانعام 6: 151)

"کہہ دیجیے میں تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں جو تمہارے رب نے پابندیاں عائد کی ہیں کہ: اُس کے

Marfat.com

ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔"

ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور شرک نہ کرنے کا حکم دینے کے بعد والدین سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی اور پھر حقوق العباد میں درجہ بدرجہ دوسرے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد رشتہ داروں، ہمسایوں، اجنبی ہمسایوں، ہم نشین ساتھیوں، مسافروں، مہمانوں اور غلاموں لونڈیوں کے حقوق کا ذکر کیا، اور اُن سے حسن سلوک کی تلقین کی۔ پھر اللہ کی راہ میں اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ مال خرچ کرنے کی تاکید فرمائی، اور اس حوالے سے بخل، تکبر، ریاکاری اور دکھاوے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بالکل پسند نہیں کرتا جو متکبر ہوں، شیخی باز ہوں، خود بخیل ہوں اور اپنے قول و فعل سے دوسروں کو بھی بخل سکھاتے ہوں۔ اللہ کے دیے ہوئے مال اور اُس کی عطا کردہ صلاحیتوں کو چھپاتے ہوں۔ اُن کو صحیح مصرف میں نہ لاتے ہوں۔ ایسے ناشکرے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

﴿وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًاo وَ مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًاo﴾ (النساء: 39,38)

پھر فرمایا کہ یہ لوگ اگر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں تو ریاکاری اور دکھاوے کے لیے کرتے ہیں۔ نہ ان کا ایمان صحیح اور معتبر ہے، نہ وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کو مانتے ہیں۔

پھر فرمایا شیطان جس کا ساتھی بن جائے، اسے کسی اور دشمن کی ضرورت نہیں کیونکہ شیطان ایسا برا ساتھی ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور دشمن اور بدخواہ نہیں ہوسکتا۔ آخر میں فرمایا، ان منافقوں کو کیا ہو گیا ہے، یہ لوگ اگر اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان لاتے اور آخرت کے دن کو بھی مانتے، سچے اور مخلص مسلمان بن جاتے، اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے...... تو ان کو بھی اللہ تعالیٰ دنیا میں عزت و سرفرازی اور آخرت میں جنت کی نعمتیں عطا فرماتا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں، ارادوں اور تمام اعمال کو جانتا ہے اور ان کے مطابق ان کو جزا و سزا دے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ؕ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۧ﴿۴۲﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ع ۶

Marfat.com

(النسآء: 40-42)

''بے شک اللہ ذرا بھی کسی کی حق تلفی نہیں کرے گا، بلکہ اگر کسی نے معمولی نیکی کی ہوگی تو اُسے دُگنا بڑھا دے گا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عطا فرمائے گا۔ پھر اُس دن کیا حال ہوگا جب سب لوگ جمع ہوں گے اور ہم ہر اُمت میں سے ایک نبی کو گواہ لائیں گے اور اے نبی (ﷺ!) ہم آپ (ﷺ) کو اُن پر گواہ بنا کر کھڑا کریں گے؟ اُس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی ہوگی، یہ تمنا کریں گے کہ اے کاش! زمین اُن پر برابر کر دی جائے، اور اُس دن وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

مِثْقَالَ:......(ث ق ل) ہم وزن، کے وزن کے برابر۔

ذَرَّةٍ:......(ذ ر ر) ذرہ، چھوٹی چیونٹی۔

تُسَوّٰى:......(س و ی) وہ برابر کر دی جائے گی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

(النسآء: 40)

اس سے پہلے کی آیات میں مذکور احکام پر عمل کی ترغیب کے لیے اور اُن کی خلاف ورزی سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرے گا۔ نہ کسی کی حق تلفی کرے گا۔ جس کے جو اعمال ہوں گے اُن کے مطابق اُسے جزا و سزا دے گا۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾

(الزلزال 99: 7-8)

''پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی، وہ اُسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی، وہ اُسے دیکھ لے گا۔''

جس شخص نے ایک نیکی بھی کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اُس کا اجر کئی گناہ بڑھا کر دے گا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عطا فرمائے گا۔

پھر یہ اُس کی رحمت اور اُس کا فضل ہے کہ وہ ایک نیکی پر دس گنا، سو گنا، سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ اجر و ثواب دے گا مگر ایک برائی کو ایک ہی شمار کرے گا۔

سورہ الانعام میں بتایا کہ ایک نیکی کا ثواب کم سے کم دس نیکیوں کے برابر ملے گا۔

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ (الانعام 6: 160)

Marfat.com

”جو کوئی ایک نیکی لائے گا اُسے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔“

صدقے کی ایک نیکی کا ثواب سات سو (700) نیکیاں بھی ہوسکتی ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَ اللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴾

(البقرۃ 2: 261)

”جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں، اُن کے ثواب کی مثال بیج کے اُس دانے کی ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے زیادہ بڑھاتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔“

کبھی ایک نیکی کا ثواب پہاڑ کے برابر یا اس سے بھی بڑھ کر ملے گا۔ ایک صحیح حدیث میں اس کے لیے یہ الفاظ آئے ہیں:

((حَتّٰی تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ اَوْ اَعْظَمَ .)) (صحیح بخاری، رقم: 1410، النسائی، رقم: 2526)

”یہاں تک کہ اس (نیکی) کا ثواب پہاڑ یا اس سے بھی بڑھ کر ہوجاتا ہے۔“

یہ سب اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور اس کے بیکراں فضل سے ہوتا ہے جو یہ دیکھتا ہے کہ کون سی نیکی کن حالات میں اور کتنے خلوص سے کی گئی، پھر وہ اس کے مطابق اجر و ثواب دیتا ہے۔

﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴾ (النسآء: 41)

قیامت کے دن اعمال کی جزا و سزا ہونے کا ذکر کرنے کے بعد اب یہ نبی ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ پھر اُس دن کیا حال ہوگا جب سب لوگ حشر کے میدان میں جمع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر امت میں سے ایک نبی کو گواہ کی حیثیت سے کھڑا کرے گا جو یہ گواہی دے گا کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنی امت تک پہنچا دیا تھا۔

اسی آیت کے مضمون کو تصریف کے اسلوب میں سورۃ النحل میں بھی بیان کیا گیا:

﴿وَ یَوۡمَ نَبۡعَثُ فِیۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیۡدًا عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَ جِئۡنَا بِكَ شَهِیۡدًا عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ ﴾ (النحل 16: 89)

”جس دن ہم ہر پیغمبر کو اُس کی امت پر گواہ بنا کر اُٹھا کھڑا کریں گے تو (اے نبی ﷺ) ان لوگوں پر ہم آپ (ﷺ) کو بھی گواہ بنا کر لائیں گے۔“

پھر یہی مضمون سورۃ البقرہ میں بھی آیا ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَ یَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ

Marfat.com

عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا﴾ (البقرۃ 2: 143)

''(اے مسلمانو!) ہم نے تمہیں افضل امت بنایا تاکہ تم دوسروں کے لیے گواہ بن جاؤ اور یہ رسول (ﷺ) تم پر گواہ بن جائیں۔''

سورۃ النحل میں بھی یہی مضمون آیا ہے:

﴿وَيَوۡمَ نَبۡعَثُ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡدًا ثُمَّ لَا يُؤۡذَنُ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَلَا هُمۡ يُسۡتَعۡتَبُوۡنَ﴾ (النحل 16: 84)

''اور جس دن ہم ہر امت میں سے اُس کے نبی کو گواہ بنا کر اُٹھائیں گے تو کافروں کے لیے کوئی عذر اور توبہ کا موقع نہ ہوگا۔''

پھر سورۃ القصص میں بھی یہی مضمون دہرایا گیا ہے:

﴿وَنَزَعۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡدًا فَقُلۡنَا هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ فَعَلِمُوۡۤا اَنَّ الۡحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ۝﴾ (القصص 28: 75)

''اور ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ نکال کر لائیں گے۔ پھر لوگوں سے کہیں گے ''اپنی کوئی دلیل پیش کرو'' اس وقت وہ جان لیں گے کہ حق اللہ ہی کی طرف ہے اور وہ ساری باتیں اُن سے گم ہو جائیں گی جو وہ گھڑتے تھے۔''

ایک متفق علیہ حدیث ہے، سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((قَالَ لِي رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الۡمِنۡبَرِ: اِقۡرَأۡ عَلَيَّ. قُلۡتُ: اَقۡرَءُ عَلَيۡكَ وَعَلَيۡكَ أُنۡزِلَ؟ قَالَ: اِنِّي أُحِبُّ اَنۡ اَسۡمَعَهُ مِنۡ غَيۡرِيۡ. فَقَرَءۡتُ سُوۡرَةَ النِّسَاءِ حَتّٰى اَتَيۡتُ إِلٰى هٰذِهِ الۡاٰيَةِ: فَكَيۡفَ إِذَا جِئۡنَا مِنۡ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيۡدٍ وَّجِئۡنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيۡدًا. قَالَ: حَسۡبُكَ الۡاٰنَ. فَالۡتَفَتُّ إِلَيۡهِ فَإِذَا عَيۡنَاهُ تَذۡرِفَانِ.))

(صحیح بخاری، رقم: 5050، صحیح مسلم، رقم: 1867، ابو داؤد، رقم: 6368)

''رسول اللہ ﷺ نے جب کہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے، مجھے ارشاد فرمایا کہ: مجھے قرآن سناؤ۔ میں نے عرض کیا: قرآن تو خود آپ ﷺ پر اُترا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے یہ پسند ہے کہ میں دوسروں سے قرآن سنوں۔ اس پر میں نے سورۃ النسآء پڑھنی شروع کر دی۔ جب میں اس آیت پر پہنچا کہ: پھر اُس دن کیا حال ہوگا جب لوگ جمع ہوں گے اور ہم ہر امت میں سے ایک نبی کو گواہ لائیں گے اور اے نبی ﷺ! ہم آپ ﷺ کو ان پر گواہ بنا کر کھڑا کریں گے۔ (النسآء 4: 41) تو آپ ﷺ نے فرمایا: اب بس کرو۔ پھر جب میں نے آپ ﷺ کی طرف

Marfat.com

دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔"

﴿یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَ لَا یَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا ۝﴾ (النسآء: 42)

فرمایا، جزا و سزا کے دن کفار اور اُن لوگوں پر، جنھوں نے رسول کی نافرمانی کی ہوگی، اس قدر دہشت طاری ہوگی کہ وہ خوف کے مارے یہ آرزو کریں گے کہ اے کاش! زمین اُن پر برابر کر دی جائے اور وہ مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں۔

جیسا کہ اِس سے ملتا جلتا مضمون سورہ النبا کے آخر میں بھی آیا ہے:

﴿اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِیْبًا ۚۖ یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ وَیَقُوْلُ الْكٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝﴾ (النبا 78: 40)

"بے شک ہم نے تمھیں قریب آ جانے والے قیامت کے عذاب سے ڈرا دیا ہے۔ جس دن آدمی دیکھ لے گا جو کچھ اُس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا، اور کافر کہے گا "اے کاش میں مٹی ہوتا!"

آخر میں فرمایا کہ قیامت کے دن مجرم لوگ اپنے اعمال کے بارے میں اپنی کوئی بات اللہ تعالیٰ سے چھپا نہ سکیں گے۔ اُن کے تمام اعمال اُن کے سامنے ظاہر کر دیے جائیں گے اور اُن کے مطابق اُن کو جزا و سزا ملے گی۔ جیسا کہ سورہ لقمان میں لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت کے حوالے سے فرمایا:

﴿یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ۝﴾ (لقمان 31: 16)

"اے میرے بیٹے! کوئی عمل اگر رائی کے دانے کے برابر ہو، خواہ وہ کسی پتھر کے اندر ہو، یا آسمانوں میں ہو، یا زمین میں ہو، اللہ اُسے حاضر کرے گا۔ بے شک اللہ باریک بیں اور باخبر ہے۔"

ظاہر ہے جو ذات عالم الغیب ہے۔ جو ظاہر اور پوشیدہ سب کا علم رکھتی ہے اُس سے کون سی چیز چھپ سکتی ہے؟

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰی حَتّٰی
تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی
تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ
مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا
صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

Marfat.com

عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

(النسآء: 43)

''اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ جو کچھ تم زبان سے کہو اُسے سمجھو۔ اسی طرح جب غسل کی حاجت ہو تو بھی نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک غسل نہ کرلو۔ البتہ بغیر غسل کیے مسجد اور نماز کی جگہ میں سے گزرنے کی اجازت ہے۔ اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم بیویوں کے پاس گئے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو، اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرلو۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیت کی تفسیر:

سُکٰرٰی: ......(س ک ر) یہ جمع ہے سَکرٌ کی، یا سَکْرَانٌ کی، جس کے معنی ہیں شراب کے نشے میں مست۔

جُنُبًا: ......جنبی، وہ شخص جس پر غسل واجب ہو۔ جُنُبٌ کے اصل معنی اجنبی یا دور ہونے کے ہیں۔ جنبی کو اس لیے جُنُبٌ کہا جاتا ہے کہ وہ جب تک غسل نہ کرلے نماز اور مسجد سے دور رہتا ہے۔

عَابِرِیْ سَبِیْلٍ: ......(راستہ عبور کرنے والے، راہ چلنے والے، گزرنے والے) عَابِرِیْ اصل میں عَابِرِیْنَ (عبور کرنے والے، گزرنے والے) تھا مضاف ہونے کی وجہ سے اس کا نون (ن) گر گیا ہے۔

اَلْغَائِطِ: ......اس کے اصل معنی ہیں نشیبی کھلی جگہ۔ چونکہ اہل عرب قضائے حاجت کے لیے نشیبی کھلی جگہ جاتے تھے اس لیے اس سے قضائے حاجت کا مقام یا قضائے حاجت مراد لینے لگے۔

لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ: ......تم نے بیویوں کو چھوا۔ اس کنائے سے ہم بستری یا صحبت مراد ہے۔

تَیَمَّمُوْا: ......(ی م م) اس کے اصل معنی ہیں تم ارادہ کرو۔ پھر اس کے یہ معنی ہو گئے تم تیمّم کرو۔

صَعِیْدًا: ......(ص ع د) اس کے معنی ہیں: مٹی، خاک، زمین، روئے زمین، غبار۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ ﴾ (النسآء: 43)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھیں۔ جنابت کی حالت میں بھی وہ غسل اور وضو کیے بغیر نماز نہیں پڑھ سکتے۔ وضو یا غسل کی حاجت ہو اور پانی موجود نہ ہو تو پھر تیمّم کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

سورۃ المائدہ میں بھی تیمّم کا حکم اس طرح آیا ہے:

﴿وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوۡا ؕ وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِکُمۡ وَ اَیۡدِیۡکُمۡ مِّنۡهُ﴾ (المائدہ 5: 6)

''اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی شخص جائے ضرورت سے ہو کر آئے، یا تم نے بیوی سے صحبت کی اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔''

زیر بحث آیت کے مضامین کے اہم نکات یہ ہیں:

1۔ سب سے پہلے اہل ایمان کو خطاب کر کے یہ حکم دیا گیا کہ نشے کی حالت میں نماز پڑھنا منع ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نشے کی چیز کا کھانا پینا حلال ہے اور صرف نماز کے اوقات میں منع ہے بلکہ اسلام میں ہر نشہ آور چیز اور تمام منشیات (Intoxicants) حرام ہیں۔ یہ آیت جس زمانے میں نازل ہوئی اُس وقت شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ شراب کو آہستہ آہستہ تدریج کے ساتھ حرام کیا گیا ہے ورنہ لوگ شراب نوشی سے باز نہ آتے۔

اس سے پہلے سورہ البقرہ میں تھا کہ:

﴿یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَ الۡمَیۡسِرِ ؕ قُلۡ فِیۡهِمَاۤ اِثۡمٌ کَبِیۡرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثۡمُهُمَاۤ اَکۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا﴾ (البقرۃ 2: 219)

''لوگ آپ (ﷺ) سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ (ﷺ) کہہ دیجیے: ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ ہے ابھی بعض لوگوں کا مفاد ان سے وابستہ ہے۔ مگر ان دونوں کا گناہ ان سے وابستہ مفاد سے بڑھ کر ہے۔''

پھر سورۃ النسآء کی زیر بحث آیت 43 کا نزول ہوا کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ آخر میں سورۃ المائدہ میں اسے قطعی طور پر ہمیشہ کے لیے ممنوع اور حرام قرار دے دیا گیا۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَ الۡمَیۡسِرُ وَ الۡاَنۡصَابُ وَ الۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝﴾ (المائدہ 5: 90)

''اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے آستانے اور تیروں سے فال لینا، سب گندے کام ہیں شیطان کے، ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

اصولی طور پر سورۃ النسآء کی اس آیت 43 کا یہ حکم اب باقی نہیں ہے بلکہ منسوخ ہے۔ البتہ اس لحاظ سے اب بھی یہ حکم باقی ہے کہ اگر کوئی مسلمان نشے کی حالت میں ہو تو اس حالت میں وہ نماز ادا نہیں کرسکتا۔

Marfat.com

2۔ اس آیت میں دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ جب کوئی شخص جنابت کی حالت میں ہو تو وہ بغیر غسل کیے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ کیونکہ ایسی حالت میں نماز پڑھنا ممنوع اور حرام ہے۔ یہی حکم ان عورتوں کے بارے میں ہے جو حیض و نفاس کی حالت میں ہوں۔ وہ بھی جب تک غسل نہ کرلیں گی نماز نہیں پڑھ سکتیں۔

3۔ آیت میں تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ جنابت کی حالت ہو یا حیض و نفاس کی، ان حالتوں میں مسجد میں داخلہ ممنوع ہے۔ البتہ اگر کہیں جانے کے لیے مسجد میں سے گزرنا پڑے تو گزرنے کی اجازت ہے لیکن اس صورت میں بھی مسجد میں ٹھہرنا یا بیٹھنا جائز نہیں۔

4۔ آیت میں چوتھا حکم یہ دیا گیا ہے کہ ناپاکی کی حالت میں اگر پانی نہ ملے، یا غسل کرنے سے بیماری کا یا اُس کے بڑھنے کا خطرہ ہو تو غسل کی جگہ تیمّم کیا جا سکتا ہے۔

5۔ آیت میں پانچواں حکم یہ دیا گیا کہ اگر کوئی شخص بیمار ہے، یا مسافر ہے، یا وہ رفع حاجت کر کے آیا ہے، یا اس نے بیوی سے جماع کیا ہے اور اسے پانی میسر نہیں ہے تو وہ ان تمام حالتوں میں جن میں وضو یا غسل ضروری ہوتا ہے، صرف تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے اور مسجد میں داخل ہو سکتا ہے۔

6۔ پھر تیمّم کا طریقہ بتایا گیا جیسا کہ سورۃ المائدہ کی آیت 6 میں بھی بیان ہوا ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر پہلے اپنی دونوں ہتھیلیاں پاک صاف مٹی پر ماری جائیں اور ان کو ایک بار چہرے پر پھیر لیا جائے۔ پھر دوبارہ اسی طرح ہتھیلیوں کو مٹی پر مار کر کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر پھیر لیا جائے۔ بس تیمّم ہو گیا۔ یہی تیمّم ہے جو وضو اور غسل دونوں کا قائم مقام ہو جاتا ہے اور اس کے بعد نماز وغیرہ پڑھ سکتے ہیں۔

یاد رہے کہ تیمّم صرف ہماری امت مسلمہ کے لیے جائز ہے۔ پہلی امتوں کے لیے تیمّم جائز نہ تھا۔
(صحیح مسلم، رقم: 1165)

گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لیے ایک رحمت اور رخصت ہے۔

7۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عَفُوًّا غَفُوْرًا یعنی معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اس لیے وہ تمہیں احکام میں آسانیاں اور رخصتیں عطا فرماتا ہے۔ تاکہ تمہارے لیے دین کے احکامات پر عمل کرنا مشکل نہ رہے۔

عَفُوٌّ اور غَفُوْرٌ کے اسمائے حسنیٰ تصریف کے اسلوب میں چند اور مقامات پر بھی ساتھ ساتھ اکٹھے آئے ہیں۔ اسی سورۃ النسآء میں آگے چل کر ہجرت نہ کر سکنے والوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

﴿فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا۝﴾ (النسآء 4: 99)

”پھر اُن کے بارے میں توقع ہے کہ اللہ اُن کو معاف کر دے گا۔ اور اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔“

سورۃ الحج میں مظلوم کی مدد کے حوالے سے فرمایا گیا:

Marfat.com

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴾ (الحج 22: 60)

''بے شک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔''

سورۃ المجادلہ میں ظہار کرنے والوں کے بارے میں بھی فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴾ (المجادلہ 58: 2)

''بے شک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔''

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ
وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ
وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا
وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ
وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا
لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ
اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

(النسآء: 44-46)

''(اے مسلمانو!) کیا تم نے اُن لوگوں کا حال نہیں دیکھا جنہیں کتابِ الٰہی کا کچھ حصہ دیا گیا مگر وہ گمراہی خرید رہے ہیں اور چاہتے ہیں تم بھی گمراہ ہو جاؤ۔ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ کی حمایت اور مدد ہی تمہارے لیے کافی ہے۔ (اے نبی ﷺ!) یہودیوں کا ایک گروہ بات کو اُس کے ٹھکانے سے ہٹا دیتا ہے اور آپ (ﷺ) سے کہتا ہے ''ہم نے سنا، مگر ہم مانیں گے نہیں۔'' وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''سنیں اور تمہیں سنایا نہ جائے۔'' اور وہ اپنی زبان کو موڑ کر رَاعِنَا کہتے ہیں تاکہ دین حق پر عیب لگائیں۔ اگر وہ اس کی بجائے یہ کہتے ''ہم نے سنا اور مانا اور ہماری طرف متوجہ ہوں۔'' تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا اور صحیح بات ہوتی۔ مگر اللہ نے اُن کے کفر کی وجہ سے اُن پر لعنت کر دی، اس

Marfat.com

لیے وہ بہت کم ایمان لائیں گے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَلْكَلِم:...... یہ کَلِمَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: کلام، بات۔

مَوَاضِع:...... یہ مَوْضَعٌ کی جمع جس کے معنی ہیں جگہیں، مقامات۔

غَيْرَ مُسْمَعٍ:......اس کے معنی ہیں نہ سنایا گیا۔ مراد ہے جسے نہ سنایا جائے۔

لَيًّا:......(ل وی) اس کے معنی ہیں: موڑنا، پھیرنا، گھمانا۔

طَعْنًا:......طعن کرنا، طعنہ دینا، عیب لگانا۔ اصل میں طَعْنٌ کے معنی نیزے سے مارنے کے ہیں۔ پھر استعارے کے طور پر اس کے معنی عیب لگانے اور طعنہ دینے کے ہو گئے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾﴾ (النسآء: 44-45)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو چند احکام دیے ہیں تاکہ وہ ان پر عمل کر کے دنیا اور آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کریں۔

اب اُن کو ترغیب و ترہیب کے انداز میں یہودیوں کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ اس سے پہلے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام دیے تھے مگر انہوں نے ان پر عمل نہ کیا۔ انہوں نے نافرمانی کی۔ جس کے نتیجے میں اُن پر عذاب آئے۔ بعض کی شکلیں مسخ ہوئیں۔ کچھ کو بندر اور سور بنا دیا گیا۔ لہٰذا اب مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ یہودیوں کی روش اور نقل سے بچیں ورنہ اُن کو بھی اللہ تعالیٰ عذاب دے گا۔

آیت میں ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ "کیا تو نے نہیں دیکھا" کا استفہام تعجب کے لیے ہے۔ فرمایا، ان اہل کتاب بالخصوص یہودیوں کا حال بھی عجیب ہے۔ ان کو کتابِ الٰہی کا ایک حصہ - توریت - دی گئی تاکہ یہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں مگر انہوں نے اسے پسِ پشت ڈال دیا اور اس پر عمل نہ کر کے گمراہی خرید لی۔ اب وہ دنیا میں گمراہی کے سوداگر اور بیوپاری بنے ہوئے ہیں۔ خود گمراہ ہیں دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ سب لوگ اُن کی طرح گمراہ ہو جائیں۔

یہودیوں کے بارے میں یہی مضمون اس سے پہلے سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے:

﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (البقرة 2: 109)

"(اے مسلمانو!) حق بات واضح ہونے کے باوجود بہت سے اہل کتاب محض حسد کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح تمہیں بھی کافر بنا دیں۔ مگر تم انہیں معاف کر دو اور اُن سے درگزر کرو

Marfat.com

یہاں تک کہ اس بارے میں اللہ کا کوئی اور حکم آ جائے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

پھر اسی بات کو سورہ آل عمران میں بھی بیان کیا گیا ہے:

﴿وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ۝﴾ (آل عمران 3: 69)

"(مسلمانو!) اہل کتاب کے کچھ لوگ تمہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں حالانکہ اس طرح وہ خود گمراہ ہو رہے ہیں مگر نہیں سمجھتے۔"

یہودیوں کو اہل اسلام سے خاص طور پر حسد اور تعصب تھا کہ اُن کو نبی ﷺ اور قرآن مجید کے ذریعے ہدایت مل گئی ہے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے سخت مخالف اور دشمن ہو گئے تھے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ان دشمنوں کو اچھی طرح جانتا ہے اور ان کے مقابلے میں وہ اہل ایمان کا حامی و ناصر اور مددگار رہے گا۔

﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝﴾

(النسآء: 46)

فرمایا: بعض یہودی ایسے ہیں جو باتوں کو اُن کے ٹھکانوں اور جگہوں سے ہٹا دیتے ہیں۔ کلام کا مضمون بدل دیتے ہیں۔ زبانِ حال سے "سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا" (ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی) کہتے ہیں۔ نبی ﷺ کے بارے میں بدزبانی کرتے ہیں۔ اپنی زبانوں کو موڑتے ہوئے "رَاعِنَا" (ہماری رعایت کیجیے) کو 'رَاعِيْنَا' (ہمارے چرواہے) بنا دیتے ہیں اور نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ دین اسلام کے خلاف الزام تراشی کرتے ہیں۔ لیکن اس کی بجائے اگر وہ "سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا" (ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی) کہتے۔ نبی ﷺ اور دین اسلام پر طعن و تشنیع اور الزام تراشی نہ کرتے۔ "رَاعِنَا" کی بجائے "اُنْظُرْنَا" (ہماری طرف متوجہ ہوں) کہتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی صحیح ہوتی۔ لیکن اُن کی کافرانہ حرکتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی ہے۔ اب ان میں سے کم ہی ایمان لائیں گے۔

تاریخ گواہ ہے کہ قرآن کی یہ پیش گوئی بالکل سچی ثابت ہوئی۔ نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں عرب کے تمام مشرکین ایمان لے آئے، عرب عیسائیوں کی بڑی تعداد مسلمان ہو گئی۔ مگر یہودیوں میں سے صرف چند گنے چنے افراد نے اسلام قبول کیا جن کی تعداد پندرہ (15) سے بھی کم تھی۔

اس جگہ یہودیوں کی جن بداعمالیوں کا ذکر کیا گیا ہے اس کی مزید تفصیل درج ذیل مقامات پر بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

البقرہ 2:93، 104، آل عمران 3:78، المائدہ 5:60، الاعراف 7:166۔

Marfat.com

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٤٧﴾

(النسآء: 47)

”اے اہل کتاب! ہمارے نازل کیے ہوئے قرآن پر، جو تمہاری کتابوں کو سچا کر دکھانے والا ہے، ایمان لاؤ، اس سے پہلے کہ ہم تمہارے چہرے مسخ کر دیں اور انہیں اُلٹی طرف لگا دیں، یا تم پر لعنت کر دیں جیسے سبقت (ہفتے کے دن) والوں پر کی تھی۔ اور یاد رکھو اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔“

الفاظ کی تحقیق اور آیت کی تفسیر:

نَطْمِسَ:...... (ط م س) ہم صورت/شکل کو بگاڑ/مٹا/ پلٹا دیں۔

فَنَرُدَّهَا:...... پھر ہم اُسے پھیر دیں۔ اس کا مصدر رَدٌّ ہے جس کے معنی پھیر دینے کے ہیں۔

اَدْبَارِهَا:...... (اُن کی پیٹھیں) اَدْبَارٌ جمع ہے دُبُرٌ کی جس کے معنی ہیں: پیٹھ، پشت، پیچھے۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٤٧﴾﴾

(النسآء: 47)

اِس آیت میں اہل کتاب...... یہود و نصاریٰ...... دونوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ تم لوگ اِس قرآن پر ایمان لاؤ، جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اُس توحید پر قائم ہو جاؤ جس کی تعلیم تم کو دی گئی تھی:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڏ حُنَفَاۗءَ﴾ (البیّنہ: 98: 5)

”اور اُن کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کریں، صرف اُسی کی فرماں برداری کرتے ہوئے اور یکسو ہو کر۔“

مگر تم نے توحید کی بجائے شرک کو اختیار کر لیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو یہودیوں نے اللہ کا بیٹا قرار دیا اور عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا لیا۔ اس کے علاوہ اہل کتاب نے اپنے احبار و رہبان یعنی علماء اور مشائخ کو بھی رب بنا رکھا تھا جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ 9: 31)

”اُنہوں نے اللہ کے سوا اپنے علماء اور مشائخ کو بھی اپنا رب بنا لیا تھا۔“

Marfat.com

پھر عیسائیوں نے تثلیث یعنی تین خداؤں (Trinity) کو بھی اپنا معبود بنا لیا۔

پھر فرمایا، تم اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کر دے۔ تمہاری شکلیں بگاڑ دے۔ تمہارے چہرے مسخ کر دے اور اُن کو اُلٹی طرف لگا دے۔ اسلام کے خلاف تمہاری سازشیں تمہی پر اُلٹی پڑ جائیں، تمہیں اُلٹے پاؤں اپنے آبائی وطن فلسطین کی طرف جلاوطن ہونا پڑے۔ تم ایسے اندھے بہرے بن جاؤ کہ پھر ہدایت کی راہ پر آنا تمہارے لیے ممکن نہ رہے اور تم گمراہی میں پڑے رہو اور ذلت و نامرادی تمہارا مقدر بن جائے۔ یا تم پر ایسی لعنت کر دی جائے جیسے اصحاب السبت یعنی ہفتے والوں پر کی گئی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے پر اُن کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔

یہی مضمون تصریفِ آیات کے اُسلوب میں کئی اور مقامات پر بھی بیان ہوا ہے۔ سورۃ البقرہ میں اس کی طرف مجمل اشارہ کیا گیا:

﴿وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِیۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡکُمۡ فِی السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَہُمۡ کُوۡنُوۡا قِرَدَۃً خٰسِئِیۡنَ ۝ فَجَعَلۡنٰہَا نَکَالًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہَا وَ مَا خَلۡفَہَا وَ مَوۡعِظَۃً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۝﴾ (البقرہ 2: 65-66)

''اور تمہیں اپنے اُن لوگوں کا قصہ بھی یاد ہے جنہوں نے ہفتے کے دن کے بارے میں زیادتی کی۔ ہم نے اُن کو کہا: ''تم ذلیل بندر بن جاؤ'' ہم نے اس واقعے کو اُن لوگوں کے لیے جو اُس وقت موجود تھے اور اُن کے لیے بھی جو بعد میں آئے، عبرت کا نمونہ بنا دیا اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے اس میں نصیحت رکھ دی۔''

پھر سورۃ الاعراف میں اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا:

﴿وَسۡـَٔلۡہُمۡ عَنِ الۡقَرۡیَۃِ الَّتِیۡ کَانَتۡ حَاضِرَۃَ الۡبَحۡرِ ۘ اِذۡ یَعۡدُوۡنَ فِی السَّبۡتِ اِذۡ تَاۡتِیۡہِمۡ حِیۡتَانُہُمۡ یَوۡمَ سَبۡتِہِمۡ شُرَّعًا وَّ یَوۡمَ لَا یَسۡبِتُوۡنَ ۙ لَا تَاۡتِیۡہِمۡ ۚۛ کَذٰلِکَ ۚۛ نَبۡلُوۡہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ ۝ وَ اِذۡ قَالَتۡ اُمَّۃٌ مِّنۡہُمۡ لِمَ تَعِظُوۡنَ قَوۡمَا ۨ اللّٰہُ مُہۡلِکُہُمۡ اَوۡ مُعَذِّبُہُمۡ عَذَابًا شَدِیۡدًا ؕ قَالُوۡا مَعۡذِرَۃً اِلٰی رَبِّکُمۡ وَ لَعَلَّہُمۡ یَتَّقُوۡنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُکِّرُوۡا بِہٖۤ اَنۡجَیۡنَا الَّذِیۡنَ یَنۡہَوۡنَ عَنِ السُّوۡٓءِ وَ اَخَذۡنَا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا بِعَذَابٍۭ بَئِیۡسٍۭ بِمَا کَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ ۝ فَلَمَّا عَتَوۡا عَنۡ مَّا نُہُوۡا عَنۡہُ قُلۡنَا لَہُمۡ کُوۡنُوۡا قِرَدَۃً خٰسِئِیۡنَ ۝﴾

(الاعراف 7: 163-166)

''اے نبی (ﷺ)! بنی اسرائیل سے اُس بستی کا حال پوچھیں جو سمندر کے کنارے آباد تھی۔ جہاں کے لوگوں نے سبت یعنی ہفتے کے دن کی خلاف ورزی کی۔ جب ہفتے کا دن ہوتا تو مچھلیاں پانی کے اُوپر آ جاتیں۔ جب ہفتہ نہ ہوتا تو نہ آتیں۔ اس طرح ہم نے اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے اُن کو آزمائش میں ڈالا۔

Marfat.com

یاد کرو جب اُس بستی کے ایک گروہ نے بعض لوگوں سے کہا: ''تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے، یا ان کو سخت عذاب دینے والا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا: ''اس لیے تاکہ تمہارے رب کے سامنے عذر پیش کر سکیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کیا اور شاید وہ لوگ ڈریں۔ پھر جب انہوں نے وہ ساری نصیحتیں بھلا دیں جو انہیں کی گئیں تو ہم نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے، مگر ظالموں کو اُن کی نافرمانی کی وجہ سے سخت عذاب میں پکڑ لیا۔ پھر جب وہ اس بات میں حد سے زیادہ سرکش ہو گئے جس سے انہیں روکا گیا تو ہم نے اُن کو حکم دیا ''تم ذلیل بندر بن جاؤ۔''

آخر میں فرمایا: ﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ کہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی فیصلے اٹل اور قطعی ہوتے ہیں، اُن کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ جیسے فرمایا:

﴿اِنَّمَا اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝﴾ (یٰس 36: 82)

''اُس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ''ہو جا'' اور وہ ہو جاتی ہے۔''

یہود سے یہ کہا گیا کہ تم پہلی قوموں کے واقعات پر غور کرو۔ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن پر عذاب نازل کیا جو تم پر بھی آ سکتا ہے۔ اس لیے اس سے بچنے کی تدبیر کرو۔ جس کی واحد صورت یہ ہے کہ تم قرآن اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لاؤ اور توحید کا عقیدہ اختیار کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ
يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ
يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى
اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع ۴

(النسآء: 48-50)

''بے شک اللہ شرک معاف نہیں کرے گا۔ اس کے سوا باقی گناہوں میں سے جو چاہے گا بخش دے گا۔ جو شخص اللہ کا شریک بناتا ہے، وہ بڑا بہتان باندھتا ہے۔

اے نبی (ﷺ)! کیا آپ (ﷺ) نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو گناہوں سے پاک

Marfat.com

سمجھتے ہیں، حالانکہ اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور اللہ کسی پر ذرا ظلم نہیں کرتا۔ مگر دیکھو، یہ لوگ اللہ پر کیسا جھوٹ باندھ رہے ہیں اور صریح گناہ ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

یُزَکُّوْنَ:...... (زک و) وہ پاک کرتے ہیں، پاک ٹھہرتے ہیں۔

فَتِیْلًا:...... (ف ت ل) دھاگہ، کھجور کی گٹھلی کا ریشہ۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا ۝﴾ (النسآء: 48)

اس سے پہلے یہود و نصاریٰ کو ایمان نہ لانے پر سخت وعید سنائی گئی کہ اگر وہ ایمان نہیں لائیں گے تو اُن کے چہرے مسخ کر دیے جائیں گے اور اُن کو اُلٹی طرف لگا دیا جائے گا اور اللہ کا ہر فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔

اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اُوپر کی سخت وعید کفر و شرک کے لیے تھی جو نا قابلِ معافی گناہ ہیں۔ جو شخص دنیا میں کفر و شرک کا مرتکب رہا اور اُس نے مرنے سے پہلے توبہ نہ کر لی اور وہ کفر و شرک کی حالت میں مر گیا تو اُس کے لیے آخرت میں کوئی بخشش نہیں ہے۔ رہے ان کے علاوہ دوسرے گناہ تو اُن میں سے اللہ تعالیٰ جو چاہے گا بخش دے گا۔

یہی مضمون تصریف کے اسلوب میں اسی سورت میں دوسرے مقام پر بھی آیا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًاo﴾ (النسآء 4: 116)

''بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں اُن میں سے جو چاہے گا بخش دے گا۔ اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا تو وہ سیدھی راہ سے بھٹک کر بہت دُور جا پڑا۔''

آخر میں فرمایا کہ شرک حقیقت میں سراسر جھوٹ بہتان اور گناہِ عظیم ہے یعنی کبیرہ گناہ ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ۝﴾ (النسآء: 49)

یہ یہودیوں کے بارے میں کہا گیا۔ اس میں اَلَمْ تَرَ (کیا تو نے دیکھا) کا استفہام تعجب کے لیے آیا ہے۔ فرمایا: یہ لوگ اپنے آپ کو پاک باز کہتے ہیں اور دوسروں کو گناہ گار سمجھتے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ:

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ﴾ (المائدہ 5: 18)

''ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے چہیتے ہیں۔''

اور ہم سب جنت میں جائیں گے باقی دنیا جہنم میں جائے گی۔ کیونکہ ہم ہدایت پر ہیں اور باقی سب لوگ گمراہ

Marfat.com

ہیں۔ فرمایا: یہ سب اُن کے جھوٹے دعوے اور گمان ہیں، اُن کی جھوٹی خواہشیں اور تمنائیں ہیں اور اس کی کوئی دلیل اُن کے پاس نہیں۔

﴿تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝﴾ (البقرۃ: 2)

''یہ محض اُن کی جھوٹی آرزوئیں ہیں۔ ان سے کہہ دیجیے اگر تم سچے ہو تو اس دعوے کی کوئی دلیل پیش کرو۔''

فرمایا: محض پاک ہونے کا دعویٰ کر کے کوئی انسان پاک نہیں ہو جاتا۔ جس کو اللہ تعالیٰ پاک کر دے، وہی پاک ہوتا ہے۔ وہ جس شخص کو ایمان اور اچھے اعمال کی توفیق دیتا ہے وہی پاک ہوتا ہے۔ مگر یہ توفیق اُسے ملتی ہے جو ہدایت کا طلب گار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

﴿وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۝﴾ (الشوریٰ 42: 13)

''اور وہ اُس کو ہدایت دیتا ہے جو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے۔''

جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ج فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ (النجم 53: 32)

''وہ تم لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے، جب اُس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں جنین کی حالت میں تھے۔ لہٰذا تم اپنے آپ کو پاک اور مقدس نہ سمجھو، وہی بہتر جانتا ہے کون پرہیز گار ہے۔''

پھر فرمایا آخرت میں کسی شخص پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے کے برابر یعنی ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔ معمولی ناانصافی بھی نہ ہوگی۔ ہر کسی کو اُس کے اچھے برے اعمال کی پوری جزاو سزا ملے گی۔

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝﴾ (النسآء: 50)

فرمایا، دیکھو یہ یہودی کس طرح ڈھٹائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف وہی گناہوں سے پاک قوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اُس کے چہیتے ہیں۔ آخرت میں نجات صرف اُن کے لیے ہے۔ جنت میں صرف وہی جائیں گے۔ اس طرح کی غلط باتیں اور جھوٹے وعدے کر کے وہ گناہ پر گناہ کمائے جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود گناہوں سے پاک ہونے کے دعوے دار ہیں۔

اس جگہ فعل ماضی کی جگہ یَفْتَرُوْنَ (وہ گھڑتے ہیں) کا فعل مضارع لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ مستقل جھوٹے اور عادی مجرم ہیں۔ اپنے آپ کو گناہوں سے پاک سمجھنا، جھوٹی آرزوئیں رکھنا اور جنتی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرنا ان کی عادتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ اب یہ لوگ اصلاح کے قابل نہیں رہے۔ ان سے ایمان لانے کی توقع فضول ہے۔

Marfat.com

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ
وَ الطَّاغُوۡتِ وَ یَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ہٰۤؤُلَآءِ اَہۡدٰی مِنَ
الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِیۡلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ ؕ وَ مَنۡ
یَّلۡعَنِ اللّٰہُ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ نَصِیۡرًا ﴿ؕ۵۲﴾ اَمۡ لَہُمۡ نَصِیۡبٌ مِّنَ
الۡمُلۡکِ فَاِذًا لَّا یُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ نَقِیۡرًا ﴿ۙ۵۳﴾ اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ
النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۚ فَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ
الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ اٰتَیۡنٰہُمۡ مُّلۡکًا عَظِیۡمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنۡہُمۡ
مَّنۡ اٰمَنَ بِہٖ وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡہُ ؕ وَ کَفٰی بِجَہَنَّمَ سَعِیۡرًا ﴿۵۵﴾

(النسآء: 51-55)

”کیا تم نے اُن لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جنہیں کتابِ الٰہی کا کچھ حصہ دیا گیا مگر وہ بتوں کو اور شیطان کو مانتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں وہ مسلمانوں سے زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی۔ اور جس پر اللہ لعنت کر دے، اُس کا کوئی مددگار نہیں۔ کیا اللہ کی بادشاہی میں ان کا بھی کوئی دخل ہے؟ پھر تو یہ لوگوں کو ایک تل برابر بھی نہ دیں۔ یا پھر انہیں اس بات کا حسد ہے کہ کیوں اللہ نے مسلمانوں کو اپنے فضل سے نوازا؟ حالانکہ اس سے پہلے ہم نے خاندانِ ابراہیم (علیہ السلام) کو کتاب وحکمت اور عظیم سلطنت دی تھی۔ پھر ان لوگوں میں سے کوئی ایمان لایا، کوئی رُکا رہا، تو ایسے لوگوں کے لیے جہنم کی بھڑکتی آگ کافی ہے۔“

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَلۡجِبۡتِ:...... بت، شیطان، جادو۔ اصل میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے سوا ہر وہ چیز ہے جس کی پوجا کی جائے۔

نَقِیۡرًا:...... کھجور کی گٹھلی کے اوپر کا چھلکا۔ معمولی/حقیر چیز۔

صَدَّ:...... یہ صَدٌّ سے ہے۔ جس کے معنی رُکنے کے بھی ہیں اور روکنے کے بھی۔

﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَ الطَّاغُوۡتِ وَ یَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ

Marfat.com

كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿٥١﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَ مَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿٥٢﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿٥٣﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿٥٥﴾

(النسآء: 51-55)

فرمایا: علمائے یہود کو دیکھو، جن کو کتابِ الٰہی کا ایک حصہ یعنی توریت دی گئی تھی، مگر انہوں نے اس سے ہدایت و رہنمائی لینے کی بجائے شیطان کی پیروی کی۔ جادو ٹونے اور دوسرے سفلی علوم کے پیچھے پڑ گئے۔ اپنے آپ کو ''اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' (اللہ کے سوارب) کے مقام پر لا کھڑا کیا۔ مشرکین عرب کو اہلِ اسلام پر ترجیح دی۔ اسلام کی مخالفت اور مشرکین سے دوستی کی۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اِن لوگوں کی اِنہی حرکتوں کی وجہ سے اِن پر لعنت کر دی۔ اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کر دے، اُس کی مدد کرنے والا اور اُسے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوسکتا۔

پھر فرمایا: 'اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ'' (کیا ان کو بادشاہی حاصل ہے) اس میں اَمْ دراصل ءَ (کیا) کے معنوں میں ہے اور یہ استفہامِ انکاری ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے پاس بادشاہی نہیں ہے۔ وہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان سے چھن گئی ہے۔ اگر ان کو بادشاہی حاصل ہوتی تو یہ اتنے خودغرض، بخیل اور حاسد ہیں کہ کسی اور کو کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیتے۔

پھر ارشاد ہوا کہ ان یہودیوں کو نبی ﷺ اور مسلمانوں کا حسد کھائے جا رہا ہے کہ کیوں ان کو نبوت و رسالت اور قرآن کی نعمت سے نوازا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آلِ ابراہیم علیہ السلام (خاندانِ ابراہیم) کی ایک شاخ کو توریت نامی کتاب دی اور بڑی بادشاہی عطا کی تھی۔ مگر انہوں نے اس کی قدر نہ کی تو اُن سے یہ اعزاز چھین لیا گیا اور اب وہ اعزاز آلِ ابراہیم علیہ السلام (خاندانِ ابراہیم علیہ السلام) کی دوسری شاخ بنی اسماعیل کو مل گیا ہے جو اہلِ عرب بھی ہیں۔ جن میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت محمد ﷺ کو نبوت و رسالت عطا فرمائی ہے۔ کتاب و حکمت یعنی قرآن و سنت سے نوازا ہے اور عظیم بادشاہی دینے کا فیصلہ فرما دیا ہے جو ان کو آئندہ ملنے والی ہے اور جس کی بنیاد رکھی جا چکی ہے۔ اِس میں اہلِ اسلام کی بڑی فتوحات اور عظیم سلطنت ہونے کی طرف اشارہ بلکہ پیش گوئی ہے جو بعد میں پوری ہو کر رہی۔

پھر فرمایا: آلِ ابراہیم علیہ السلام کے انبیائے کرام پر بھی، جن کو بادشاہت بھی ملی تھی، اُن کی ساری اُمتیں ایمان نہیں لائی تھیں۔ بلکہ ان میں سے بعض لوگ ایمان لائے تھے اور بعض ایمان نہیں لائے تھے۔ بالکل یہی معاملہ اب حضرت محمد ﷺ کو درپیش ہے۔ ان پر بھی اگر اکثر یہودی ایمان نہیں لا رہے ہیں تو ایسا ہر نبی کے ساتھ ہوتا آیا ہے۔

Marfat.com

اس میں نبی ﷺ کے لیے تسلی ہے اور اطمینان کا پہلو ہے کہ اگر یہود آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو نہیں مانتے تو آپ ﷺ اُن کی فکر نہ کریں اور اُن کی خاطر غمگین نہ ہوں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۝﴾

(الکھف 18 : 6)

”(اے نبی ﷺ) شاید آپ (ﷺ) ان لوگوں کی وجہ سے اپنے آپ کو غم سے ہلاک کر ڈالیں گے کہ وہ کیوں اِس قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔“

آخر میں فرمایا: اگر حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان نہ لانے والے یہودیوں کو دنیا میں کم عذاب ہوا تو آخرت میں اُن کو جہنم کی بھڑکتی آگ کا پورا عذاب نازل کر رہے گا جو اُن کے لیے کافی ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝٥٦ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝٥٧

(النسآء: 56-57)

”بے شک جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کا انکار کیا، انہیں ہم قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں ڈالیں گے۔ جب اُن کے جسم کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم اُن کی کھالیں بدل کر دوسری کر دیں گے تا کہ وہ عذاب سہتے رہیں۔ بے شک اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔
جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، انہیں ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی، وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اُن کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ ہم انہیں گھنی چھاؤں میں رکھیں گے۔“

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

نَضِجَتْ: ......وہ پک جائے گی۔ وہ پک جائیں گی۔ اس کا مصدر ہے نَضْجٌ (پک جانا)۔

جُلُوْدُهُمْ: ...... (اُن کی کھالیں) جُلُوْدٌ جمع ہے جِلْدٌ کی جس کے معنی ہیں: کھال، چمڑی۔

Marfat.com

ظِلًّا ظَلِيْلًا: ......(گھنی چھاؤں، گھنا سایہ) ظِلٌّ کے معنی ہیں: سایہ، چھاؤں، ظَلِيْلًا کے معنی گھنا، گہری، گھنی چھاؤں سے مراد ہے عیش وعشرت کی زندگی۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (النسآء: 56)

فرمایا: آلِ ابراہیم علیہ السلام کے انبیائے کرام علیہم السلام پر جو آیتیں نازل ہوئیں اور ان میں اب یہ قرآن بھی شامل ہے، تو ان کا انکار کرنے والوں کو دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا۔ ان کے عذاب میں کوئی کمی یا وقفہ نہ ہوگا۔ جب اُن کی کھالیں پک جائیں گی اور ان میں درد کا احساس ختم ہونے لگے گا تو ان کی جگہ دوسری کھالیں پہنا دی جائیں گی، تا کہ ان کو زیادہ سے زیادہ اور دائمی عذاب میں مبتلا رکھا جائے۔ العیاذ باللہ

یاد رہے کہ انسان کو درد کا شدید احساس کھال ہی کے ذریعے ہوتا ہے اور باقی اندرونی جسم میں درد کا احساس کم ہوتا ہے۔ اس بات کا انکشاف زمانۂ حال کی تحقیق سے ہوا ہے۔ جبکہ قرآن نے چودہ سو (1400) برس پہلے اس حقیقت کو ظاہر کر دیا تھا۔

آخر میں فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ عزیز ہے کہ وہ زبردست قوت والا اور غالب ہے۔ اپنے حکم کو بزور نافذ کرسکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ حکیم بھی ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی اعلیٰ مقصد اور حکمت کارفرما ہوتی ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَھُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا﴾ (النسآء: 57)

یہ اُن لوگوں کا ذکر ہے جو آلِ ابراہیم علیہ السلام کے انبیائے کرام پر بالعموم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بالخصوص ایمان لائے۔ جنہوں نے نیک اعمال کیے۔ ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اُن کو جنت کے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جہاں نہریں جاری ہوں گی۔ وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لیے اس میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی جو ہر طرح کی ظاہری اور باطنی آلائش سے پاک ہوں گی۔ اُن کو وہاں گھنی چھاؤں میں رکھا جائے گا۔ جہاں نہ گرمی کی دھوپ ہوگی اور نہ سخت سردی ہوگی۔ اُن کو وہاں عیش وعشرت کی زندگی میسر ہوگی۔

﴿لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا﴾ (الدھر 76: 13)

''اُن کے لیے وہاں نہ دھوپ ہوگی اور نہ سخت سردی۔''

گھنی چھاؤں دراصل استعارہ ہے عیش وعشرت کی زندگی سے جیسا کہ قرآن مجید میں اس تعبیر کی کئی مثالیں اور نظائر موجود ہیں:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝﴾

Marfat.com

(المرسلات 77: 41-42)

”بے شک پرہیز گار لوگ سایوں اور چشموں کے عیش میں ہوں گے۔ انہیں اپنی پسند کے پھل میوے ملیں گے۔“

سورۂ یٰسٓ میں بھی جنت کے درختوں کے سایوں کا ذکر ہے:

﴿اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ○ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ ○﴾ (یٰسٓ 36: 55-56)

”بے شک جنتی لوگ اس دن اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ وہ اور اُن کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔“

گویا اہل ایمان کو جنت میں نہایت عیش و عشرت کی زندگی حاصل ہوگی۔ یاد رہے کہ قرآن مجید میں عام طور پر ایمان کے ساتھ نیک اعمال کا ذکر کرنے کے بعد ہی جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع ۹ ۵

(النسآء: 58-59)

”(اے مسلمانو!) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے حق داروں کو پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ اللہ تمہیں کتنی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسول اللہ (ﷺ) کی، اور اُن کی جو تم میں سے حکمران ہیں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول اللہ

Marfat.com

(ﷺ) کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

حَكَمْتُمْ: ......(ح ک م) تم فیصلہ کرو۔

نِعِمَّا: ......(بہت اچھا، خوب) یہ اصل میں ہے نِعْمَ + مَا ہے۔ نِعْمَ کے میم کا اِدغام مَا میں ہوکر نِعِمَّا ہوگیا۔ اس کے معنی ہیں نِعْمَ الشَّیْءُ یَعِظُكُمْ بِهٖ (وہ کتنی اچھی بات کی تمہیں نصیحت کرتا ہے)۔ ایک قراءت میں اس کو نِعْمَا بھی پڑھا گیا ہے۔

اُولِی الْاَمْرِ: ......(حکم والے، اختیار والے) اس سے مسلمان حکمران یا علمائے دین مراد ہوتے ہیں۔

تَنَازَعْتُمْ: ......(ن ز ع) تم نے جھگڑا کیا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝﴾ (النسآء: 58)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ حق داروں کو اُن کی امانتیں واپس لوٹا دیں اور لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کیا کریں۔

آیت میں ''اللہ'' کا لفظِ جلالت تین بار آیا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، رُعب اور جلال کا تصور پیدا کیا جائے۔

عربی زبان میں ''امانت'' کا لفظ بہت جامع ہے اور یہ بہت وسیع معنوں میں آتا ہے۔ اس سے تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد مراد ہوتے ہیں۔ اس میں امانت کا عام فہم مطلب بھی شامل ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے آدمی کے پاس کوئی چیز رکھوا دی کہ وہ بعد میں ضرورت کے وقت اُسے واپس لے لے گا تو یہ امانت ہے جو اس کے مالک کے مطالبے پر اُسے واپس لوٹا دینی چاہیے۔

امانت داری ایک اعلیٰ اخلاقی وصف ہے جو ہر صاحبِ ایمان میں ہونا چاہیے۔ اہلِ ایمان کی ایک پہچان اور نشانی یہ ہے کہ وہ امانت کا خیال رکھتے ہیں اور اسے اس کے حق داروں تک پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ (المومنون 23: 8)

''اور جو اپنی امانتوں اور وعدوں کا خیال رکھتے ہیں۔''

اور اسی بات کو تصریفِ آیات کے اسلوب میں سورۃ المعارج میں بھی بیان کیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ (المعارج 70: 32)

''اور جو اپنی امانتوں اور وعدوں کا خیال رکھتے ہیں۔''

Marfat.com

پھر سورۃ انفال میں خیانت کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (الانفال 8: 27)

''اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ بے ایمانی نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو جبکہ تم جانتے ہو یہ بری چیز ہے۔''

امانت میں خیانت کرنا منافقت ہے۔ ہر خائن شخص منافق ہوتا ہے۔ ایک متفق علیہ حدیث میں منافق کی جو چار خصلتیں اور نشانیاں بیان کی گئی ہے اُن میں سے پہلی خصلت اور نشانی امانت میں خیانت کرنا بھی ہے۔

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ))

(صحیح بخاری، رقم: 34۔ صحیح مسلم، رقم: 210۔ ترمذی، رقم: 2632۔ ابو داؤد، رقم: 4688۔ نسائی، رقم: 5020)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ پکا منافق ہے۔ جس میں اُن میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو وہ منافقت کی خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اُتر آئے۔''

اِس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ سے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، زبردستی چابی لے کر کعبے کا دروازہ کھول دیا۔ پھر نبی ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس چابی کو لینا چاہتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ عثمان بن طلحہ کو اُس کی چابی واپس لوٹا دیں اور اس سے معذرت بھی کریں۔ جب عثمان بن طلحہ کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں آیت نازل فرمائی ہے تو اُس نے اسلام قبول کرلیا۔

پھر مسلمانوں کے امراء و حکام، قاضیوں اور منصفوں سے فرمایا کہ وہ جب کسی مقدمے کا فیصلہ کریں تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں۔ مقدمے کے کسی فریق کی طرف داری ہرگز نہ کریں۔ ہر حال میں بے لاگ اور منصفانہ فیصلے کریں۔ قرآن نے دوسرے مقام پر عدل و انصاف کو تقویٰ کے قریب تر چیز قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ:

﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدہ 5: 8)

Marfat.com

”انصاف کرو، یہی تقوے سے زیادہ قریب ہے۔“

دراصل عدل و انصاف کا تعلق بھی امانت داری سے ہے جس میں حق دار کو اُس کا حق دلایا جاتا ہے، یا حق تلفی کی تلافی کی جاتی ہے۔

آخر میں تمام مسلمانوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو امانت داری اور عدل و انصاف جیسی اچھی باتوں کی عمدہ نصیحتیں اور مفید احکام دیتا ہے۔ وہ تمہاری ہر بات سنتا ہے۔ تمہارے سارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ آخرت میں وہ تمہارے اچھے برے تمام کاموں کی جزا و سزا دے گا۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ (النسآء: 59)

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے یہ حکم دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں اور اُن کی بھی جو اُن کے حکمران یا علمائے دین ہیں۔ پھر اگر تمہارا کسی حکمران یا کسی عالِم دین سے اختلاف ہو جائے تو قرآن و سنت کی روشنی میں اس اختلاف کو دور کرلو۔ یہی طریقہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے۔

یہ آیت اسلام کے دستور و آئین میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا حکم ہے جس سے مراد ہے قرآن مجید کے احکام کی پیروی کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس لیے ضروری ہے کہ وہی ہمارا خالق، رازق، حاکم اور معبودِ حقیقی ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول اور اس کے نمائندے ہیں۔ ان کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ جس نے اُن کی اطاعت کرلی اُس نے حقیقت میں اللہ کی اطاعت کرلی۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النسآء 4: 80)

”جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرلی تو اُس نے اللہ کی اطاعت کرلی۔“

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ دونوں کی اطاعت فرض ہے اور غیر مشروط ہے۔

نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کے ہر حکم کی اطاعت اہل ایمان پر فرض تھی۔ پھر حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی حدیث و سنت آپ ﷺ کی قائم مقام ہے۔ لہٰذا اب حدیث و سنت کی پیروی ہی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا درجہ رکھتی ہے۔

اس کے بعد اولوالامر کی اطاعت کا ذکر کیا گیا۔ اولوالامر سے مراد خلیفہ یا اس کے مقرر کردہ امراء و حکام یا مسلمانوں

Marfat.com

کے حکمران ہیں۔ اس کے علاوہ اس سے علمائے دین بھی مراد ہوسکتے ہیں۔ ان سب کی اطاعت غیر مشروط (Unconditional) نہیں ہے بلکہ مشروط (Unconditional) ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت میں اولوالامر کے ساتھ "اَطِیْعُوْا" (اطاعت کرو) کا لفظ نہیں آیا ہے۔ جبکہ پہلے دو دفعہ یہ لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اولوالامر یا صاحب اختیار حکمرانوں کی اطاعت اُس وقت کی جائے گی جب وہ خود اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوں۔ دوسروں کو معروف اور جائز کام کا حکم دیتے ہوں۔ لیکن اگر وہ اپنے آپ کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا پابند نہ سمجھیں۔ یا کسی منکر اور برائی کا حکم دیں تو پھر ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولوالامر کی اطاعت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے تابع اور ماتحت ہے۔

اُن سے لوگوں کو اختلاف کا حق حاصل ہے اور اسلام میں آخری فیصلہ کن سند اور حجت (Authority) اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا قانون اور شریعت ہے۔ یہی وہ معیار ہے جس پر ہر ایک کی بات پرکھی جائے گی۔ جس کی بات اس کے موافق ہوگی وہ قبول کی جائے گی اور جو بات اس کے خلاف ہوگی، رَدّ کر دی جائے گی۔

پھر اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی نظم میں ایک ایسا ادارہ (Institution) ضرور ہونا چاہیے جو اولوالامر اور عوام کے دباؤ سے آزاد رہ کر شریعت کے مطابق تمام اختلافات ونزاعات کا فیصلہ دے سکے۔

آخر میں فرمایا کہ باہمی اختلاف دور کرنے کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ اس کا انجام بھی اچھا ہے۔ اسی طریقے میں مسلمانوں کے لیے دنیا اور آخرت کی فلاح و کامیابی ہے۔

اس آیت کی ایک نظیر یہ بھی ہے:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ (الشوریٰ 42: 10)

"اور جس بات میں تم اختلاف کرتے ہو تو اُس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔"

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا
أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ
أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا
بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى
الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ

Marfat.com

اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ
یَحْلِفُوْنَ ۖۗ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِیْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ عِظْهُمْ
وَ قُلْ لَّهُمْ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِیْغًا ﴿۶۳﴾

(النسآء: 60-63)

(اے نبی ﷺ!) کیا آپ (ﷺ) نے منافقوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اِس قرآن پر ایمان لائے ہیں جو آپ (ﷺ) پر نازل کیا گیا، اور اُن کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ (ﷺ) سے پہلے نازل ہوئیں، لیکن وہ چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ شیطان سے کرائیں، حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اسے نہ مانیں۔ شیطان تو چاہتا ہے کہ انہیں سیدھی راہ سے بھٹکا کر دور لے جائے۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور اُس کے رسول (ﷺ) کی طرف، تو آپ (ﷺ) دیکھیں گے وہ آپ (ﷺ) سے کھسک جاتے ہیں۔ پھر اُس وقت کیا حال ہوگا جب اُن پر اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی مصیبت آئے گی؟ اُس وقت آپ (ﷺ) کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آئیں گے اور کہیں گے ہم نے جو کچھ بھی کیا بھلائی کی خاطر کیا، ہم چاہتے تھے دونوں فریق آپس میں راضی ہو جائیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں جو کچھ ہے، اللہ اُس سے خوب واقف ہے۔ اس لیے اے نبی (ﷺ)، آپ (ﷺ) اُن سے اِعراض کریں، انہیں نصیحت کریں اور اُن سے ایسی بات کریں جو اُن کے دلوں میں اُتر جائے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

یَزْعُمُوْنَ: ......(ز ع م) وہ گمان/ دعویٰ کرتے ہیں۔

یَتَحَاکَمُوْا: ......(ح ک م) وہ فیصلہ کراتے ہیں۔

صُدُوْدًا: ......(ص د د) رُکنا، منہ موڑنا۔

تَوْفِیْقًا: ......(و ف ق) موافقت کرانا، ملانا۔

قَوْلًۢا بَلِیْغًا: ......موثر بات، اثر کرنے والی بات۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ

Marfat.com

﴿يَتَحَاكَمُوٓا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوٓا أَنْ يَّكْفُرُوا بِهٖ ۗ وَيُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيدًا ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلٰى مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنٰفِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۝﴾ (النسآء: 60-61)

یہ تعجب کے انداز میں اُن منافقین کے بارے میں فرمایا جن کا تعلق زیادہ تر یہودیوں سے تھا کہ یہ لوگ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ قرآن کو بھی مانتے ہیں اور اس سے پہلی کتابوں، توریت وغیرہ کو بھی مانتے ہیں، مگر اپنے مقدمات کے فیصلے یہودی یا مشرک سرداروں سے کراتے تھے جس کو قرآن نے تحاکم الی الطاغوت یعنی شیطان سے فیصلے کرانا قرار دیا ہے اور اس سے منع فرمایا ہے۔

پھر جب ان منافقین سے کہا جاتا تھا کہ اپنے مقدمات اور باہمی جھگڑوں کو قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں پیش کیا کرو تو مختلف حیلوں بہانوں سے اس حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے۔

قرآن نے ان کی اسی حرکت کو سورۃ المنافقون میں اس طرح بیان کیا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُونَ ۝﴾ (المنافقون 63: 5)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں، وہ تمہارے لیے بخشش کی دعا کریں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں۔ تم ان کو دیکھو وہ تکبر کرتے ہیں۔''

﴿فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ ۖ بِاللّٰهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَانًا وَّتَوْفِيقًا ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ ۗ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۝﴾ (النسآء: 62-63)

فرمایا: ان منافقوں کی جلد شامت آنے والی ہے، جب مدینے کے یہودیوں کو زوال آئے گا اور اہل اسلام کو عروج حاصل ہوگا۔ پھر ان منافقین کے بارے میں جو آج نرم پالیسی ہے وہ سخت پالیسی میں بدل جائے گی۔ ان میں سے ایک ایک کا احتساب ہوگا۔ یہ لوگ پھر نئے بہانے گھڑ کر نبی ﷺ کے پاس آئیں گے اور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہماری نیت بری نہ تھی۔ ہم تو اسلام اور کفر میں مصالحت اور سازگاری پیدا کرنا چاہتے تھے کہ سب لوگ صلح صفائی کے ساتھ مل جل کر امن و آشتی سے رہیں اور مذہب کی بنیاد پر لڑائی جھگڑے کا کوئی فائدہ نہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو منافقین کے برے ارادوں اور اُن کی سازشوں سے آگاہ فرما دیا کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ محض اپنے آپ کو برے انجام سے بچانے کے لیے حیلے بہانے تراش رہے ہیں۔ ابھی ان سے اعراض اور چشم پوشی کی جائے۔ نرم رویہ اپنایا جائے۔ ان کو اچھی طرح سمجھانے کی پوری کوشش کی جائے۔ ان کو ایسے طریقے سے نصیحت کی جائے جو ان کے کان کھول دے اور صحیح بات ان کے دلوں میں اتر جائے۔

Marfat.com

پھر جب منافقین پر نبی ﷺ کے کلام نرم و نازک نے اثر نہ کیا اور ان لوگوں کی شرارتیں اور سازشیں حد سے بڑھ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں نبی ﷺ کو سخت رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا ۚ وَ مَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیْمًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ مَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ۝﴾ (التوبۃ 9: 73-74)

”اے نبی (ﷺ)! کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد کریں اور اُن پر سختی کریں۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت برا ٹھکانا ہے۔ منافق لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے فلاں بات نہیں کہی۔ حالانکہ انہوں نے کفر کی بات کہی۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے کافر ہو گئے۔ انہوں نے جو چاہا، وہ اُن کو نہ مل سکا۔ یہ صلہ دیا انہوں نے اس کا جو اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) نے اُن کو اپنے فضل سے دولت مند کیا تھا! اب اگر وہ توبہ کر لیں تو اُن کے حق میں بہتر ہے۔ لیکن اگر وہ نہ مانیں گے، تو اللہ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا، اور زمین پر ان کا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ مددگار۔“

اور پھر فتح مکہ کے بعد جب مسلمانوں کے ہاتھوں ان کے مخالفین کا زور ٹوٹ گیا تو منافقین کی سرگرمیاں بھی ماند پڑ گئیں اور انہوں نے حالات کا رُخ دیکھ کر سچے دل سے اسلام قبول کر لیا اور سب مسلمان ہو گئے۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝۶۴ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝۶۵

(النسآء: 64-65)

”اور ہم نے جو رسول بھیجا، اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے، اور اے

Marfat.com

نبی (ﷺ) اگر منافقوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب وہ آپ (ﷺ) کی نافرمانی کر کے اپنے اوپر ظلم کر بیٹھے تھے، تو آپ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور اللہ کا رسول (ﷺ) بھی اُن کے لیے معافی کی دعا کرتا تو یہ لوگ دیکھ لیتے کہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔

(اے نبی ﷺ!) آپ (ﷺ) کے رب کی قسم! ایسے لوگ کبھی ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک وہ تمام باہمی جھگڑوں میں آپ (ﷺ) کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو فیصلہ آپ (ﷺ) فرمائیں اس پر وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ دل و جان سے اُسے تسلیم کر لیں۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

يُحَكِّمُوْكَ: ......(ح ک م) وہ تجھ کو حکم، قاضی، منصف بناتے ہیں۔

شَجَرَ: ......جھگڑا ہوا، اختلاف ہوا۔

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝﴾ (النسآء: 64)

فرمایا: ہم نے جو رسول بھیجا صرف اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے، کیونکہ کسی رسول کو مان لینے کا مطلب ہی یہی ہوتا ہے کہ اُس کے ہر حکم اور فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کیا جائے اور اُس کی اطاعت کی جائے۔ اگر اُس کے حکموں اور فیصلوں کی پابندی نہ کی جائے تو رسول پر ایمان لانے کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے۔

اس مقام پر منافقین کو بالخصوص اور کمزور ایمان والوں کو بالعموم یہ سمجھایا گیا ہے کہ جب تم رسول کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر اُس کے ہر حکم کی اطاعت کرنی ہوگی، ورنہ تمہارا ایمان کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوگا۔

یہاں پر "بِاِذْنِ اللّٰهِ" (اللہ کے حکم اور اجازت سے) کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ اصل مطاع اللہ تعالیٰ ہے۔ اُسی کی اطاعت کرنی چاہیے۔ وہی کائنات کا مالک و حاکم ہے۔ لیکن چونکہ اس کی اطاعت کا عملی مظہر اور نمائندہ اُس کا رسول ہوتا ہے اس لیے اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت ایک دوسرے کے ہم معنی اور مترادف ہو جاتی ہے۔

تمام انبیاء و رسل کی اطاعت بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورۂ الشعراء میں جہاں چند نبیوں اور رسولوں کا ذکر آیا ہے وہاں اُن سب کی پکار یہی تھی کہ:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝﴾

(الشعراء 26: 108۔ 110۔ 126۔ 131۔ 144۔ 163۔ 179)

"لہٰذا تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔"

پھر جب رسول ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا عملی مظہر اور نمائندہ ہوتا ہے تو اُس کی عدالت کو چھوڑ کر اپنے مقدمات

Marfat.com

کے فیصلے کسی طاغوت اور شیطان سے کرانا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا انکار ہوتا ہے جو کہ شرک اور کفر ہے۔ ایمان کے دعوے داروں نے اگر ایسی حرکت کی ہے تو اس کی اصلاح کی واحد صورت یہ تھی کہ وہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول اللہ ﷺ بھی اُن کے حق میں بخشش کی دعا کر کے سفارش کرتے تو اللہ سبحانہٗ ان لوگوں کی توبہ بھی قبول کر لیتا اور ان پر رحم و کرم بھی فرماتا۔

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾﴾ (النسآء: 65)

اب اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ یہ منافق لوگ اُس وقت تک ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک اپنے درمیان پیدا ہونے والے تمام جھگڑوں اور معاملات میں رسول اللہ ﷺ کو منصف اور حکم نہ مان لیں۔ پھر آپ ﷺ کے کیے ہوئے ہر فیصلے کو کھلے دل سے تسلیم نہ کر لیں اور اپنے تمام ذہنی تحفظات دور کر کے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے نہ کر دیں۔ کیونکہ جس طرح اللہ کی اطاعت کے لیے ضروری ہے کہ وہ دل و جان سے کی جائے، بالکل اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی دل و جان سے کی جائے۔

لیکن منافقین نے اپنی بخشش کے اِس سنہری موقع سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، وہ برابر اپنی منافقت پر اَڑے رہے، انہوں نے ایمان کے بدلے گمراہی خریدی، وہ اپنی دنیا بنانے کی فکر میں اپنی آخرت کھو بیٹھے۔ جیسا کہ سورۃ المنافقون میں ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ○ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○﴾ (المنافقون 63: 5-6)

”اور جب اُن سے کہا جاتا ہے آؤ رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں وہ تمہارے لیے بخشش کی دعا کریں؟ تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں۔ تم ان کو دیکھو، وہ تکبر کرتے ہوئے بے رُخی کرتے ہیں۔ اے نبی (ﷺ)! اُن کے لیے برابر ہے، خواہ آپ (ﷺ) اُن کے حق میں بخشش کی دعا کریں، یا نہ کریں۔ اللہ اُن کو ہرگز معاف نہ کرے گا۔ بے شک اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ
دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا
يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ

Marfat.com

مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّ لَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

(النسآء: 66-68)

''اگر ہم ان لوگوں کو حکم دیتے کہ جہاد میں جانیں پیش کرو، یا اپنے گھروں سے نکلو، تو ان میں سے بہت تھوڑے اس پر عمل کرتے، اور اگر یہ لوگ وہ کرتے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے لیے یہ بات بہتر اور ایمان پر ثابت رکھنے والی ہوتی، اور اس وقت ہم انہیں اپنے پاس سے بڑا اجر دیتے اور انہیں سیدھا راستہ دکھاتے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

كَتَبْنَا: ......ہم نے لازم، فرض کیا ہے۔

تَثْبِيْتًا: ......(ث ب ت) ثابت رکھنا، برقرار رکھنا۔

﴿وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّ لَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾﴾ (النسآء: 66-68)

یاد رہے کہ قرآن مجید نے جن منافقین کا ذکر کیا ہے اُن میں سے اکثر کا تعلق مدینے کے یہودیوں اور مدینے کے اردگرد مضافات کے مشرکین سے تھا۔

فرمایا: ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس کے بعد اگر ان کو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا کہ اپنے کافر رشتہ داروں کے خلاف جہاد کرو، یا ہجرت کر کے اپنے گھر بار چھوڑ دو اور مسلمانوں کے ساتھ مل جاؤ، تو یہ لوگ کبھی اِس کام کے لیے تیار نہ ہوتے۔ کیونکہ یہ ابھی تک دین و ایمان کے بارے میں یکسو نہیں ہیں اور دین کی خاطر اپنے کافر رشتہ داروں کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

پھر فرمایا: اگر منافقین اپنی منافقت چھوڑ دیتے اور سیدھے طریقے سے کافر رشتہ داروں سے تعلقات کو دین پر ترجیح نہ دیتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کر لیتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ پھر یہ دین کے معاملے میں ڈانواں ڈول نہ رہتے، بلکہ ان کو ایمان پر ثابت قدمی نصیب ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے سے ایمان کو ثابت قدمی ملتی ہے۔

پھر ترغیب اور حوصلہ افزائی کے انداز میں فرمایا کہ اگر منافقین سچے دین دار اور اطاعت گزار بن جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور مرتے دم تک ان کو دین حق کے سیدھے راستے پر چلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

Marfat.com

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾ ع

(النسآء: 69-70)

"اور جو اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کریں گے وہ آخرت میں اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی پیغمبر، صدیق، شہید اور صالح لوگ۔ کیسی اچھی ہے اُن کی رفاقت! یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کا علم کافی ہے۔"

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾﴾ (النسآء: 69)

سورۃ الفاتحہ میں "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" (جن پر تو نے انعام کیا) میں جن انعام یافتہ لوگوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اِس آیت میں اُن کی تفصیل ہے کہ اُن سے انبیائے کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین مراد ہیں، اور یہی اللہ تعالیٰ کا انعام یافتہ گروہ ہے۔ فرمایا: جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام کی سچی اطاعت کریں گے تو آخرت میں ایسے لوگوں کو جن اعلیٰ اور افضل انسانوں کی رفاقت اور معیت نصیب ہوگی اُن کی تفصیل یہ ہے:

1۔ انبیائے کرام:

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ تمام انسانوں میں سے انبیائے کرام سب سے افضل ہیں اور نبوت و رسالت وہ اعلیٰ ترین منصب ہے جس سے اوپر انسان کے لیے کوئی اور درجہ نہیں ہے۔ ع

یہ رتبۂ بلند ملا، جس کو مل گیا

آخرت میں انہی انبیاء و رسل کو جنت میں بھی اعلیٰ مقام حاصل ہوگا۔

2۔ صدیقین:

یہ نبوت و رسالت سے کم لیکن ہر انسانی درجے سے بلند مقام و مرتبہ رکھنے والے لوگ ہیں۔ یہ نہایت سچے انسان ہوتے ہیں۔ حق و صداقت کی صدا پر فوراً لبیک کہتے، اسے جلد قبول کرتے اور ہمیشہ اہلِ حق کا ساتھ دینے والے ہوتے ہیں۔ ہماری امت میں اس کی مثال سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ قرآن نے سیدہ مریم علیہا السلام کو بھی صدیقہ کا درجہ عطا فرمایا ہے:

﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ﴾

(المائدہ 5: 75)

Marfat.com

''مسیح ابن مریم (عَلَیْہِ السَّلَام) رسول ہی تو ہیں۔ اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اور مسیح (عَلَیْہِ السَّلَام) کی ماں صدیقہ یعنی بہت سچی خاتون تھیں۔''

3۔شہداء:

یہ شہید یا شاہد کی جمع ہے۔اس کے اصل معنی گواہ کے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جوحق کی گواہی دیتے ہیں اور دین حق کی خاطر اپنی جان بھی اللہ کی راہ میں قربان کردیتے ہیں۔

4۔صالحین:

یہ صالح کی جمع ہے جس کے معنی نیک آدمی کے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگی میں خیر اور نیکی غالب ہوتی ہے۔ یہ نیکی کرنے والے اور برائی سے بچنے والے نیک لوگ ہوتے ہیں۔آخر میں فرمایا کہ اللہ اور رسول ﷺ کی صحیح اطاعت کرنے والوں کو آخرت میں جو مذکورہ اعلیٰ اور افضل انسانوں کی معیت اور رفاقت حاصل ہوگی، وہ ان کے اعمال کا بدلہ نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام ہوگا۔ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ:

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ)) (صحیح بخاری، رقم: 6169۔ صحیح مسلم، رقم: 6718۔ ترمذی، رقم: 2387)

''آدمی (آخرت میں) اُس کے ساتھ ہوگا جس سے اُس کو محبت ہوگی۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میں جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ)) (صحیح مسلم، رقم: 1094۔ نسائی، رقم: 1138)

''پس اپنی ذات کے لیے سجدوں کی کثرت سے میری مدد کر۔''

مطلب یہ تھا کہ اگر تو فرض نمازوں کے علاوہ نفل نمازوں کا بھی زیادہ اہتمام کرے گا تو پھر تجھے جنت میں میری رفاقت اور معیت مل سکتی ہے۔ یاد رہے کہ خود انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کے لیے بھی قرآن میں صدیق کی صفت آئی ہے جیسا کہ ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا۝﴾ (مریم 19: 41)

''اور (اے نبی ﷺ!) اس کتاب میں ابراہیم (عَلَیْہِ السَّلَام) کا لوگوں سے تذکرہ کریں۔ بے شک وہ صدیق یعنی بڑے سچے تھے اور نبی تھے۔''

اسی طرح ادریس عَلَیْہِ السَّلَام کے بارے میں بھی ہے:

﴿وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِدْرِیْسَ ؗ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا۝﴾ (مریم 19: 56)

''اور (اے نبی ﷺ) اس کتاب میں ادریس (عَلَیْہِ السَّلَام) کا ذکر بھی بیان کریں۔ بے شک وہ صدیق یعنی بڑے سچے اور نبی تھے۔''

Marfat.com

اسی طرح سیدنا یوسف علیہ السلام کی جو دعا قرآن میں آئی ہے اس میں انہوں نے اپنے آپ کو 'صالحین' میں شمار کیے جانے کی دعا کی ہے:

﴿رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۝﴾ (یوسف 12 : 101)

''اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت بخشی، باتوں کی تہہ تک پہنچنے کا علم عطا کیا۔ اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے! تو ہی میرا کارساز ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ میں جب مروں تو فرمانبرداری کی حالت میں اور دوبارہ اُٹھوں تو تیرے صالحین (نیک بندوں) کے ساتھ۔''

اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ انبیائے کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین ...... انسانوں کا کوئی ایک مخصوص گروہ نہیں ہے بلکہ ان میں کئی باہمی اوصاف ہیں جو مشترکہ طور پر بھی پائے جاتے ہیں۔ گویا ان میں سے کسی ایک کا کوئی وصف دوسرے شخص میں بھی ہو سکتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ۝۷۱ وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ۝۷۲ وَ لَىِٕنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَیَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ یّٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝۷۳

(النسآء: 71-73)

''اے ایمان والو! اپنے دفاع کی تیاری کرو۔ پھر دستے بنا کر یا اکٹھے مل کر جہاد کے لیے نکلا کرو۔ اور تم میں کوئی منافق بھی ہے جو جہاد سے جی چراتا ہے اور اگر جنگ میں تم پر کوئی مصیبت آن پڑے تو کہتا ہے کہ مجھ پر اللہ نے بڑا احسان کیا کہ میں اُن کے ساتھ نہ تھا۔ اور اگر تمہیں اللہ کا کوئی فضل حاصل ہو تو کہتا ہے ...... گویا تمہارے اور اُس کے درمیان کوئی تعلق نہیں ...... اے کاش! میں بھی اُن کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کر لیتا۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

حِذْرَكُمْ: ...... (تمہارا بچاؤ، تمہارا دفاع) ہر وہ چیز جس سے بچاؤ کیا جا سکے، یا وہ بچاؤ اور دفاع کا ذریعہ ہو حِذْرٌ ہے۔

فَانْفِرُوْا: ...... (پھر تم نکلو، کوچ کرو، بھاگو) یہ اصل میں ہے فَ + اِنْفِرُوْا۔

Marfat.com

ثُبَاتٍ: ......(الگ الگ گروہ، دستے) یہ جمع ہے ثُبَةٌ کی جس کے معنی ہیں گروہ، جماعت، دستہ۔

یُبَطِّئَنَّ: ......(ب ط ء) وہ ضرور دیر کرتا/ لگاتا ہے) یہ باب تفعیل سے ہے اس کا مصدر تَبْطِیْءٌ بُطُوْءٌ (دیر کرنا) ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا۝﴾ (النسآء: 71)

اس آیت میں مسلمانوں کو کفار اور دوسرے دشمنوں سے اپنا بچاؤ اور دفاع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور موقع اور حالات کے مطابق ان کو منظم طور پر یا گوریلا جنگ لڑنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

یہ آیت اور اس سے آگے کی آیات غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ غزوہ اُحد میں ایک طرح سے مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ جس کے نتیجے میں اِدھر اُدھر کے کافر قبائل کے حوصلے بلند ہوگئے تھے اور وہ ہر وقت مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف رہتے تھے۔ یہ افواہیں اکثر گرم رہتی تھیں کہ کسی وقت بھی مدینے پر حملہ ہوسکتا ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنا اسلحہ اور دوسرا سامانِ جنگ ہر لمحے تیار رکھیں اور ہمہ وقت جہاد کے لیے کمر بستہ رہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ ج لَا تَعْلَمُونَهُمُ ج اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ (الانفال 8: 60)

”تم سے جس قدر ہوسکے جنگی قوت اور گھوڑے تیار رکھو، جس سے اللہ کے دشمنوں پر، تمہارے دشمنوں پر اور اُن لوگوں پر تمہارا رعب رہے جن کو تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔“

دوسرے مقام پر مسلمانوں سے اس طرح فرمایا:

﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ط ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۝﴾ (التوبة 9: 41)

”نکلو خواہ نہتے ہو یا مسلح، اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔“

پھر فرمایا: جیسے حالات کا تقاضا ہو، متحد ہو کر منظم فوج کی طرح لڑائی لڑو، یا پھر چھاپہ مار گوریلا جنگ کا انداز اختیار کرو۔ ان دونوں میں سے جو طریقہ مناسبِ حال ہو اُسے اپنا کر جہاد کرو۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام نے موقع و محل کے مطابق ان دونوں جنگی طریقوں سے جہاد کیا اور کامیابی حاصل کی۔ آج بھی اہل اسلام کو اپنے دشمنوں اور کفار کے مقابلے میں اپنے دفاع کے لیے ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے۔ جہاد کے لیے ہر لمحہ تیار رہنا چاہیے۔ اس تیاری میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ اسی میں اہل اسلام کی عزت اور سربلندی ہے، ورنہ جہاد چھوڑ دینے کی صورت میں اُن کے لیے ذلت اور غلامی مقدر ہے۔

﴿وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ ج فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ

Marfat.com

شَهِيْدًا ۝ وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (النساء: 73,72)

یہ مسلمانوں کی اس وقت کی جماعت سے فرمایا گیا جب اُن میں منافقین، بزدل اور کمزور ایمان والے بھی شامل تھے اور اصل خطاب ایسے لوگوں ہی سے ہے جو جہاد سے بھاگتے اور جی چراتے تھے۔ ان کا کردار یہاں بیان ہو رہا ہے کہ جب کبھی اہل ایمان کو جہاد کے دوران کچھ نقصان پہنچ جاتا تو یہ لوگ خوش ہو کر کہتے کہ اللہ نے ہم پر بڑا فضل واحسان کیا کہ ہم اس جہاد میں شریک نہ ہوئے ورنہ ہمیں بھی نقصان اُٹھانا پڑتا۔ لیکن جب اہل اسلام کو جہاد میں اللہ تعالیٰ فتح ونصرت اور مالِ غنیمت سے نوازتا تو یہی لوگ غیروں اور بیگانوں کی طرح یوں کہتے: کاش! ہم بھی اس لشکر میں شامل ہوتے اور خوب فائدے سمیٹتے۔ گویا ان لوگوں کو اسلام اور اہل ایمان سے کوئی محبت نہیں محض اپنے ذاتی مفاد سے پیار ہے۔

ان آیات میں حکمت یہ ہے کہ اس طرح منافقوں، بزدلوں اور کمزور ایمان والوں کو اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کے لیے ترغیب پائی جاتی ہے۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚۙ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ؕ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝ع

ع ۱۰

(النسآء: 74-76)

"پس چاہیے وہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کریں جو پہلے ہی دنیا کی زندگی کو آخرت پر قربان کر چکے ہیں۔ جو اللہ کی

Marfat.com

راہ میں جہاد کرے پھر شہید ہو یا غازی، ہم اُسے بڑا اجر دیں گے۔

(مسلمانو!) تمہیں کیا ہوا تم جہاد نہیں کرتے اللہ کی راہ میں اور اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو اللہ کے آگے فریاد کرتے ہیں، خدایا! ہم کو اس بستی سے نکال جس میں ظالموں کا راج ہے۔ ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی پیدا کردے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار کھڑا کردے۔ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ اس لیے (اے مسلمانو!) تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو۔ بے شک شیطان کی چال کمزور ہوتی ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

يَشْرُوْنَ: ...... (ش ر ی) وہ بیچتے / فروخت کرتے ہیں۔

اَلْمُسْتَضْعَفِيْنَ: ...... (ض ع ف) کمزور، بے بس، ناتواں۔

كَيْدَ: ...... خفیہ تدبیر، خفیہ چال۔

﴿فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾ (النسآء: 74)

فرمایا: اگر منافقین جہاد نہیں کرتے تو مخلص اہل ایمان کو کیا ہوگیا ہے اُن کو تو بہر حال اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا چاہیے۔ وہ تو پہلے ہی اس فانی دنیا پر آخرت کی دائمی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں لہٰذا اُن کو موت کا بھی ڈر نہیں ہونا چاہیے۔

پھر جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ جو مسلمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا تاکہ کلمۂ حق بلند ہو تو پھر وہ شہید ہو جائے یا غازی بنے، دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ اُسے اجرِ عظیم یعنی جنت عطا فرمائے گا۔ پھر غازی ہونے کی صورت میں عزت بھی ملے گی اور مالِ غنیمت بھی حاصل ہوگا۔

اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا گیا۔

﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ (التوبۃ 9: 52)

''(آپ ﷺ ان منافقوں سے) کہہ دیجیے: ٹھیک ہے تم ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک نہ ایک بھلائی کے منتظر رہو۔''

اس آیت سے جہاد کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

﴿وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝﴾ (النسآء: 75)

اس سے پہلے جہاد کی ترغیب دی گئی تھی۔ اب اُس کی مزید تاکید کے لیے فرمایا کہ تم مسلمانوں کو اس لیے بھی اللہ کی

Marfat.com

راہ میں جہاد کرنا چاہیے اور یہ تمہارے جہاد کا ایک جواز بھی ہے کہ تم مکے میں اُن کمزور بوڑھے مردوں، عورتوں اور بچوں کو کفار کے چنگل سے رہائی دلاسکو، جو بے چارے ہجرت نہیں کر سکتے اور کفارِ مکہ کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ جو بے بسی کے عالم میں اپنے رب سے فریاد کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس میں ظالموں کا راج ہے۔ اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور مددگار پیدا فرما دے!

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝﴾ (النسآء: 76)

اب جہاد کا مقصد بتایا کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اُن کے جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ وہ دین اسلام کے فروغ اور اُس کے غلبے کی خاطر جہاد کرتے ہیں۔ دوسری طرف کفار ہیں جو شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دنیا میں کفر و شرک اور گمراہی کا غلبہ رہے اور اسلام دوسروں تک پھیلنے نہ پائے۔ ایسے لوگ شیطان کے ساتھی ہیں اور اُسی کی پیروی کرتے ہیں۔

پھر مسلمانوں کو جہاد پر اُبھارنے اور اُس کی ترغیب دینے کے لیے فرمایا کہ یاد رکھو، شیطان کے سارے داؤ پیچ اور تدبیریں کمزور اور کھوکھلی ہوتی ہیں۔ اُن کی بنیاد کسی پختہ یقین اور نظریے پر نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے اہل باطل اندر سے کھوکھلے اور کمزور ہوتے ہیں۔

لہٰذا اہل حق کو چاہیے کہ وہ اہل باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ آخری فتح حق کی ہوتی ہے اور باطل دُم دبا کر بھاگنے پر مجبور ہو جاتا ہے جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا:

﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝﴾ (بنی اسرائیل 17 : 81)

”اور کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹ جانے والی چیز ہے۔“

افسوس! آج مسلمانوں نے جہاد کا فریضہ ادا کرنے سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے جس کے نتیجے میں وہ دنیا میں ہر جگہ ذلیل ورُسوا، مظلوم اور بے بس ہو کر رہ گئے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا

Marfat.com

قَلِيْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۗ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

(النسآء: 77-79)

"کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں حکم دیا گیا کہ ابھی جہاد سے اپنے ہاتھ روکے رکھو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر جب اُن پر جہاد فرض ہوا تو اُن میں سے ایک گروہ انسانوں سے ایسے ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ وہ کہنے لگے: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ ابھی ہمیں کچھ اور مہلت دی ہوتی! (اے نبی ﷺ) اُن سے کہیں دنیا کا عیش چند روزہ ہے، آخرت بہتر ہے اُس کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے، اور وہاں تمہارے ساتھ ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔ رہی موت، تو یاد رکھو، تم جہاں بھی ہو گے وہ تمہیں آ کر رہے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔

(اے نبی ﷺ!) منافقوں کو کوئی فائدہ ہو تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، کوئی نقصان پہنچے تو کہتے ہیں یہ تمہاری وجہ سے ہے۔ آپ (ﷺ) کہہ دیں سب اللہ کی طرف سے ہے۔ آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کوئی بات نہیں سمجھتے؟

اے انسان! تجھے کوئی نعمت ملتی ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور کوئی نقصان ہوتا ہے تو تیرے اعمال کا نتیجہ ہے۔ (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے رسول (ﷺ) بنا کر بھیجا ہے اور اس بات پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

Marfat.com

كُفُّوٓا: ......(ک ف ف) تم روکو۔

اَخَّرْتَنَا: ......(ء خ ر) تو نے ڈھیل/مہلت دی ہم کو۔

بُرُوْجٍ: ...... یہ جمع ہے بُرْجٌ کی جس کے معنی ہیں: برج، بلند عمارت، قلعہ، مضبوط محل۔

مُشَيَّدَةٍ: ......(ش ی د) چونا گچ یا سیمنٹ سے بنائے گئے، مراد ہے مضبوط۔

يَكَادُوْنَ: ......(ک و د) وہ قریب ہوتے ہیں۔

يَفْقَهُوْنَ: ......(ف ق ہ) وہ سمجھتے ہیں۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ ﴾ (النساء: 77)

اسلام کے ابتدائی زمانے میں مسلمان مظلوم اور بے بس تھے۔ مکی دور میں حالات اور بھی زیادہ پریشان کن تھے۔ ہر نومسلم پر مشرکین کی طرف سے ظلم وتشدد ہوتا تھا۔ اس صورتِ حال کا ذکر اس سے پہلے بھی اس سورت میں آ چکا ہے۔ کفار کے ظلم وستم کے مقابلے میں مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ صبر سے کام لیں، تکلیفیں برداشت کریں اور اپنا دفاع بھی نہ کریں۔

ہجرت کے بعد ابتدائی دور میں بھی حالات اسی طرح جوں کے توں رہے۔ مسلمانوں کی جماعت کفار ومشرکین کے علاوہ یہودیوں کے نرغے میں تھی۔ لیکن اُن کو جہاد کرنے کی اجازت نہ تھی۔ حالات دن بدن اسی کا تقاضا کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو دفاع کا حق دیا جائے۔ مگر جہاد کے لیے ابھی مطلوبہ قوت اور وسائل میسر نہ تھے۔ وہ اپنی بے بسی اور مظلومیت کی وجہ سے جہاد کے حکم کے منتظر تھے لیکن اُن سے کہا گیا کہ ابھی جہاد کا وقت نہیں آیا۔ ابھی اپنی صفوں میں تنظیم اور اتحاد پیدا کرو۔ نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو۔ انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ پھر جب جہاد کا حکم آ گیا تو بعض کمزور ایمان والے مسلمان اور منافقین، جو اس سے پہلے جہاد کا مطالبہ کر رہے تھے، کفار سے ایسے ڈرنے لگے جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے، بلکہ خوفِ الٰہی سے زیادہ کفار کا ڈر اُن کے دلوں میں پیدا ہو گیا۔

ان آیات میں اُنہی لوگوں کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ اب جہاد کا حکم آنے پر کہتے ہو کہ ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا گیا ہے۔ ابھی ہمیں کچھ اور مہلت دی جاتی۔ فرمایا ان سے کہہ دیجیے دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور یہ زندگی کا عیش چند روزہ ہے جس کی خاطر تم جہاد سے بھاگتے اور جی چراتے ہو۔ تقوے والوں کے لیے آخرت کے ابدی عیش کی زندگی بہتر ہے جو جہاد کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔ وہاں کسی کے ساتھ کھجور کی گٹھلی کے سوراخ میں جو دھاگا ہوتا ہے اُس کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ ہر کسی کو اُس کے اچھے برے اعمال کے مطابق جزا وسزا ملے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کی تربیت کے لیے نماز، زکوۃ اور انفاق فی سبیل اللہ بہت ضروری لوازم ہیں۔ ان کے

Marfat.com

بغیر جہاد کی تیاری نہیں ہوسکتی۔ بلکہ نماز تو ایسی چیز ہے جو میدانِ جنگ میں بھی معاف نہیں ہے۔

﴿اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَ لَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ؕ وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ حَسَنَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ۚ وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ سَیِّئَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِکَ ؕ قُلۡ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ؕ فَمَالِ ہٰۤؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَہُوۡنَ حَدِیۡثًا ﴿۷۸﴾﴾ (النسآء: 78)

یہ منافقین کی طرف سے جہاد سے جی چرانے کی وجہ اور سبب بیان ہوا ہے کہ تم لوگ جہاد سے اس لیے بھاگتے ہو کہ تمہیں دنیا کی زندگی بہت عزیز ہے اور تم موت سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ موت سے کسی کو مفر نہیں ؎

موت سے کس کو رُستگاری ہے

آج وہ ، کل ہماری باری ہے

کوئی انسان کہیں بھی ہو، موت سے ہرگز نہیں بچ سکتا، خواہ وہ مضبوط قلعوں میں چھپ کر بیٹھ جائے۔ جب اُس کی موت کا وقت آجائے گا تو ایک لحہ کی بیشی نہیں ہوسکتی۔ موت ہر حال میں آکر رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلۡ لَّوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ لَبَرَزَ الَّذِیۡنَ کُتِبَ عَلَیۡہِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰی مَضَاجِعِہِمۡ﴾

(آل عمران 3: 154)

”کہہ دیجیے! اگر تم اپنے گھروں کے اندر بھی ہوتے تو وہ لوگ جن کی قسمت میں قتل ہونا لکھا تھا، وہ ضرور اپنے قتل کی جگہ تک پہنچ کر رہتے۔“

عربی زبان کا ایک مصرع ہے۔

((اِنَّ الۡمَنَایَا لَا تَطِیۡشُ سِہَامُہَا))

”بے شک موت کے تیروں کا نشانہ خطا نہیں جاتا۔“

پھر نبی ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا کہ ان منافقوں کو دیکھو، ان کا حال کتنا عجیب ہے۔ ان کو کوئی فائدہ ملتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچے تو کہتے ہیں یہ ہماری طرف سے نہیں پہنچا ہے بلکہ یہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کی وجہ سے ہے۔ ان سے کہہ دیجیے: یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے۔ لیکن یہ منافق ایسے لوگ ہیں جو کوئی بات نہیں سمجھتے۔

﴿مَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ۫ وَ مَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَّفۡسِکَ ؕ وَ اَرۡسَلۡنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا ﴿۷۹﴾﴾ (النسآء: 79)

فرمایا: اے انسان! تجھے جو نعمت اور بھلائی ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کا احسان ہوتا ہے کہ وہ تیرے لیے اُس نعمت کے اسباب و وسائل مہیا کر دیتا ہے اور آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے۔ لیکن جو تکلیف اور نقصان تجھے پہنچتا ہے تیرے اپنے اعمال اور گناہوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

یہی مضمون دوسری جگہ تصریف کے اسلوب میں اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿وَمَا اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَیۡدِیۡكُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِیۡرٍ٥﴾

(الشوریٰ 42: 30)

"(اے لوگو!) تم پر جو مصیبت بھی آتی ہے، وہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تمہارے بہت سے قصور معاف کر دیتا ہے۔"

پھر فرمایا: اے نبی ﷺ! ہم نے آپ ﷺ کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے کہ اللہ کا پیغام اُس کے بندوں تک پہنچا دیجیے۔ آپ ﷺ کے ذمے لوگوں کی تقدیر بدلنا یا اُن کو نفع و نقصان پہنچانا نہیں ہے اور اس حقیقت پر خود اللہ تعالیٰ گواہ ہے جس کی گواہی کے بعد کسی اور کی گواہی کی ضرورت نہیں۔

اس سے پہلے آیت 78 میں منافقین کی طرف سے جو یہ کہا جا رہا تھا کہ تکلیف اور نقصان نبی ﷺ اور مسلمانوں کی طرف سے ہے، تو اُس جھوٹے الزام کی اس آیت میں نفی کر دی گئی۔

آیت میں "حَسَنَةٌ" (بھلائی) کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے مگر "سَیِّئَةٌ" (برائی) کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا گیا کیونکہ ایسا کرنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿بِیَدِكَ الۡخَیۡرُ﴾ (آل عمران 3: 26)

یہ نہیں فرمایا گیا کہ بِیَدِكَ الۡخَیۡرُ وَالشَّرُّ (تیرے ہاتھ میں بھلائی اور برائی ہے) کیونکہ برائی کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں دی گئی۔ اسے انسان کی طرف منسوب کر دیا گیا کہ وہی اس کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک اور سبحان ہے۔

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنۡ تَوَلّٰی فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَیۡهِمۡ حَفِیۡظًا ﴿۸۰﴾ وَیَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ بَیَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ غَیۡرَ الَّذِیۡ تَقُوۡلُ ؕ وَاللّٰهُ یَكۡتُبُ مَا یُبَیِّتُوۡنَ ۚ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَتَوَكَّلۡ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیۡلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَیۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِیۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِیۡرًا ﴿۸۲﴾

Marfat.com

(النسآء: 80-82)

''جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔ اور جو لوگ اس سے منہ موڑیں تو اے نبی (ﷺ) ہم نے اُن پر آپ (ﷺ) کو نگران بنا کر نہیں بھیجا۔

(اے نبی ﷺ) منافقوں کا حال یہ ہے کہ آپ (ﷺ) کے سامنے کہتے ہیں ''ہم اطاعت کرتے ہیں'' مگر جب آپ (ﷺ) کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ اس بات کے خلاف مشورہ کرتا ہے جو وہ کہہ چکا تھا۔ اور اللہ ان کی سرگوشیاں لکھ رہا ہے۔ لہٰذا آپ (ﷺ) ان سے اِعراض کریں، اللہ پر بھروسا رکھیں اور اللہ بھروسے کے لیے کافی ہے۔

کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے آیا ہوتا تو وہ اس کے اندر بڑا اختلاف پاتے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

بَيَّتَ: ......(ب ی ت) یہ بَيَّتَ يُبَيِّتُ تَبْيِيْتًا سے ہے جس کے اصل معنی ہیں: رات کو مشورہ کرنا۔ رات کو دشمن کے خلاف چال چلنا۔ مگر یہ لفظ ہر خفیہ مشورے کے لیے بھی آتا ہے خواہ وہ رات کو کیا جائے یا دن کو۔ اس جگہ یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔

يَتَدَبَّرُوْنَ: ......(د ب ر) وہ تدبر، غور کرتے ہیں۔

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝﴾

(النسآء: 80)

فرمایا: جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کر لی، اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر لی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہے۔ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا پابند ہے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح جس نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی، تو اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

((مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهُ، وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ))

(صحیح بخاری، رقم: 8281)

''جس نے محمد (ﷺ) کی اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی، اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''

پھر فرمایا: کسی شخص کے اعمال کی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ پر نہیں ہے۔ آپ ﷺ کو دوسروں پر نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ آپ ﷺ اُن کو اپنی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مجبور کریں۔ اُن کا احتساب کریں۔ کیونکہ رسول پر بھی

Marfat.com

ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کا پیغام اُس کے بندوں تک پہنچا دے۔ اگر کوئی شخص اُس پر ایمان نہیں لاتا تو اس کے لیے نبی ﷺ ذمہ دار اور جوابدہ نہیں ہیں، ایمان نہ لانے والوں سے اللہ تعالیٰ خود حساب لے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

﴿اِنَّ اِلَيۡنَاۤ اِيَابَهُمۡ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا حِسَابَهُمۡ ۝﴾ (الغاشیہ 88: 25-26)

''بے شک ان کو ہمارے پاس ہی آنا ہے۔ پھر ہمارے ذمے اُن سے حساب لینا ہے۔''

سورۃ الرعد میں بھی یہی مضمون تصریف کے اسلوب میں آیا ہے:

﴿فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ﴾ (الرعد 13: 40)

''بہر حال آپ (ﷺ) کا کام پیغام پہنچانا ہے، آگے حساب لینا ہماری ذمہ داری ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿فَذَكِّرۡ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَّسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ ۝﴾ (الغاشیہ 88: 21-22)

''پس (اے نبی ﷺ!) بے شک آپ (ﷺ) ان لوگوں کو نصیحت کرتے رہیں۔ آپ (ﷺ) کا کام سمجھانا ہے۔ آپ (ﷺ) اُن پر زبردستی نہیں کر سکتے۔''

نبی کا کام پیغام پہنچانا ہے۔ آگے ہدایت اور ایمان کی توفیق دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ وہ اپنے قانون کے مطابق جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے ہدایت نہ دے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ۝﴾ (القصص 28: 56)

''(اے نبی ﷺ) آپ (ﷺ) جسے چاہیں، ہدایت نہیں دے سکتے۔ اللہ جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت قبول کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔''

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہر حال میں غیر مشروط اور واجب التعمیل ہوتی ہے۔ جبکہ ان کے علاوہ دوسروں کی اطاعت معروف کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر وہ معروف یعنی نیک اور جائز کام کا حکم دیں گے تو اطاعت جائز ہے اور اگر وہ منکر یعنی برائی کا حکم دیں گے تو اطاعت نہیں کی جائے گی۔

﴿وَيَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ ۖ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ غَيۡرَ الَّذِىۡ تَقُوۡلُ‌ ؕ وَاللّٰهُ يَكۡتُبُ مَا يُبَيِّتُوۡنَ‌ ۚ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ۝﴾ (النسآء: 81)

اس مقام پر 'طَاعَةٌ' (اطاعت) خبر ہے اور اس کا مبتدا اَمۡرُنَا (ہمارا کام) محذوف ہے۔ فقرہ یوں بنے گا اَمۡرُنَا طَاعَةٌ (ہمارا کام اطاعت کرنا ہے)۔ لیکن مبتدا کے محذوف ہونے سے طَاعَةٌ خبر میں بلاغت پیدا ہوگئی ہے۔ گویا منافق زور دے کر کہتے ہیں: ''ہم تو سراپا اطاعت ہیں''، ''سرِ تسلیم خم'' ہے۔ ہم تو نبی ﷺ کا ہر حکم بجا لانے کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں۔

Marfat.com

مگراُن کی حالت یہ ہے کہ جب نبی ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو اپنی محفلوں میں جا کر دین اسلام کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی خفیہ مجلسوں کا حال کوئی نہیں جانتا۔ اس پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن کی ساری خفیہ سرگرمیوں سے واقف اور باخبر ہے۔ ان کا سارا ریکارڈ تیار کیا جارہا ہے تاکہ قیامت کے دن وہ ان کے سامنے لایا جائے اور پھران کو ان کے کیے کی پوری سزادی جائے۔

پھر ساتھ ہی نبی ﷺ کو تاکید فرمائی کہ آپ ﷺ ان منافقوں سے اعراض فرمائیں، ان سے الگ رہیں، اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں اور اللہ تعالیٰ کا بھروسا کافی ہے۔ منافقین کی سازشوں سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، لیکن یہ بدبخت خود اپنا ہی نقصان کریں گے۔

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۝﴾

(النسآء : 82)

فرمایا: ان منافقین کا فکری تضاد واضح ہے۔ وہ ایک طرف قرآن اور نبی ﷺ کے ہر حکم کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں اور دوسری طرف ان دونوں پر اعتراض اور طعنہ زنی بھی کرتے ہیں۔ اگر وہ قرآن پر غور کرتے تو اُن کو معلوم ہوتا کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو ہر طرح کے تضاد (Contradiction) سے پاک ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اس مقام پر یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ جس طرح کائنات کے پورے نظام اور اس کے باہمی ربط میں ایک ہی ارادے اور ذہن (Mind) کی کارفرمائی نظر آتی ہے، جو اس بات کا ثبوت اور شہادت ہے کہ اس کائنات کا ایک ہی خالق، مالک اور مدبّر ہے۔ ٹھیک اسی طرح قرآن مجید کی تعلیمات، اس کے مضامین و احکام میں بھی ہم آہنگی (Harmony) اور موافقت پائی جاتی ہے اور ان میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ جو اس بات کا واضح ثبوت اور گواہی ہے کہ قرآن حکیم جو 23 سال تک نازل ہوتا رہا۔ کسی غیر اللہ کی کتاب نہیں ہے بلکہ ایک علیم وخبیر اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے اور وہ ہر قسم کے فکری تضاد سے پاک اور مُبرّا ہے۔

اِس کے برعکس جب ہم دنیا کے فلسفیوں اور دانش وروں کے افکار ونظریات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان میں بہت سے اندرونی تضادات نظر آتے ہیں، جو ان کے پیش کرنے والوں کی کج فہمی اور حماقت کو ظاہر کرتے ہیں اور جن کے نتیجے میں انسانی زندگی کی صحیح رہنمائی ممکن نہیں ہوسکتی۔

اسی مضمون کو قرآن نے ایک اور مقام پر بھی بیان کردیا ہے۔

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۝﴾ (محمد 47 : 24)

''کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔''

قرآن پر تدبر کرنے کا حکم دینے سے ظاہر ہے کہ یہ صرف حفظ وتلاوت یا مردوں پر سورۂ یاسین پڑھنے، یا ایصالِ ثواب کی خاطر ختم شریف پڑھنے کے لیے نازل نہیں ہوا کہ

Marfat.com

کہ از یاسین او آساں بمیری

بلکہ وہ ایک زندہ کتاب ہے جو زندہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اُتری ہے۔

دراصل ہم پر قرآن مجید کے پانچ حقوق ہیں:

۱۔ یہ کہ اس پر ایمان لایا جائے کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

۲۔ اس کی تلاوت کی جائے۔

۳۔ اس کو سمجھ کر پڑھا جائے۔

۴۔ اس کی تعلیمات واحکام پر عمل کیا جائے۔

۵۔ اس کی دعوت اور اس کا پیغام دوسرے لوگوں تک پہنچایا جائے۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ط وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

(النسآء: 83)

"اور ان منافقوں کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو اسے فوراً لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں۔ اور اگر وہ اسے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تک یا اپنے ذمہ دار لوگوں تک پہنچاتے تو ان میں سے جو لوگ تحقیق کرنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت جان لیتے۔ (اور اے مسلمانو!) اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو تھوڑے لوگوں کے سوا تم سب اپنی کمزوریوں کے باعث شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیت کی تفسیر:

اَذَاعُوْا: ......(ذ ی ع) انہوں نے مشہور کر دیا۔ اس کا مصدر اِذَاعَةٌ ہے جس کے معنی پھیلانے اور مشہور کر دینے کے ہیں۔

يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ: ......(ن ب ط) وہ اُس کی تحقیق کرتے ہیں۔ اس کا مصدر ہے اِسْتِنْبَاطٌ جس کے اصل معنی ہیں کنواں کھود کر پانی نکالنا، کوشش اور محنت سے کوئی چیز حاصل کرنا، برآمد کرنا۔ پھر اس کے معنی تحقیق کرنے اور اجتہاد کرنے

Marfat.com

کے ہو گئے۔

﴿وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾﴾ (النسآء: 83)

یہ منافقین کے بارے میں ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے بدخواہ تھے۔ ہجرت کے ابتدائی سالوں میں جب امن یا خطرے کی کوئی بات ان لوگوں کے کانوں تک پہنچتی تو وہ فوراً لوگوں میں اسے مشہور کر دیتے۔ جھوٹی، سچی افواہیں پھیلانے اور سنسنی (Sensation) پیدا کرنے میں وہ بڑے ماہر اور طاق تھے۔ ظاہر ہے افواہوں کے نتیجے میں معاشرے کے اندر بہت پریشانی اور ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ خاص طور پر جنگ جیسے ہنگامی حالات میں جو اُس وقت تھے، اِن افواہوں سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچ سکتا تھا۔ منافقین ایک طرف ان افواہوں کے ذریعے مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کرتے اور دوسری طرف مسلمانوں کے دلوں میں دشمن کے بارے میں غلط قسم کی تسلی دیتے۔ اس طرح وہ ہر طریقے سے مسلمانوں میں بددلی اور افراتفری پھیلانے کی سعی کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے منافقین کو تنبیہ کی کہ وہ غلط سلط افواہیں نہ پھیلایا کریں۔ دوسری جانب مسلمانوں کو یہ ہدایت کر دی کہ وہ امن یا خطرے کے کسی معاملے یا اطلاع کو عام لوگوں میں پھیلانے کی بجائے اپنے رسول اللہ ﷺ اور ذمہ دار اصحاب کے پاس لے جایا کریں تاکہ وہ ہر خبر اور معاملے کی تحقیق کرنے کے بعد کوئی اقدام کریں۔

سورۂ الحجرات میں بھی اہل ایمان کو ہر معاملے اور خبر کی تحقیق اور جانچ پڑتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ٥﴾ (الحجرات 49: 6)

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق شخص تمہارے پاس خبر لائے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانی سے کوئی نقصان پہنچاؤ۔ پھر تمہیں اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔''

اِس سے معلوم ہوا کہ شریعت کی رُو سے اجتماعی معاملات میں اولوالامر اور اصحاب الرائے ہی ذمہ دار اور مرجع ہوتے ہیں اور عام لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ معروف میں ان کی اطاعت کریں۔ اولوالامر میں مسلمانوں کے حکمران بھی شامل ہیں اور علمائے دین بھی۔ اس بات کی وضاحت ہم اسی سورت کی آیت 59 میں کر چکے ہیں۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا

Marfat.com

وَّ اَشَدُّ تَنۡكِيۡلًا ﴿۸۴﴾

(النسآء: 84)

"(اے نبی ﷺ!) آپ (ﷺ) اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ آپ (ﷺ) پر اپنے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں۔ اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں۔ امید ہے اللہ کافروں کا زور توڑے گا۔ اللہ بڑا زورآور اور سخت سزا دینے والا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

حَرِّضِ: ......تو ترغیب دے، تاکید کر، اُبھار۔

تَنۡكِيۡلًا: ......(ن ک ل) عبرت ناک سزا، عذاب دینا۔

﴿فَقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَكَ وَ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّكُفَّ بَاۡسَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاۡسًا وَّ اَشَدُّ تَنۡكِيۡلًا ﴿۸۴﴾﴾ (النسآء: 84)

اس آیت میں نبی ﷺ کو خطاب کر کے حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں۔ اس معاملے میں آپ ﷺ پر اپنے سوا کسی اور کی ذمہ داری نہیں۔ کوئی منافق اگر آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد نہیں کرتا تو اس کی کوئی پروا نہیں۔ آپ ﷺ اکیلے یا اپنے ساتھیوں سمیت بھی جہاد کر سکتے ہیں۔ تاکہ کفر و شرک کا زور ٹوٹ جائے اور اسلام کا بول بالا ہو۔ البتہ آپ ﷺ اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب دیں اور اُن کو جہاد پر آمادہ کریں۔ وہ وقت قریب ہے جب کفار کا زور ٹوٹ جائے گا۔ وہ تم پر حملہ آور ہونے سے باز آجائیں گے اور تم ان کے علاقوں میں فاتحانہ طور پر داخل ہو گے۔

موسیٰ علیہ السلام کو جب جہاد کا حکم ہوا تو قوم کی اکثریت نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ لَاۤ اَمۡلِكُ اِلَّا نَفۡسِىۡ وَ اَخِىۡ فَافۡرُقۡ بَيۡنَنَا وَ بَيۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ۝﴾

(المائدہ 5: 25)

"اُس (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا: اے میرے رب! میرا اپنے سوا اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں۔ تو ہمارے اور اِس نافرمان قوم کے درمیان جدائی کر دے۔"

اِس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ مومنین کے علاوہ اکیلے نبی پر بھی جہاد فرض ہوتا ہے۔ خلیفۂ اوّل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف اکیلے جہاد کرنے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((وَاللّٰهِ! لَاُقَاتِلَنَّ مَنۡ فَرَّقَ بَيۡنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ، فَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الۡمَالِ۔ وَاللّٰهِ! لَوۡ مَنَعُوۡنِىۡ عَنَاقًا كَانُوۡا يُؤَدُّوۡنَهَا اِلٰى رَسُوۡلِ اللّٰهِ ﷺ لَقَاتَلۡتُهُمۡ عَلٰى مَنۡعِهَا!))

Marfat.com

(صحیح بخاری، رقم: 1400۔ صحیح مسلم، رقم: 124۔ ابو داؤد، رقم: 1556۔ نسائی، رقم: 3091)

''اللہ کی قسم! میں ہر ایسے شخص سے جنگ کروں گا، جو نماز اور زکوۃ میں فرق کرے گا۔ کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر ان لوگوں نے مجھے زکوۃ کی ایک بکری کا بچہ دینے سے بھی انکار کیا، جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے، تو میں ان سے جنگ کروں گا۔''

آخر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ بڑا زور آور اور سخت سزا دینے والا ہے۔ وہ کفار کی طاقت سے بڑھ کر قوت و شوکت رکھتا ہے۔ وہ عنقریب کافروں کا زور توڑ دے گا۔ تم مسلمانوں کو اُن پر غالب فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سے بھی فتح و نصرت کا وعدہ کر رکھا ہے اور وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ وہ اپنی تائید و حمایت اور نصرت سے اہل ایمان کو جلد اہل کفر پر غلبہ عطا فرمائے گا۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾ ع

النصف | ع ۱۱ / ۸

(النسآء: 85-87)

''جو شخص کسی اچھی بات کی سفارش کرے گا، اُس کے لیے اُس میں سے ثواب کا حصہ ہے اور جو کسی برائی کی سفارش کرے گا، وہ اس میں سے گناہ کا حصہ پائے گا۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (اے مسلمانو!) جب تمہیں دعا دی جائے تو تم اس سے بہتر دعا دو یا کم سے کم اُسی کو لوٹا دو۔ بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ یاد رکھو، اللہ ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے؟''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

كِفْلٌ: ...... حصہ، نصیب، ذمہ، گناہ۔

Marfat.com

مُقِیْتًا: ......(ق وت) قوت والا، طاقت والا۔

حُیِّیْتُم: ......(ح ی ی) تم کو دعا دی گئی۔تم کو سلام کیا گیا۔ تَحِیَّۃٌ کے اصل معنی کسی کو زندگی کی دعا دینے کے ہیں۔ پھر یہ لفظ دعا سلام کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

﴿مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ نَصِیۡبٌ مِّنۡہَا ۚ وَ مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ کِفۡلٌ مِّنۡہَا ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّقِیۡتًا ﴿۸۵﴾﴾ (النسآء: 85)

اس سے پہلے نبی ﷺ کو جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔اب یہ فرمایا جارہا ہے کہ جو شخص اس جہاد میں خود شریک ہوگا، یا دوسروں کو شرکت کے لیے آمادہ کرے گا، اُسے بھی جہاد کا ثواب ملے گا۔

فرمایا: جو شخص کسی نیک یا مفید کام کی سفارش کرتا ہے تو اُسے بھی کام کرنے والے کی طرح اُس نیکی کا اجر مل جاتا ہے۔اسی طرح جو کوئی کسی برائی یا نقصان دِہ کام کی ترغیب دیتا ہے تو اُسے بھی برائی کرنے والے کی طرح گناہ ملتا ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ:

((اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ)) (صحیحه: 1660)

''بھلائی کی ترغیب دینے والا ایسا ہے جیسے بھلائی کرنے والا۔''

آخر میں فرمایا: ﴿وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّقِیۡتًا ﴿۸۵﴾﴾ کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر بہت زیادہ قدرت رکھنے والا اور طاقت والا ہے۔ وہ ہر نیکی کی سفارش کرنے والے کو جتنا چاہے ثواب دے سکتا ہے اور ہر برائی کی ترغیب دینے والے کو گناہ اور سزا دے سکتا ہے۔اس کا قانون یہی ہے کہ وہ اچھے اور برے اعمال پر جزا وسزا دیتا ہے۔

﴿وَ اِذَا حُیِّیۡتُمۡ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡہَاۤ اَوۡ رُدُّوۡہَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَسِیۡبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ لَیَجۡمَعَنَّکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ وَ مَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیۡثًا ﴿۸۷﴾﴾

(النسآء: 86-87)

اس سے پہلے دوسروں کو اچھے یا برے کام کی ترغیب دلانے کا ذکر ہوا کہ اس پر بھی جزا وسزا ہوگی۔

اب یہ مسلمانوں سے فرمایا کہ جب ملاقات کے وقت تمہیں کوئی شخص سلام کرے تو اُس کے جواب میں اُس سے بہتر سلام کہو، یا کم سے کم اُسی کے برابر سلام کہہ دو۔ مثال کے طور پر کوئی تمہیں السلام علیکم کہے تو جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہیں، یا کم سے کم وعلیکم السلام ہی کہہ دیں۔

قرآن نے دوسرے مقام پر حکم دیا ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اپنے گھر والوں کو سلام کہا کرو کیونکہ یہ سلام ایک بابرکت دعا بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

Marfat.com

﴿فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ بُیُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ تَحِیَّۃً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ مُبٰرَکَۃً طَیِّبَۃً﴾

(النور 24: 61)

''پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو چاہیے کہ اپنے لوگوں کو وہ سلام کرو جو اللہ کی طرف سے ایک بابرکت دعا ہے۔''

سلام کے بارے میں چند صحیح احادیث یہ ہیں:

1۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اسلام کا کون سا کام بہتر ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتُقْرِئُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ))

(صحیح بخاری، رقم: 6236۔ صحیح مسلم، رقم: 160۔ ابو داؤد، رقم: 5194۔ نسائی، رقم: 5000)

''تمہارا کسی بھوکے کو کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا خواہ تم اُسے جانتے ہو یا نہیں جانتے۔''

2۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ))

(صحیح مسلم، رقم: 194۔ ابو داؤد، رقم: 5193۔ ترمذی، رقم: 2510)

''تم لوگ اُس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ بن جاؤ۔ اور تم اُس وقت تک مومن نہیں بن سکتے جب تک آپس میں محبت و پیار سے نہ رہو۔ کیا میں تمہیں ایسا طریقہ بتاؤں جس سے تمہارے درمیان پیار اور محبت قائم رہے؟ اور وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام پھیلاؤ۔''

3۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ، وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ))

(صحیح بخاری، رقم: 6232۔ صحیح مسلم، رقم: 5646۔ ابو داؤد، رقم: 5199۔ ترمذی، رقم: 2703)

''سوار شخص پیدل چلنے والے کو، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو، اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کیا کریں۔''

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر شے پر نگران ہے۔ وہ ہر چیز کے بارے میں حساب لینے والا ہے۔ وہ سب کے اچھے برے اعمال کو جانتا ہے اور اُن کے مطابق آخرت میں جزا و سزا دے گا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر ایک شخص نے تم کو آہستہ آواز سے رسمی انداز میں السلام علیکم کہا اور تم نے اسے کچھ بلند

Marfat.com

آواز میں جوش وجذبے سے وعلیکم السلام کہا تو یہ بھی بِاَحْسَنَ مِنْهَا (اُس سے بہتر) میں داخل ہے اور یہ دوسرے کو بہتر سلام کہنا ہو جائے گا۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تم لوگوں کو قیامت کے دن قبروں سے اٹھا کر میدانِ حشر میں جمع کرے گا۔ تاکہ وہ تم سب سے تمہارے اعمال کا حساب لے، جیسا کہ سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ (الانعام 6: 12)

''اُس (اللہ تعالیٰ) نے اپنے اوپر رحمت لکھ دی ہے۔ وہ قیامت کے دن، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، ضرور تم لوگوں کو جمع کرے گا۔''

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بات سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے؟ جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا گیا:

﴿وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۝﴾ (النسآء 4: 122)

''اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہو سکتا ہے۔''

ظاہر ہے کوئی اور نہیں ہو سکتا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی ہر بات پر یقین کرنا چاہیے کہ وہ سچی اور برحق ہے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَ اللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ
اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا
فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ
وَجَدْتُّمُوْهُمْ ص وَ لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ لا اِلَّا
الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ
جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا
قَوْمَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ج فَاِنِ

Marfat.com

اَعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا
جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿٩٠﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى
الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَ يُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ
السَّلَمَ وَ يَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ
ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾ ع

(النسآء: 88-91)

’’(مسلمانو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے تم منافقوں کے معاملے میں دو گروہ بن رہے ہو، حالانکہ اللہ نے اُن کے بُرے اعمال کی وجہ سے انہیں کفر کی طرف پھیر دیا۔ کیا تم چاہتے ہو اُن کو ہدایت دو جنہیں اللہ نے گمراہ کر دیا؟ یاد رکھو! جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے تم سیدھی راہ نہیں پا سکتے۔ منافق چاہتے ہیں جس طرح وہ خود کافر ہیں، اسی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ تا کہ سب برابر ہو جاؤ۔ پس تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ جب تک وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔ پھر اگر وہ ہجرت نہ کریں تو اُن کو پکڑو جہاں کہیں بھی انہیں پاؤ قتل کر دو، اور ان میں سے کسی کو اپنا ساتھی اور مددگار نہ بناؤ۔ البتہ وہ لوگ اس حکم میں شامل نہیں جو کسی ایسی قوم سے جا ملیں جن سے تمہارا معاہدہ ہو، یا وہ ایسے کمزور ہوں جو لڑائی سے گھبراتے ہوں کہ نہ تمہارے پاس آ کر تم سے لڑیں اور نہ تمہاری طرف سے اپنی قوم کے خلاف لڑیں۔ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان لوگوں کو بھی تم پر دلیر کر دیتا۔ پھر وہ ضرور تم سے لڑتے۔ لہٰذا اگر وہ جنگ سے باز رہیں، اور تم سے لڑنے کی بجائے صلح کا پیغام بھیج دیں تو اللہ تمہیں بھی اُن کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں دیتا۔

اِن کے علاوہ کچھ اور منافقوں سے تمہیں واسطہ پڑے گا جو چاہتے ہیں تم سے امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔ مگر فساد کا کوئی موقع پائیں تو اُس میں کود پڑیں گے۔ ایسے لوگ اگر غیر جانب دار نہ رہیں، نہ تمہارے ساتھ صلح کا رویہ رکھیں اور لڑائی سے بھی اپنے ہاتھ نہ روکیں، تو تم انہیں پکڑو اور جہاں کہیں پاؤ قتل کر دو۔ ان لوگوں کے خلاف ایسی کاروائی کرنے کا ہم نے تمہیں پورا

Marfat.com

اختیار دیا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَرْکَسَھُمْ: ......(ر ک س) اُس نے اُن کو اُلٹا پھیر دیا۔

یَصِلُوْنَ: ......(و ص ل) وہ پہنچتے / ملتے ہیں۔

حَصِرَتْ: ......وہ تنگ ہوگئی / گئے، وہ رک گئی / گئے۔

اَلسَّلَمَ: ......صلح، اطاعت، فرمانبرداری۔

ثَقِفْتُمُوْھُمْ: ......(ث ق ف) اس کے معنی ہیں وَجَدْتُّمُوْھُمْ (تم نے اُن کو پایا)۔

سُلْطٰنًا: ......(س ل ط) دلیل، حجت، اختیار، اقتدار۔ اس جگہ یہ اختیار کے معنوں میں آیا ہے۔

﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٨٩﴾﴾ (النسآء: 88-89)

اس آیت میں اُن لوگوں کو منافقین کہا گیا ہے جو مکہ میں اور دوسرے عرب علاقوں میں اسلام تو قبول کر چکے تھے مگر ہجرت کر کے دارالاسلام مدینے میں نہیں آ رہے تھے۔

یہ مسلمانوں سے فرمایا کہ ایسے منافق لوگوں کے بارے میں دو مختلف گروہ بن کر دو الگ رائیں نہ رکھو کہ ایک گروہ ان منافقین کو بھی مسلمانوں میں شمار کرتا ہے اور دوسرا اُن سے غیر مسلموں کی طرح کا رویہ اختیار کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ تم مسلمان ان کے بارے میں یکسو ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کرو۔ جو مسلمان دارالکفر یا دارالحرب میں رہتے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے، ان سے رشتہ داری کا تعلق بھی نہ رکھو۔ اگر اُن کو اسلام اور ایمان سے زیادہ اپنا قبیلہ، مال و دولت اور ذاتی مفاد زیادہ عزیز ہے تو اُن کی یہ حالت نفاق کی حالت ہے جو انہوں نے اختیار کر رکھی ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اور اُن کو نفاق اور گمراہی میں ہی الٹا پھیر دیتا ہے۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق کی وجہ سے گمراہ کر دیا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اور ہدایت کی توفیق نہ دے تو تم مسلمان اُسے کیسے ہدایت دے سکتے ہو اور وہ خود کیسے ہدایت پا سکتے ہیں؟

ان منافقین کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم مسلمان بھی کفر اختیار کر لو۔ پھر سب ایک جیسے کافر بن جائیں۔ تا کہ کفر و اسلام کا جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔ لیکن تم مسلمانوں کو چاہیے کہ ان منافقین سے دوستی نہ کرو۔ ان کے ایمان کو اُس وقت تک معتبر نہ سمجھو جب تک وہ ہجرت کر کے مدینے میں نہ آ جائیں۔ اگر وہ ہجرت کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تو ان سے وہی سلوک کرو جو حربی کفار سے کرنا چاہیے کہ ان کو گرفتار کرو، پکڑو، قید کرو اور جہاں پاؤ اُن کو قتل کر دو۔

Marfat.com

ان سے کسی طرح کی دوستی نہ رکھو اور نہ اُن کو اپنا مددگار بناؤ۔ ایمان جانچنے کی کسوٹی اور معیار ہجرت ہے۔ جو ہجرت نہیں کرتا اُس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝۹۰﴾

(النسآء: 90)

اب ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو قید اور قتل کے اوپر کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ دو قسم کے لوگ ہیں:

1۔ ان میں پہلی قسم وہ ہے جو کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں جن سے مسلمانوں کی صلح کا معاہدہ ہے۔ اس معاہدے کی وجہ سے ایسے منافقین کو چھوڑ دیا گیا اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان کو قید یا قتل کریں۔ یہ دراصل معاہدے کی پاسداری کے سبب سے ہے نہ کہ منافقت کے لیے چھوٹ کی وجہ سے۔

2۔ دوسری قسم اُن لوگوں کی ہے جو اپنی کمزوری کی وجہ سے غیر جانبدار ہیں۔ نہ اپنی کافر قوم کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہیں اور نہ مسلمانوں میں شامل ہو کر اپنی کافر قوم کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ ان کو ابھی مہلت دی جائے اور ان کو بھی قید اور قتل سے مستثنیٰ رکھا جائے۔

پھر اس معاملے کی مصلحت اور حکمت یہ بیان فرمائی گئی کہ یہ غیر جانبدار لوگ بھی غنیمت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو ہمت و قوت دیتا تو یہ بھی تم مسلمانوں کے دشمن بن کر تمہارے خلاف جنگ کرتے۔ اس لیے جب تک وہ تمہیں نہ چھیڑیں، تم بھی ان سے کوئی تعرض نہ کرو اور اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرو۔ ہوسکتا ہے آگے چل کر یہ لوگ بھی کسی وقت اسلام قبول کرلیں اور جماعتِ مسلمین میں شامل ہو جائیں۔

﴿سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَ يُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَ يَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝۹۱﴾ (النسآء: 91)

اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اپنے آپ کو بظاہر غیر جانبدار ظاہر کرتے تھے۔ یہ لوگ اسلام لانے کا دعویٰ بھی کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کے خطرے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں۔ مگر دوسری طرف اپنی کافر قوم میں بھی شامل رہنا چاہتے تھے تاکہ ان کی طرف سے بھی امن میں رہیں۔ لیکن ان لوگوں کی یہ غیر جانبداری نمائشی اور دکھاوے کی تھی۔ اصل میں یہ لوگ اکثر اپنے اور دوسرے قبیلوں کے دباؤ میں آکر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ فرمایا: یہ لوگ کسی رعایت کے حق دار نہیں۔ یہ نمائشی اور فیشنی غیر جانبدار بھی کھلے دشمنوں کی طرح ہیں۔ اگر یہ تم مسلمانوں کی مخالفت سے باز نہ آئیں، تمہارے ساتھ صلح جوئی کا رویہ نہ رکھیں اور تمہارے خلاف اپنے ہاتھ نہ روکیں......

Marfat.com

تو تم ان کو جہاں پاؤ قید کرو اور قتل کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے خلاف تمہیں بھرپور کاروائی کرنے کا پورا اختیار دے دیا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِــيْمًا ﴿٩٢﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْھَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾

(النسآء: 92-93)

''کسی مسلمان کا کام نہیں وہ دوسرے مسلمان کو قتل کرے، مگر یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ جو کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دے، اُسے چاہیے ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خوں بہا (Blood Money) دے۔ البتہ مقتول کے وارث خوں بہا معاف کر سکتے ہیں۔ اگر وہ مقتول تمہاری دشمن قوم کا شہری ہو لیکن مسلمان ہو تو پھر کوئی خوں بہا نہیں ہے بلکہ صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر وہ کسی ایسی غیر مسلم قوم کا فرد ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو تو قاتل کے ذمے خوں بہا ہے جو وہ مقتول کے وارثوں کو دے گا اور ایک مسلمان غلام بھی آزاد کرے گا۔ جسے یہ میسر نہ ہو کہ مسلمان غلام کو آزاد کرا سکے وہ لگا تار دو مہینے کے روزے رکھے۔ اس گناہ پر توبہ کا یہی طریقہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

Marfat.com

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

تَحْرِیْرُ: ......(ح ر ر) آزاد کرنا۔

رَقَبَةٍ: ......گردن، مراد ہیں لونڈی غلام۔

دِیَةٌ: ...... دِیت، خون بہا، (Blood Money) یہ قتل خطا میں قاتل پر جرمانہ ہے جو ایک ہزار اونٹ یا اُن کی قیمت کے برابر ہوتا ہے۔ حقیقت میں یہ وَدٰی یَدِیْ کا مصدر ہے۔ اصل میں وَدْیٌ تھا۔ پہلے واؤ (و) حذف ہوا پہلے ۃ کی جگہ ی لگا دیا گیا اور دِیَةٌ ہو گیا۔

مُسَلَّمَةٌ: ......(س ل م) حوالے، سپرد کی گئی۔ اسم مفعول مونث کا صیغہ ہے۔

یَصَّدَّقُوْا: ......(ص د ق) یہ اصل میں یَتَصَدَّقُوْا تھا جس کے معنی ہیں۔ وہ صدقہ، خیرات کر دیں۔

مُتَتَابِعَیْنِ: ......(ت ب ع) لگا تار، مسلسل یہ مُتَتَابِعٌ سے تثنیہ کا صیغہ ہے۔

مُتَعَمِّدًا: ......(ع م د) جان بوجھ کر، دانستہ طور پر۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ (النسآء: 92)

اِس سے پہلے منافقین اور معاہدین (جن سے عہد کیا گیا ہو) کے بارے میں احکام دیے گئے کہ اگر وہ عہد شکنی کریں اور مسلمانوں کے خلاف کفار کا ساتھ دیں تو اُن کے خلاف جہاد و قتال جائز ہے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ کسی مومن کو قتل کرنا ہرگز جائز نہیں، نہ کسی امن پسند معاہد کو اور نہ کسی ذمی کو۔ پھر اس کے ساتھ ہی قتل خطا اور قتل عمد کے بارے میں الگ الگ احکام دیے گئے ہیں۔

پہلے قتل خطا کے بارے میں فرمایا کہ کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرے۔ البتہ اگر غلطی سے ایسا ہو جائے، جو کہ قتل خطا ہے تو پھر قاتل (اُس کی عاقلہ...... خاندان یا کمپنی) کی طرف سے مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرنی لازمی ہے جو کہ از روئے سنت سو (100) اونٹ یا ان کی قیمت ہے۔

((اِنَّ فِی النَّفْسِ مِائَةُ الْاِبِلِ))

(سنن نسائی، رقم: 4861۔ موطا امام مالک رحمہ اللہ، کتاب العقول)

''بے شک جان کی دیت سو (100) اونٹ ہے۔''

قتل خطا کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں:

1۔ کسی نے شکار کے جانور پر فائر کیا اور غلطی سے کوئی مسلمان اُس کی زد میں آ کر ہلاک ہو گیا۔

Marfat.com

2۔ کسی نے دوسرے کو دانستہ ہلکی ضرب ماری جس سے عام طور پر آدمی نہیں مرتا، مگر وہ اس سے مرگیا۔
3۔ کوئی شخص سڑک عبور کر رہا تھا۔ اچانک دوسری طرف سے تیز رفتار گاڑی آگئی اور بریک لگانے کے باوجود وہ شخص حادثاتی طور پر گاڑی کی زد میں آکر مرگیا۔

یادر ہے کہ قتل خطا میں عورت کی آدھی دیت پر اجماع امت ہے۔ (بداية المجتهد)

اس آیت میں قتل خطا کے بارے میں یہ احکام دیے گئے ہیں:

1۔ اگر مقتول کے وارث مسلمان ہوں تو اس کی دیت کے طور پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی آزاد کرنی ہے اور 'خوں بہا' یا 'دیت' (Blood Money) دینی ہے جو کہ سو (100) اونٹ یا اس کی قیمت کے برابر ہے۔ یہ دیت قاتل کے وارث مقتول کے وارثوں کو ادا کریں گے۔

حنفی فقہ کے مطابق یہ دیت تین سال میں قسطوں کی صورت میں ادا کی جائے گی اور مقتول کے ورثا چاہیں تو اسے معاف بھی کر سکتے ہیں۔

اگر غلام میسر نہ ہو تو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھنے ہوں گے۔

2۔ اگر مقتول مومن ہو، مگر اُس کا تعلق دشمن قوم سے ہو، تو اس کی دیت نہیں ہے بلکہ صرف کفارہ ہے جو کہ ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو مسلسل دو مہینے کے روزے رکھنے ہوں گے۔

3۔ اگر مقتول مومن ہے لیکن اُس کا تعلق کسی معاہد قوم سے ہے یعنی جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہوا ہو، تو اس کے بارے میں وہی حکم ہے جو پہلی صورت (1) میں اوپر بیان کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا: "تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ" کہ دیت سے متعلق یہ شرعی احکام اور کفارے ہی اس گناہ پر بندے کی طرف سے توبہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت حاصل ہے۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ وہ بندوں کی نیت اور اُن کے اعمال سے واقف ہے اور اُس کے ہر حکم میں کوئی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے۔

﴿وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝﴾ (النساء: 93)

پہلے قتل خطا سے متعلق احکام کا ذکر تھا اب قتل عمد کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر دانستہ قتل کر دے تو یہ قتل عمد ہے اور اس کے لیے آخرت میں دوزخ کی سزا ہے۔ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اُس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا، اُس پر اللہ کی لعنت ہوگی اور ایسے قاتل کے لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

کسی مسلمان کے قتل پر اس قدر وعیدیں اور سزائیں اس جرم و گناہ کی شدت و سنگینی کو ظاہر کرتی ہیں۔

Marfat.com

قرآن میں مومن کے قاتل کے بارے میں ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ لیکن سنت نے اس کی وضاحت یہ کی ہے کہ صرف کفار کو ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا عذاب ہوگا اور ایمان والا بڑے سے بڑا گناہگار بھی دوزخ میں سزا بھگتنے کے بعد آخر میں جنت میں جائے گا۔ رہا قاتل سے قصاص لینے کا معاملہ تو اس کی تفصیل کے لیے سورۂ البقرہ آیت 178 کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

(النسآء: 94)

"اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے ہوئے ہو تو تحقیق کرلیا کرو کہ جو شخص راستے میں تمہیں سلام کرے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے تو اسے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں۔ اچھا، تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو تو اللہ کے پاس تمہارے لیے بہت مالِ غنیمت ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے اس سے پہلے تم بھی ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر فضل کیا۔ لہٰذا اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو۔ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے باخبر ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیت کی تفسیر:

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: ...... (اللہ کی راہ میں) اس جگہ اس سے جہاد مراد ہے۔

فَتَبَيَّنُوْا: ...... (ب ی ن) پس تم تحقیق کرلیا کرو۔

عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: ...... دنیا کی زندگی کا سامان، مال واسباب۔

مَغَانِمُ: ...... (غ ن م) یہ مَغْنَمٌ کی جمع ہے جس کے معنی مالِ غنیمت کے ہیں۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ ﴾

(النسآء: 94)

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے یہ حکم دیا ہے کہ جب تم کافروں کے کسی علاقے پر جہاد کے

Marfat.com

دورانِ حملہ کروتو وہاں کے رہنے والے مسلمانوں کے بارے میں تحقیق کرلیا کرو کہ وہ کہاں کہاں موجود ہیں تا کہ وہ تمہارے حملے سے محفوظ رہ سکیں۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص دشمن کے علاقے میں، یا دارالحرب میں اپنے ایمان کے ثبوت کے طور پر تمہیں سلام کرے تو تم مالِ غنیمت کے لالچ میں اُسے کافر سمجھ کر قتل نہ کرو۔

اس آیت کے اہم امور حسب ذیل ہیں:

1۔ سب سے پہلے اہل ایمان کو مخاطب کر کے اُن کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تم دشمن کے علاقے میں موجود ہو، یا دارالحرب میں ہو تو صرف کفار سے جنگ کرو اور وہاں کے مسلمانوں کے بارے میں اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو کہ وہ کہاں موجود ہیں تا کہ حملے کے وقت ان کو نقصان سے بچا سکو۔

2۔ پھر فرمایا: اگر دارالحرب میں کوئی شخص تمہیں سلام کرے یا تمہارے سامنے کلمہ پڑھے تو اس کے بارے میں یہ بدگمانی ہرگز نہ کرو کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ایسا کیا ہے اور اسے کافر سمجھ کر قتل نہ کرو تا کہ اس کا مالِ غنیمت حاصل کرسکو۔ ایک سریّے میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔

صحیح بخاری میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں قبیلہ جہینہ کے حرقات کی طرف بھیجا۔ ہم نے صبح سویرے اُن پر حملہ کیا اور اُن کو شکست دی۔ میں اور ایک انصاری اُس قبیلے کے ایک شخص سے ملے اور اُس پر قابو پالیا تو اُس نے لا الہ الا اللّٰہ کہا۔ اس پر انصاری تو رک گیا مگر میں نے نیزہ مار کر اُسے ہلاک کر دیا۔ جب ہم واپس آئے اور یہ بات نبی ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے مجھے کہا: اُسامہ! تو نے لا الہ الا اللّٰہ کہنے والے کو قتل کیا؟ میں نے عرض کیا: اس نے جان بچانے کے لیے ایسا کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اسے لا الہ الا اللّٰہ کہنے کے باوجود قتل کر دیا؟ آپ ﷺ نے یہ فقرہ بار بار دہرایا۔ یہاں تک کہ میں نے چاہا میں آج سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تو نے اُس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ وہ جان بچانے کے لیے لا الہ الا اللّٰہ کہہ رہا ہے؟ (صحیح مسلم، رقم: 277)

3۔ پھر ارشاد ہوا کہ تمہارا کام مال غنیمت کے لیے جہاد کرنا نہیں ہے۔ مالِ غنیمت تو اللّٰہ سبحانہٗ کے پاس بہت زیادہ ہے۔ تمہارا کام دین حق کے کلمے کو بلند کرنا ہے۔ اِعلائے کلمۃ الحق کے لیے جہاد کے دوران میں بدگمانی سے کسی بے گناہ مسلمان کو قتل نہ کرو۔ بلکہ تحقیق کر کے مناسبِ حال کاروائی کیا کرو۔ جہاد کافروں کے خلاف ہوتا ہے، اسے مسلمانوں کے خلاف ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

4۔ پھر فرمایا گیا کہ تم خود بھی اسلام لانے سے پہلے ایسے ہی تھے۔ کفار کے علاقے میں ان کے قبضے اور تسلط میں تھے۔ اگر اس وقت کوئی تمہارے بارے میں یوں بدگمانی سے کام لیتا اور تمہارے کلمہ پڑھ لینے یا سلام کرنے کو تمہاری جان بچانے کا بہانہ سمجھ کر تمہیں قتل کر دیتا تو تم کیا کر سکتے تھے؟ اس وقت تمہارے پاس بھی سوائے کلمہ پڑھنے یا سلام کرنے کے اپنے ایمان کا کیا ثبوت ہوسکتا تھا؟

Marfat.com

5۔ پھر ارشاد ہوا کہ اب یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ اُس نے تم کو ایک آزاد اور خود مختار علاقے کی کھلی فضا عطا فرمائی ہے۔ تم ایک منظم معاشرے کے فرد ہو۔ لہٰذا اب تحقیق کرلیا کرو اور مسلمان اور کافر میں تمیز اور فرق کیا کرو۔ کسی شخص کے سلام کرنے یا کلمہ پڑھنے کو اس کے ایمان کی گواہی اور شہادت تسلیم کیا کرو۔ تمہارا کسی کافر کو چھوڑ دینے میں غلطی کر جانا گوارا ہے مگر تمہارا ایک مسلمان کو قتل کرنے میں غلطی کرنا گوارا نہیں۔

6۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ وہ تم سے تمہارے ہر کام کا حساب لے گا کہ فلاں کام تم نے کس نیت کے ساتھ کیا۔ پھر وہ اس نیت کے مطابق تمہیں اس کی جزا یا سزا دے گا۔

قرآن مجید کا یہ اسلوب عام ہے کہ وہ اپنے احکام دینے کے بعد جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کے خبیر، سمیع، بصیر اور علیم ہونے کا اکثر ذکر کرتا ہے تاکہ بندے کو اس سے ترہیب ہو کہ اللہ سبحانہٗ اُن کی ایک ایک حرکت کو دیکھتا، ہر بات سنتا اور نیتوں کا حال بھی جانتا ہے۔ اس طرح وہ ہر شخص کے اعمال کے مطابق اُسے بدلہ دے گا۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ۙ
دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ ع ۱۳

(النسآء: 95-96)

”جو مسلمان بغیر عذر کے گھروں میں بیٹھے رہے اور جہاد میں اُن کے شریک ہونے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی اور دوسرے وہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا، یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ اللہ نے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کا درجہ پیچھے رہ جانے والوں سے زیادہ رکھا ہے۔ اگرچہ دونوں سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔ لیکن اللہ نے جہاد کرنے والوں کو اجرِ عظیم میں پیچھے بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی ہے۔ اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے۔ اور اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔“

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَلْقَاعِدُوْنَ: ......(ق ع د) یہ اَلْقَاعِدُ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بیٹھنے والا، بیٹھا ہوا۔ مراد ہیں جہاد سے پیچھے

Marfat.com

رہ جانے والے لوگ۔

اُولِی الضَّرَرِ: ......نقصان والے، تکلیف والے، معذور لوگ۔

اَلْحُسْنٰی: ......(اچھی، عمدہ، بھلائی) اس جگہ اس سے مراد جنت ہے۔ جس کا اللہ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں سے جو اُس کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

﴿لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۹۶﴾﴾ (النسآء: 95-96)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اُن مسلمانوں کو تنبیہ کی تھی جنہوں نے کسی کافر کے کلمہ پڑھ لینے پر بھی اُسے قتل کر دیا تھا۔ اب جہاد کی فضیلت اور ثواب کا ذکر ہو رہا ہے۔

فرمایا: وہ مسلمان جو کسی عذر کے بغیر گھروں میں بیٹھے رہے۔ وہ نہ تو بیمار تھے، نہ اندھے اور نہ کمزور تھے۔ لیکن جہاد میں شریک نہیں ہوئے اور ان کی نیت جہاد کرنے کی تھی۔ دوسری طرف وہ مجاہدین جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا...... یہ دونوں درجے میں برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ سبحانہٗ نے مجاہدین کو پیچھے رہنے والوں پر فضیلت عطا کی ہے اور ان کا درجہ بہت بلند کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے جان و مال کی قربانی دی ہے اور جہاد کی راہ میں مشقت اٹھائی ہے۔ ویسے پیچھے رہ جانے والے بھی ایمان والے تھے اور جہاد کی نیت رکھتے تھے لیکن جب انہوں نے جہاد میں شرکت نہ کی تو اُن کا درجہ مجاہدین کی بہ نسبت کم ہو گیا۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے دونوں کے لیے خیر اور بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔

صحیح حدیث میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے، جب مدینے کے قریب پہنچے تو فرمایا: مدینے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم جہاں بھی گئے اور جس وادی میں سے گزرے تو وہ تمہارے ساتھ ہی تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ اجر میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ تو مدینے ہی میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! وہ مدینے ہی میں تھے، کیونکہ عذر نے اُن کو روک رکھا تھا۔

(صحیح بخاری، رقم: 4423)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجاہدین کو قاعدین (پیچھے بیٹھ رہنے والے) اور متخلفین (پیچھے رہ جانے والے) پر اجر و ثواب کے لحاظ سے بڑی فضیلت اور برتری دی ہے۔ ان مجاہدین کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے درجات ہیں، ان کے گناہوں کی بخشش ہے اور ان پر اللہ سبحانہٗ کی خصوصی رحمت ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے دنیا میں بھی درجہ بندی رکھی ہے لیکن آخرت میں یہ درجہ بندی اور بھی بڑے پیمانے پر زیادہ وسعت کے ساتھ ہو جائے گی۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا o﴾

(بنی اسرائیل 17 : 21)

''ہم نے دنیا میں لوگوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ لیکن آخرت اور بھی زیادہ بڑی ہے، درجے کے اعتبار سے اور فضیلت کے لحاظ سے۔''

اِس مقام پر اُس موضوع اور من گھڑت روایت کی تردید بھی ہو جاتی ہے جو شاید بعض صوفیا کی طرف سے گھڑی گئی کہ نبی ﷺ نے غزوۂ تبوک سے واپسی پر فرمایا تھا کہ:

((رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ))

''ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس لوٹے ہیں۔''

اور وہ اس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ جہاد بالسیف سے جہاد بالنفس افضل ہے۔

مگر یہ روایت چونکہ قرآن مجید کی نصِ صریح کے خلاف ہے، اس لیے یہ کسی حال میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ اس حدیث کو کسی معتبر محدث نے کسی قابل ذکر کتاب میں بیان نہیں کیا ہے اور نہ اسے صحیح حدیث کا درجہ حاصل ہے۔ بلکہ اسے موضوعات میں شمار کیا گیا ہے۔

پھر جہاں تک اعمال کے لحاظ سے درجات کا فرق ہے تو اس بارے میں قرآن نے وضاحت کر دی ہے کہ جو اِنفاق مشکل حالات میں کیا جائے اُس کا درجہ عام حالات کے اِنفاق سے بڑھ کر ہے۔

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ط وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾

(الحدید 57 : 10)

''تم مسلمانوں میں سے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا، وہ دوسروں کے برابر نہیں، بلکہ اُن کا درجہ بعد والوں سے بڑا ہے۔ اگرچہ اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔ اور وہ اس سے باخبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ط قَالُوْٓا

Marfat.com

أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَأُولٰٓئِكَ
مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً
وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ
عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ
وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾ ع

(النسآء: 97-100)

"بے شک جو لوگ، ہجرت نہ کر کے اپنے لیے برا کر رہے ہیں، جب فرشتے اُن کی جان قبض کریں گے تو اُن سے پوچھیں گے "تم کس حال میں تھے" وہ کہیں گے "ہم اپنے ملک میں بے بس تھے" فرشتے کہیں گے "کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم دوسری جگہ ہجرت کر جاتے" ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے جو بہت برا ٹھکانا ہے۔ البتہ وہ بے بس مرد اور عورتیں اور بچے جو کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور ہجرت کے لیے کوئی راہ نہیں پاتے، اُن کے بارے میں توقع ہے کہ اللہ اُن کو معاف کرے گا اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا، وہ زمین میں بڑے ٹھکانے اور کشادگی پائے گا۔ اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی طرف ہجرت کر کے نکلے، پھر راستے میں اُسے موت آجائے تو اُس کا اجر اللہ کے ہاں مقرر ہو چکا۔ اور اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

فِيْمَ: ...... (فِيْ + مَا) کسی میں، کس چیز میں، کس حالت، حال میں۔

Marfat.com

مُسْتَضْعَفِيْنَ: ......(ض ع ف) یہ مُسْتَضْعَفٌ کی جمع سالم ہے۔ جس کے معنی ہیں: بے بس، مجبور اور کمزور۔

مُرَاغَمًا: ......(ر غ م) کہیں پر چلے جانے کی جگہ۔ ہجرت کی جگہ، مقام۔ یہ باب مفاعلہ سے ظرفِ مکان ہے۔

سَعَةً: ......(و س ع) وسعت، طاقت، گنجائش، فراخی۔ یہ وَسِعَ یَسَعُ کا مصدر ہے۔ لیکن اس کا شروع کا واؤ (و) حذف ہوگیا ہے اور اس کی جگہ آخر میں ۃ آ گیا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾ وَ مَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾﴾

(النسآء: 97-100)

ان آیات میں ہجرت کا حکم، اُس کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔

ہجرت ایک اسلامی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس مسلمان کے لیے کفار کے ظلم وستم کی وجہ سے اپنے وطن میں دین پر عمل کرنا ممکن نہ رہے تو وہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے اپنا وطن چھوڑ کر کسی ایسے علاقے میں چلا جائے جہاں اُس کا دین محفوظ رہ سکے۔

ابتدائے اسلام میں مکہ میں مشرکین قریش نے ایمان لانے والوں پر ظلم وتشدد کرنا شروع کر دیا۔ اس پر پہلے تو اہل ایمان کو صبر وتحمل سے کام لینے اور مظالم برداشت کرنے کی تاکید کی گئی۔ مگر جب کفار کی طرف سے ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی تو نبی ﷺ نے بعض صحابہ کرام کو حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا اور وہ وہاں چلے گئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد مسلمانوں کے ایک اور قافلے نے بھی حبشہ ہجرت کی۔

پھر جب مدینے میں اسلام پھیلنے لگا تو نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو وہاں ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ پھر خود بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینے کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس طرح مدینے کے دارالاسلام بن جانے کے بعد تمام علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں کو مدینے ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا، تاکہ ایک طرف وہ کفار ومشرکین کے ظلم وستم سے بچ سکیں اور دوسری طرف اُن کو ایک ایسا مرکز حاصل ہو سکے جہاں وہ جمع ہو کر اپنی طاقت میں اضافہ کر سکیں اور دین اسلام کے مطابق اپنی زندگی بھی گزار سکیں۔

ان آیات میں اُن مسلمانوں کو جو دارالکفر میں رہتے تھے اور انہوں نے ہجرت کی طاقت واستطاعت رکھنے کے

Marfat.com

باوجود ابھی تک ہجرت نہ کی تھی، خبردار کیا گیا ہے کہ جب وہ مریں گے تو فرشتے اُن کو ڈانٹ کر پوچھیں گے کہ تم کس حال میں پڑے رہے؟ وہ جواب دیں گے: ہم بے بس اور مجبور تھے۔ فرشتے کہیں گے: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم کہیں ہجرت کر جاتے۔ پھر چونکہ انہوں نے ہجرت فرض ہونے کے باوجود ہجرت نہ کی اور اُن کو کوئی شرعی عذر بھی لاحق نہ تھا، اس لیے اُن کو ہجرت نہ کرنے کے گناہ کی سزا آخرت میں یہ ملے گی کہ اُن کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا جو کہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

پھر ان معذور مسلمانوں کا ذکر کیا جو ہجرت کرنے پر قادر نہ تھے۔ جیسے عورتیں، بچے اور بوڑھے کمزور مرد۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کا عذر قبول ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمائے گا۔ کیونکہ وہ ایسے لوگوں کے لیے معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اس سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ اُس وقت مکے اور دوسرے علاقے کے رہنے والوں کے لیے مدینے کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا اور جو لوگ بغیر کسی شرعی عذر کے اس فرض کو ادا نہیں کر رہے تھے، وہ گناہ گار ہو رہے تھے۔ پھر جب مکہ فتح ہوگیا اور وہ بھی مدینے کی طرح دارالاسلام بن گیا تو مدینے ہجرت کرنے کا حکم باقی نہ رہا۔ جیسا کہ ایک متفق علیہ حدیث میں ہے:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیُّ ﷺ قَالَ یَوْمَ الْفَتَحَ: لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا)) (صحیح بخاری، رقم: 2783۔ صحیح مسلم: 3302۔ ابو داؤد، رقم: 2480۔ ترمذی، رقم: 1590۔ نسائی، رقم: 4175)

”سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔ البتہ جہاد اور نیت باقی رہے گی۔ جب تمہیں جہاد کے لیے پکارا جائے تو نکل پڑو۔“

لیکن فقہائے اسلام کے نزدیک ہجرت کا حکم اب بھی باقی ہے اور وہ منسوخ نہیں ہوا۔ آج بھی جس علاقے میں مسلمانوں کو دین پر چلنے میں تنگی اور دشواری ہو، تو اُن کے لیے ضروری ہے کہ وہ وہاں سے کسی ایسی جگہ ہجرت کر جائیں جہاں اُن کا دین محفوظ رہے۔

پھر یہ تسلی بھی دی گئی کہ ہجرت کی راہ پر چلنے والا شخص اگر کہیں راستے ہی میں فوت ہوگیا، یا اُسے کسی نے قتل کر دیا تو بھی اُسے ہجرت کا ثواب ضرور ملے گا اور اللہ تعالیٰ آخرت میں اُسے جنت عطا فرمائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر دارالاسلام موجود ہو تو دارالکفر میں مستقل طور پر رہنا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ وہ شخص دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام کی طرف ہجرت کر جائے ورنہ وہ گناہگار ہوگا۔

یاد رہے کہ اسلام کی رُو سے ہر نقل مکانی ہجرت نہیں ہے۔ ہجرت کی اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک مسلمان کے لیے اُس کی اپنی سرزمین میں دین و ایمان پر قائم رہنا مشکل اور دشوار ہو جائے تو وہ اپنا وطن چھوڑ کر کسی ایسے ملک میں چلا جائے جہاں اسے توقع اور امید ہو کہ وہاں اُس کا دین و ایمان محفوظ رہ سکے گا۔

Marfat.com

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ
اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖۗ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾
وَ اِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ
مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْیَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَكُوْنُوْا
مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۪ وَ لْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا
مَعَكَ وَ لْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَیَمِیْلُوْنَ
عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ
اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَ
خُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۰۲﴾
فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا
وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ
الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

(النسآء: 101-103)

”اور (اے مسلمانو!) جب تم زمین میں سفر کرو اور تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے، تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں قصر کرلیا کرو۔ بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

(اے نبی ﷺ!) جب آپ (ﷺ) مسلمانوں کی فوج کے ساتھ ہوں اور نماز میں ان کی امامت

Marfat.com

کریں تو چاہیے کہ اُن میں سے ایک گروہ آپ (ﷺ) کے پیچھے نماز پڑھے اور اپنے ہتھیار ساتھ لیے ہوئے ہو۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو یہ پیچھے ہٹ جائیں اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی وہ آجائے اور آپ (ﷺ) کے پیچھے نماز پڑھے اور وہ بھی اپنے تحفظ کا سامان اور اپنے ہتھیار ساتھ لیے ہوئے ہو۔ کافر چاہتے ہیں تم اپنے ہتھیاروں اور سامان سے کسی طرح غافل ہو جاؤ اور وہ تم پر اچانک ٹوٹ پڑیں۔ اگر بارش کی وجہ سے دِقت ہو، یا تم بیمار ہو تو پھر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ ہتھیار اُتار کر رکھ دو۔ لیکن پھر بھی بچاؤ کا سامان لیے رہو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جب تم نماز خوف ادا کرلو، تو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرو۔ جب دشمن کی طرف سے اطمینان ہو جائے تو معمول کے مطابق پوری نماز پڑھو۔ بے شک نماز مسلمانوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

تَقۡصُرُوۡا: ......(ق ص ر) تم قصر/کمی کرو۔

مَطَرٍ: ......اس کے معنی بارش کے ہیں۔

تَضَعُوۡا: ......(و ض ع) تم رکھتے ہو، رکھ دو۔ اس کا مصدر وَضۡعٌ (رکھنا) ہے۔

﴿وَ اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَلَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوۃِ ٭ۖ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ اِنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ کَانُوۡا لَکُمۡ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ﴿۱۰۱﴾ وَ اِذَا کُنۡتَ فِیۡہِمۡ فَاَقَمۡتَ لَہُمُ الصَّلٰوۃَ فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَۃٌ مِّنۡہُمۡ مَّعَکَ وَ لۡیَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَہُمۡ ۟ فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡیَکُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِکُمۡ ۪ وَ لۡتَاۡتِ طَآئِفَۃٌ اُخۡرٰی لَمۡ یُصَلُّوۡا فَلۡیُصَلُّوۡا مَعَکَ وَ لۡیَاۡخُذُوۡا حِذۡرَہُمۡ وَ اَسۡلِحَتَہُمۡ ۚ وَدَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِکُمۡ وَ اَمۡتِعَتِکُمۡ فَیَمِیۡلُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ مَّیۡلَۃً وَّاحِدَۃً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اِنۡ کَانَ بِکُمۡ اَذًی مِّنۡ مَّطَرٍ اَوۡ کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَنۡ تَضَعُوۡۤا اَسۡلِحَتَکُمۡ ۚ وَ خُذُوۡا حِذۡرَکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۱۰۲﴾﴾ (النسآء: 101-102)

یہ دراصل تشریح اور وضاحت ہے اُس کی، جو سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا:

﴿فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُکۡبَانًا﴾ (البقرۃ 2: 239)

"پھر اگر دشمن کا خوف ہو تو پیدل یا سوار، جس حالت میں ہو نماز پڑھ لیا کرو۔"

اب اِس آیت میں نمازِ خوف کا ذکر ہے۔ اِس سے پہلے جہاد کے بارے میں بیان گزر چکا ہے۔ اب اسی مناسبت

Marfat.com

سے نمازِ خوف کا بیان ہے۔ کیونکہ کفار کے خلاف جہاد کے لیے سفر درپیش ہوتا تھا اور نماز چونکہ جنگ کی حالت میں بھی معاف نہیں، اس لیے میدانِ جنگ میں نماز پڑھنے کا مخصوص طریقہ بتا دیا گیا جس میں نماز کی رکعات میں قصر یعنی کمی کر دی گئی۔

فرمایا: اسلامی لشکر کے ساتھ جب نبی ﷺ خود موجود ہوں تو وہ نماز میں اُن کی امامت فرمائیں۔ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ پہلے لشکر کا ایک حصہ نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز کی ایک رکعت پڑھ کر پیچھے ہٹ جائے۔ پھر اُس کی جگہ دوسرا گروہ آ کر ایک رکعت پڑھ لے۔ اس طرح امام دو رکعت نماز پڑھائے گا اور اُس کے پیچھے دونوں گروہوں میں سے ہر ایک گروہ صرف ایک رکعت پڑھے گا دونوں گروہ نماز کی حالت میں ہتھیاروں سمیت نماز پڑھیں گے تاکہ دشمن اُن کو غافل اور غیر مسلح سمجھ کر اُن پر اچانک حملہ نہ کر دے۔ اگر بارش کی وجہ سے یا بیماری کے باعث نماز کی حالت میں کسی کے لیے ہتھیار ساتھ رکھنا ممکن نہ ہو تو کم سے کم بچاؤ اور دفاع کا سامان ضرور ساتھ رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے ہاتھوں سے بھی کفار کو نقصان پہنچائے اور ذلیل کرے اور اُس نے خود بھی آخرت میں کافروں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

قرآن نے جنگ کی حالت میں دشمن کے خوف و خطر کے اندیشے سے قصر نماز کا حکم دیا ہے جو کہ ایک رکعت نماز ہے۔ لیکن سنت کی رو سے ہر طرح کے سفر میں نمازِ قصر پڑھنے کی اجازت ہے۔ لیکن اس میں کم سے کم دو رکعت نماز کا ہونا ضروری ہے۔

آیت میں ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ (پھر تم پر کوئی گناہ نہیں) آیا ہے لیکن یہ وجوب اور فرض کے لیے بھی آتا ہے اور یہاں بھی انہی معنوں میں ہے۔ جیسا کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب یا فرض ہے مگر اُس کے لیے قرآن میں یہی الفاظ آئے ہیں:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (البقرة: 158)

”بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اس لیے جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرے۔“

اس سے معلوم ہے کہ سنت (خواہ خبر واحد ہو) قرآن کے کسی حکم میں اضافہ اور توسیع کر سکتی ہے۔ جیسا کہ قرآن نے دو بہنوں کا کسی ایک مرد کے نکاح میں بیک وقت ہونے کو حرام کیا۔ مگر سنت نے اس میں اضافہ کر کے پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی کسی ایک مرد کے نکاح میں بیک وقت ہونے کو حرام قرار دیا۔ (صحیح بخاری، رقم: 5109۔ صحیح مسلم، رقم: 3436)

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن کے حکم کا جو درجہ اور وزن ہے، وہی درجہ اور وزن سنت ثابتہ کے حکم کا ہوتا ہے۔

اس مقام پر اُن لوگوں کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے جو اقامت الصلوٰۃ یعنی نماز قائم کرنے سے مسلمانوں میں مروجہ

Marfat.com

نماز کے طریقے کو نہیں مانتے جو کہ سنت سے ثابت ہے۔ بلکہ اس سے کوئی نام نہاد نظام مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں نماز کا جو طریقہ بیان ہوا ہے، اُس میں نماز با جماعت اور سجدے کا بھی ذکر ہے جو ظاہر ہے کسی 'نظام' کی چیزیں نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کی مروجہ نماز ہی کے اجزا ہیں۔

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴾ (النسآء: 103)

فرمایا: پھر جب تم جنگ کی حالت میں نمازِ خوف سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے، بیٹھے، کروٹوں پر اور چلتے پھرتے، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔ میدان جنگ میں ذکرِ الٰہی کی تاکید اور جگہ بھی آئی ہے۔ جیسے

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥﴾
(الانفال 8: 45)

''اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کیا کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔''

جنگ کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں حکمت یہ ہے کہ اس سے مجاہدین کا حوصلہ (Morale) بلند رہتا ہے۔ خوف وخطر کی فضا میں بھی دل کے اندر سکون واطمینان پیدا ہوتا ہے جو کہ ذکرِ الٰہی کی خاصیت ہے۔

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد 13: 28)

''یاد رکھو! اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔''

پھر جب جنگ کا خطرہ ٹل جائے اور امن کی حالت میسر ہو تو پھر معمول کے مطابق پوری نماز پڑھو۔ کیونکہ نماز مسلمانوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے تاکہ مومن نیکی کرنے میں اور برائی سے بچنے میں غفلت کا شکار نہ ہو اور وقفے وقفے سے نماز جیسی اعلیٰ عبادت کے ذریعے اپنے رب کو ہمیشہ یاد رکھے۔

نماز کے اس فقرے ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴾ ''بے شک نماز مسلمانوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔'' سے نماز کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے اور سنت اور اِجماعِ امت کی رو سے بھی نماز مسلمانوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔

پھر جہاں تک نماز کے اوقات کا تعلق ہے تو قرآن میں اس بارے میں کچھ اشارات ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے:

سورۂ ہود میں ہے کہ:

﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ٥﴾ (ہود 11: 114)

Marfat.com

"اور نماز قائم کرو دن کے دونوں حصوں میں اور رات کے کچھ حصے میں۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ ایک یاددہانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو نصیحت قبول کریں۔"

پھر سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝﴾ (بنی اسرائیل 17 : 78)

"(اے نبی ﷺ) نماز قائم کریں، سورج ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے تک اور فجر کے وقت بھی۔ بے شک فجر کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔"

پھر سورۂ الروم میں بھی اسے بیان کیا گیا:

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ۝ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ۝﴾ (الروم 30 : 17-18)

"پس اللہ کی تسبیح کرو اُس وقت جب تم شام کرتے ہو اور جب تم صبح کرتے ہو۔ آسمانوں اور زمین میں اللہ کی تعریف ہوتی ہے اور عصر کے وقت اور جب تم ظہر کرتے ہو۔"

یادرہے کہ قرآن مجید کے جن مقامات پر وقت کی تعیین کے ساتھ تسبیح وتحمید کرنے کا ذکر ہے اُس سے نماز مراد ہے اور جہاں وقت کے تعین کے بغیر تسبیح کا ذکر آیا ہے وہاں عام نفلی تسبیح و ذکر مراد ہے۔

پھر سنت میں نمازوں کے اوقات متعین فرما دیے گئے ہیں اور الحمد للہ اُمتِ مسلمہ آج بھی ان کی پابندی کر رہی ہے۔

صحیح حدیث میں ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُولِهِ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَأَمْسِكْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ .))

(صحیح مسلم، رقم: 1388۔ ابو داؤد، رقم: 396۔ نسائی، رقم: 522)

"ظہر کی نماز کا وقت سورج ڈھلنے سے شروع ہو جاتا ہے اور آدمی کا سایہ اُس کے قد کے برابر ہو جانے اور عصر کا وقت نہ ہونے تک رہتا ہے۔ عصر کی نماز کا وقت سورج کے زرد ہونے سے پہلے تک رہتا ہے۔ مغرب کی نماز کا وقت شفق (سورج ڈوب جانے کے بعد افق پر جو سرخی ہوتی ہے) کے رہنے تک ہے۔ عشا کا وقت آدھی رات تک ہے۔ فجر کی نماز کا وقت فجر کے طلوع ہونے سے لے کر سورج نکلنے سے پہلے تک ہے۔ پھر جب سورج نکلنے لگے تو نماز نہ پڑھو کیونکہ وہ شیطان کے دو سینگوں

Marfat.com

کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے۔"

البتہ بعض حالات اور مواقع میں دو نمازوں کو جمع بھی کیا جاسکتا ہے جیسے حج کے دوران میں عرفات میں نمازِ ظہر اور نمازِ عصر کو ملا کر اور قصر کر کے پڑھنا سنت ہے اور پھر مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی نماز ملا کر پڑھنا اور قصر کرنا سنت سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ سفر کی حالت میں قصر کے ساتھ دو نمازیں جمع کر کے بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح مقیم کے لیے عذر کی حالت میں نماز ظہر اور عصر کو جمع کرنا اور مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے مگر وہ قصر نہیں کرسکتا۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ حدیث و سنت قرآن کی تشریح کرتی ہے۔ قرآن نے صرف اقامت الصلوٰۃ یعنی نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے اور سنت نے اُس کی عملی شکل متعین کر دی ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِی اُصَلِّیْ)) (صحیح بخاری، رقم: 631)

"نماز ایسے پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔"

وَ لَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ

ع ۱۵ ۱۲ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ؕ وَ

كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝۱۰۴ ع

(النسآء: 104)

"اور دشمن لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہمت نہ ہارو۔ اگر تم دکھ اٹھاتے ہو تو تمہارا دشمن بھی تمہاری طرح دکھ اٹھاتا ہے۔ لیکن اللہ سے اجر و ثواب کی جو اُمیدیں تم رکھتے ہو، وہ نہیں رکھتے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیت کی تفسیر:

اِبْتِغَاءِ: ...... (ب غ ی) یہ مصدر ہے جس کے معنی ہیں چاہنا، تلاش کرنا۔

یَاْلَمُوْنَ: ...... (ء ل م) وہ الم/تکلیف اٹھاتے ہیں۔

﴿وَ لَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝۱۰۴ ع﴾ (النسآء: 104)

اس سے پہلے جہاد کا مضمون چلا آرہا تھا۔ درمیان میں نمازِ خوف کا ذکر بھی اسی مناسبت سے آگیا۔ اب پھر جہاد کے حوالے سے فرمایا کہ دشمن کے لشکر کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ اور سستی نہ کرو۔

اس جگہ "اَلْقَوْمِ" سے دشمن اور اس کا لشکر مراد ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر یہ لفظ انہی معنوں میں آیا ہے:

Marfat.com

﴿اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ﴾ (آل عمران 3: 140)

''اگر تم نے چوٹ کھائی ہے تو کیا ہوا، اس سے پہلے تمہارا دشمن بھی اسی طرح کی چوٹ کھا چکا ہے۔''

ارشاد ہوا کہ تم مسلمانوں کو اگر دشمن کے ہاتھوں کچھ نقصان پہنچا ہے تو اس سے بددل ہو کر تمہیں کمزوری اور کم ہمتی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ ہمت اور حوصلے کے ساتھ دشمن کی طاقت کو کچلنے کے لیے اُن کا تعاقب کرو۔ اگر تمہیں اس راہ میں کچھ نقصان اٹھانا پڑتا ہے تو دشمن بھی نقصان اٹھاتا ہے۔ جنگ کی جن تکلیفوں اور صعوبتوں سے تم دوچار ہوتے ہو تمہارا دشمن بھی یہ سب کچھ سہتا ہے۔ اس معاملے میں تم اور وہ برابر ہو۔ مگر جہاد کی راہ پر چلنے سے جو اجر و ثواب، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور جنت کی توقع اور امید تم کو ہے، کفار اس سے قطعی محروم ہیں۔ اُن کو مرنے کے بعد کسی ثواب کی کوئی توقع نہیں۔ وہ اس سے بالکل مایوس ہیں۔ لہٰذا تمہیں جہاد کے نتیجے میں حاصل ہونے والے عظیم فوائد پر نظر رکھنی چاہیے اور اس کے لیے جو مشقت بھی عارضی طور پر اٹھانی پڑے وہ اٹھاؤ، اور جو قربانی بھی وقتی طور پر دینی پڑے، اُس سے دریغ نہ کرو۔

آخر میں فرمایا: یاد رکھو! اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ جہاد کی آزمائش میں تمہارا کردار کیا ہے۔ اس میں تم جو قدم بھی اٹھاتے ہو، وہ اسے معلوم ہے اور وہ اس پر اجر و ثواب دے گا۔ اس راستے پر چلتے ہوئے اگر تمہیں عارضی نقصان بھی پہنچ جاتا ہے تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کارفرما ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں وہ تمہاری تربیت ہے، تمہارا تزکیۂ نفس کرتا ہے اور تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں کے دروازے کھولتا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ
اللّٰهُ ؕ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۙ﴿۱۰۵﴾ وَّ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۱۰۶﴾ وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ
اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا
يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ
مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ
يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

Marfat.com

مَنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ
نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَ مَنْ
يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَ مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا
فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ ع ٢٦ ٨ ١٤
وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَ مَا يُضِلُّوْنَ
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ
الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ الثلثة
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

(النسآء: 105-113)

"(اے نبی ﷺ!) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ (ﷺ) پر نازل کی تاکہ آپ (ﷺ) وحی کی روشنی میں لوگوں کے درمیان فیصلے کریں، اور آپ (ﷺ) خیانت کرنے والوں کی طرف داری میں نہ جھگڑیں اور اللہ سے بخشش مانگیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور آپ (ﷺ) ان لوگوں کی طرف داری میں نہ جھگڑیں جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں۔ اللہ ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو بد دیانت پاپی ہو۔

وہ لوگوں سے چھپتے پھرتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔ وہ اُن کے ساتھ اُس وقت بھی موجود ہوتا ہے جب وہ راتوں کو ایسے خفیہ منصوبے بناتے ہیں جن سے اللہ راضی نہیں۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اُسے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ (مسلمانو!) تم نے دنیا کی زندگی میں منافقوں کی طرف داری میں جھگڑا کیا۔ مگر قیامت کے دن کون اُن کی طرف داری میں اللہ سے جھگڑے گا، یا کون ہوگا اُن کا کام بنانے والا؟

یاد رکھو! جو کوئی برائی کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے، پھر اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگے تو اللہ کو بخشنے والا

Marfat.com

رحم کرنے والا پائے گا۔ جو گناہ کرتا ہے اُس کا وبال اُسی پر ہے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔
اور جو کوئی غلطی یا گناہ کرے پھر اس کا الزام کسی بے قصور پر لگائے تو اس نے بڑا بہتان اور صریح گناہ اپنے سر لے لیا۔
(اے نبی ﷺ!) اگر آپ (ﷺ) پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ یہ طے کر چکا تھا کہ آپ (ﷺ) کو بہکا کر رہے گا، حالانکہ وہ اپنے آپ کو بہکا رہے ہیں اور آپ ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ نے آپ (ﷺ) پر کتاب اور حکمت اُتاری، آپ (ﷺ) کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ (ﷺ) کو پہلے معلوم نہ تھیں اور آپ (ﷺ) پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

خَصِیْمًا: ......(خ ص م) سخت جھگڑا کرنے والا، جھگڑالو۔ یہ فَعِیْلٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔

وَلَا تُجَادِلْ: ......(ج د ل) اور نہ تو مجادلہ یا جھگڑا کر۔ قرآن میں مجادلہ اچھے معنوں میں بھی آیا ہے اور بُرے معنوں میں بھی۔ پہلے کی مثال یہ ہے:

﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (النحل 16 : 25)

''اور ان سے اچھے طریقے سے مجادلہ اور بحث کریں۔''

دوسرے کی مثال یہ ہے:

﴿مَا يُجَادِلُ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (المومن 40: 4)

''اللہ کی آیتوں میں منکر لوگ ہی جھگڑا کرتے ہیں۔''

خَوَّانًا: ......(خ و ن) بڑا خائن۔ بہت خیانت، بددیانتی کرنے والا۔

اَثِیْمًا: ......گناہگار۔

یَسْتَخْفُوْنَ: ......(خ ف ی) وہ چھپے رہ سکتے ہیں، وہ چھپ سکتے ہیں۔

یَرْمِ: ......(ر م ی) وہ رمی کرے، الزام لگائے۔ اصل میں یَرْمِیْ تھا۔ شرط کی وجہ سے یا (ی) گر گیا ہے۔ اس کا مصدر ہے رَمْیٌ۔

بَرِیْئًا: ......(ب ر ء) بے گناہ، بے قصور، بے زار۔

﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ
خَصِيْمًا ۙ﴿۱۰۵﴾ وَّ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۱۰۶﴾ وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ
يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۙ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ

Marfat.com

وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ (النسآء: 105-108)

اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے خطاب کرکے فرمایا: کہ ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ ﷺ اس وحی کی روشنی میں لوگوں کے درمیان بے لاگ فیصلے کریں۔ کسی فریق کی طرف داری نہ کریں۔ جانب داری سے کام نہ لیں خواہ کوئی مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ ہر حال میں غیر جانب دارانہ اور منصفانہ فیصلے فرمائیں۔

اس آیت میں اَلْخَائِنِیْنَ (خیانت کرنے والے) سے مراد منافقین ہیں اور اگلی آیت میں انہی کو اَلَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (جو لوگ اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں) بھی کہا گیا ہے۔

ان آیات میں نبی ﷺ کے بعد وہ مسلمان مخاطب ہیں جو کفار و یہود کے خلاف منافقین کی حمایت اور طرف داری کرتے تھے۔

ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک منافق انصاری نے دوسرے مخلص مسلمان انصاری کی زِرہ چرا لی اور ایک یہودی کے ہاں امانت کے طور پر رکھوا دی۔ جب زِرہ کے مالک نے نبی ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا تو منافق انصاری اور اُس کے قبیلے والوں نے مل کر یہودی پر چوری کا الزام لگا دیا۔ پھر نبی ﷺ کے سامنے یہ موقف اختیار کیا کہ یہودی کی باتوں کا آپ ﷺ اعتبار نہ کریں کیونکہ وہ غیر مسلم ہے اور ہم مسلمانوں کی بات پر یقین کیا جائے۔ قریب تھا کہ مقدمے کی ظاہری حالت دیکھ کر حضور ﷺ اُس یہودی کے خلاف فیصلہ کر دیتے، اسے چوری کی سزا دیتے اور اصل چور پر الزام لگانے والوں کو تنبیہ کرتے۔ اتنے میں یہ وحی نازل ہوگئی اور معاملے کی اصل صورتِ حال واضح ہوگئی۔

ایک قاضی کی حیثیت سے اگر نبی ﷺ نے ظاہری حالت دیکھ کر کوئی فیصلہ کر بھی دیا ہوتا تو بھی آپ ﷺ بے قصور تھے کیونکہ قاضی صرف ظاہری صورتِ حال اور گواہوں کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک متفق علیہ حدیث میں ہے:

((عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ إِلَيَّ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُوْنَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَأَقْضِيَ لَهُ عَلٰى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ مِنْهُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ أَخِيْهِ، فَلَا يَأْخُذَنَّهُ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ.))

(صحیح بخاری، رقم: 6967۔ صحیح مسلم، رقم: 4473۔ ترمذی، رقم: 1339۔ نسائی، رقم: 5403)

”اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں بھی ایک انسان ہوں۔ تم اپنے مقدمات میرے پاس لاتے ہو۔ ہوسکتا ہے تم میں سے کوئی اپنی دلیل دوسرے کی نسبت زیادہ چرب زبانی سے بیان کرے اور میں اُسے سن کر اُس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ پھر جس شخص کو اس کے مسلمان بھائی کے حق میں کوئی چیز دے دی جائے تو وہ اسے حاصل نہ کرے کیونکہ اس صورت میں

Marfat.com

اُسے میں دوزخ کی آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں۔“

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ منافقین کو پسند نہیں کرتا جو بد دیانت، گناہگار اور بد کردار ہوتے ہیں۔ اس لیے اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ بھی ایسے منافقوں سے نفرت کریں۔ جن کا حال یہ ہے کہ وہ راتوں کو اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔ وہ لوگوں سے اپنی منافقت اور خیانت چھپا سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے۔ کیونکہ وہ ان کے تمام اعمال کو گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور اُن کو اُن کی تمام بری حرکتوں پر سزا دے گا۔

﴿هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَاۤءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا فَمَنۡ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنۡهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ
اَمۡ مَّنۡ یَّكُوۡنُ عَلَیۡهِمۡ وَكِیۡلًا ﴿۱۰۹﴾ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ یَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ
اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۱۰﴾ وَ مَنۡ یَّكۡسِبۡ اِثۡمًا فَاِنَّمَا یَكۡسِبُهٗ عَلٰی نَفۡسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا
حَكِیۡمًا ﴿۱۱۱﴾ وَ مَنۡ یَّكۡسِبۡ خَطِیۡٓـَٔةً اَوۡ اِثۡمًا ثُمَّ یَرۡمِ بِهٖ بَرِیۡٓـًٔا فَقَدِ احۡتَمَلَ بُهۡتَانًا وَّ اِثۡمًا
مُّبِیۡنًا ﴿۱۱۲﴾ وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡكَ وَ رَحۡمَتُهٗ لَهَمَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ یُّضِلُّوۡكَ ؕ وَ مَا
یُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَ مَا یَضُرُّوۡنَكَ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ وَ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ
وَ عَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡكَ عَظِیۡمًا ﴿۱۱۳﴾﴾

(النسآء: 109-113)

فرمایا: آج دنیا کی زندگی میں کچھ انصاری مسلمان اپنے قبیلے کے ایک منافق کو قبائلی عصبیت کی بنا پر چوری کے الزام سے بچا رہے ہیں اور اُس کی بے جا حمایت کر رہے ہیں، لیکن جب قیامت کے دن اصل حقائق کھل کر سامنے آجائیں گے تو وہاں کوئی کسی کو سزا سے نہیں بچا سکے گا اور نہ مجرم کی حمایت اور طرف داری کر سکے گا۔

یہ آیات اگرچہ ایک مخصوص واقعے سے متعلق ہیں مگر ان کا حکم عام ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔

پھر فرمایا: جو شخص کوئی برائی یا گناہ کرے اور پھر توبہ واستغفار کرلے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف کر دے گا کیونکہ وہ توبہ کرنے والوں کے لیے غفور ورحیم ہے۔

پھر فرمایا: جو شخص کوئی گناہ کرے تو اس کا وبال اُسی پر پڑے گا اور اللہ تعالیٰ اُس کے تمام اعمال کو جانتا ہے۔ پھر وہ اپنی حکمت اور عدل کے مطابق ان اعمال پر جزا وسزا دے گا۔

اعمال کی جزا وسزا کے اس مضمون کی وضاحت قرآن نے بعض دوسرے مقامات پر بھی کر دی ہے۔ سورۃ الانعام میں ہے:

﴿قُلۡ اَغَیۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِیۡ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَیۡءٍ ؕ وَ لَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ اِلَّا عَلَیۡهَا ۚ وَ لَا
تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمۡ مَّرۡجِعُكُمۡ فَیُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِیۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ﴾

(الانعام 6: 164)

Marfat.com

''(اے نبی ﷺ) آپ (ﷺ) ان لوگوں سے کہہ دیجیے! کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کوئی اور رب تلاش کروں، حالانکہ وہی سب کا رب ہے۔ اور دیکھو! جو شخص برائی کرتا ہے اُس کا وبال اُسی پر پڑے گا۔ کوئی کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ تم سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔ پھر تمہیں وہ بات بتائے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔''

اسی طرح سورۃ الجاثیہ میں بھی ہے کہ:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۝﴾

(الجاثیہ 45: 15)

''جو نیک عمل کرے گا وہ اپنے فائدے کے لیے کرے گا۔ جو برائی کرے گا تو اس کا وبال اُسی پر پڑے گا۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

پھر فرمایا: اگر کوئی شخص غلط کام کرے یا گناہ کرے اور پھر اس کا الزام کسی بے قصور کے سر تھوپ دے تو ایسا شخص دوہرا مجرم اور گنہگار ہے۔ ایک تو اُس نے خود غلط کام یا گناہ کیا اور دوسرے اُس نے اسی کا الزام دوسرے پر دھر دیا۔

آخر میں نبی ﷺ سے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمت آپ ﷺ کے شامل حال نہ ہوتی تو لوگ آپ ﷺ کو بہکا کر اور غلط معلومات دے کر مذکورہ مقدمے میں آپ ﷺ سے غلط فیصلہ کروا لیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے اصل صورتِ حال بتا دی اور ایک غلط فیصلہ کرنے سے بچا لیا۔ مگر جن انصاری مسلمانوں نے قبائلی عصبیت کی وجہ سے یہ حرکت کی، انہوں نے خود اپنا نقصان کیا۔ آپ ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑا۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے نوازا ہے۔ آپ ﷺ پر قرآن نازل فرمایا، حکمت عطا فرمائی۔ وحی کے ذریعے وہ علم بخشا جس سے آپ ﷺ اس سے پہلے ناواقف تھے۔ یہی مضمون قرآن میں اور مقامات پر بھی آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝﴾

(الشوریٰ 42: 52)

''اور (اے نبی ﷺ!) اسی طرح ہم نے اپنی طرف سے آپ (ﷺ) کے پاس بھی وحی بھیجی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے آپ (ﷺ) کتاب اور ایمان سے واقف نہ تھے۔ لیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا ہے جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔ اور اے نبی (ﷺ)! بے شک آپ (ﷺ) ان لوگوں کو سیدھا راستہ دکھا رہے ہیں۔''

اسی طرح سورۂ یوسف میں بھی نبی ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا کہ:

Marfat.com

﴿نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ وَاِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ۝﴾ (یوسف 12 : 3)

''(اے نبی ﷺ) ہم اس قرآن کی بدولت جو آپ (ﷺ) کی طرف وحی کیا ہے، آپ (ﷺ) کو بہترین قصہ سناتے ہیں اور اس سے پہلے آپ (ﷺ) اس سے ناواقف تھے۔''

آخر میں فرمایا: کہ آپ (ﷺ) پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم یعنی بڑا فضل ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ کو ایسی فضیلتیں دی گئیں جو کسی اور نبی یا رسول کو نہیں دی گئیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ.)) (صحیح مسلم، رقم: 1167۔ مسند احمد، رقم: 9326)

''مجھے چھ (6) چیزوں میں دوسرے انبیاء پر فضیلت عطا کی گئی: مجھے جوامع الکلم (مختصر الفاظ اور معانی زیادہ) دیے گئے۔ دشمن پر رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی۔ میرے لیے مالِ غنیمت حلال ہوا۔ میرے لیے ساری زمین سجدہ گاہ اور پاک قرار دی گئی۔ مجھے تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔''

لَا خَيۡرَ فِىۡ كَثِيۡرٍ مِّنۡ نَّجۡوٰٮهُمۡ اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوۡ مَعۡرُوۡفٍ اَوۡ اِصۡلَاحٍۢ بَيۡنَ النَّاسِ‌ؕ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ فَسَوۡفَ نُـؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَ يَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ‌ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ﴿۱۱۵﴾ ع ۱۷/۱۴

(النسآء: 114-115)

''ان لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں۔ بھلائی والی سرگوشی صرف اُس کی ہے جو صدقہ

Marfat.com

کرنے کو کہے، یا کسی نیک کام کے لیے، یا لوگوں میں صلح کرانے کے لیے کہے۔ جو شخص اللہ کی رضا کے لیے ایسا کرے، ہم اُسے بڑا اجر عطا کریں گے۔ مگر جو شخص رسول اللہ (ﷺ) کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلے، حالانکہ اُس پر صحیح راستہ واضح ہو چکا ہو، تو اُسے ہم اُسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ خود پھر گیا، پھر اُسے جہنم میں داخل کریں گے جو بہت برا ٹھکانا ہے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

نَجْوَاهُم: ......(ن ج و) اُن کی سرگوشیاں، اُن کے خفیہ مشورے۔

يُشَاقِقِ: ......(ش ق ق) وہ مخالفت، دشمنی کرتا ہے۔

﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾﴾

(النسآء: 114)

اوپر آیت 108 میں منافقین کے بارے میں فرمایا گیا تھا کہ وہ لوگوں سے چھپ سکتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔ وہ ان کے ساتھ اُس وقت بھی موجود ہوتا ہے جب وہ راتوں کو ایسی پوشیدہ سرگوشیاں کرتے اور خفیہ منصوبے بناتے ہیں جن سے اللہ راضی نہیں۔

اب اسی مضمون کی وضاحت اس آیت میں کر دی گئی ہے کہ منافقین کی اکثر سرگوشیاں اور خفیہ مشورے صرف منفی سرگرمیوں اور اسلام مخالف کاموں کے لیے وقف ہوتے ہیں۔ اس میں یہودیوں اور منافقین کے اُن خفیہ منصوبوں کی طرف اشارہ ہے جو وہ دینِ اسلام کے خلاف بناتے تھے۔ فرمایا: اُن کی اِن سرگوشیوں اور راز دارانہ مشوروں میں کوئی بھلائی اور خیر نہیں۔ یہ صرف خرابی اور شر کے لیے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی سرگوشی اور مشورہ نیک کاموں کے لیے ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی مطلوب ہو جیسے صدقہ کرنا، صدقے کی ترغیب دینا، بھلائی کا کوئی کام کرنا، لوگوں کے درمیان صلح کرانا اور ان کے معاملات کی اصلاح کرنا ......تو ایسا نجویٰ اور سرگوشی نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا اور آخرت میں اُن کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

یہی مضمون تصریف آیات کے اسلوب میں سورۂ المجادلہ میں بھی آیا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا ۖ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ

Marfat.com

وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (المجادلہ 58: 8-10)

"(اے نبی ﷺ!) کیا آپ (ﷺ) نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشیاں کرنے سے روکا گیا مگر وہ وہی کرتے ہیں جس سے اُن کو منع کیا گیا۔ ایسے لوگ گناہ کی، ظلم و زیادتی کی اور رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ جب آپ (ﷺ) کے پاس آتے ہیں تو ایسے الفاظ سے آپ (ﷺ) کو سلام کرتے ہیں، جن الفاظ سے اللہ نے آپ (ﷺ) کو سلام نہیں بھیجا۔ دل میں کہتے ہیں "ہماری اِن باتوں پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا" ان کے لیے جہنم کافی ہے جس میں وہ ڈالے جائیں گے، جو بہت برا ٹھکانا ہے۔

اے ایمان والو! جب تم کوئی سرگوشی کرو تو گناہ کی، ظلم وزیادتی کی اور رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو۔ بلکہ نیکی اور تقوے کی باتوں کی سرگوشی کرو۔ اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے۔ بری سرگوشی کرنا شیطان کا کام ہے تاکہ وہ ایمان والوں کو پریشان کرے۔ حالانکہ اللہ کی مشیّت کے بغیر وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ایمان والوں کو اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ نجویٰ یا سرگوشی بجائے خود بری چیز نہیں ہے لیکن جب یہ برے مقصد کے لیے کی جائے تو برائی بن جاتی ہے اور اگر یہ نیک مقصد کے لیے کی جائے تو نیکی اور بھلائی ہوتی ہے۔

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝﴾ (النسآء: 115)

فرمایا: جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے گا، وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت کا مرتکب ہوگا۔ اس طرح وہ دین اسلام کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث ہوگا۔ جبکہ اُس کے سامنے دین حق بھی واضح ہو چکا ہو اور ہدایت کی راہ بھی اُس پر ظاہر ہو چکی ہو۔ پھر وہ سبیل المومنین (اہل ایمان کا راستہ، طریقہ) چھوڑ کر گمراہی کی کسی پگڈنڈی پر چلنا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے اُدھر ہی پھیر دے گا جدھر وہ خود پھرنا چاہے گا۔ ایسے شخص کو آخرت میں جہنم میں ڈال دیا جائے گا جو کہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

اس آیت میں 'سبیل المومنین' (مومنین کی راہ) سے مراد صحابہ کرام کی جماعت کا تعامل اور طریقہ ہے۔ جس کے خلاف چلنا گمراہی ہے۔ مگر یہ صرف انہی تک محدود نہیں ہے بلکہ فقہائے اسلام نے اسی آیت سے اِجماعِ امت کا حجت اور دلیل ہونا ثابت کیا ہے جو کہ درست اجتہاد اور استنباط ہے۔ کیونکہ جب سبیل المومنین کو چھوڑنا گمراہی ہے تو سبیل المومنین کو اختیار کرنا راہِ ہدایت ہے اور یہی اِجماعِ امت ہے۔

Marfat.com

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ
يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ إِنْ
يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ إِلَّآ إِنٰثًا ۚ وَإِنْ يَّدْعُوْنَ إِلَّا شَيْطٰنًا
مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ ۙ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا
مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ ۙ وَّلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ
اٰذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ
الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ ؕ
يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾
أُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ أَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ
حَقًّا ؕ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

وقف لازم

(النسآء: 116-122)

''بے شک اللہ یہ گناہ نہیں بخشے گا کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے، اس کے سوا جتنے گناہ ہیں اُن میں سے جو چاہے گا بخش دے گا۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا، وہ سیدھی راہ سے بھٹک کر دور جا پڑا۔

مشرک لوگ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے ہیں اور اُس سرکش شیطان کو پکارتے ہیں جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس نے اللہ سے یہ کہہ رکھا ہے میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا۔ میں انہیں بہکاؤں گا، انہیں جھوٹی امیدیں دلاؤں گا، انہیں ورغلاؤں گا، وہ چوپایوں کے

Marfat.com

کان کاٹ کر انہیں بتوں کے نام پر چھوڑیں گے اور انہیں سمجھاؤں گا تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت کو بدلیں گے، اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے گا، وہ بڑے گھاٹے میں رہے گا۔ شیطان ان لوگوں سے وعدے کرتا ہے، انہیں جھوٹی امیدیں دلاتا ہے مگر اُس کے سارے وعدے فریب کے سوا کچھ نہیں۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے جس سے بچنے کی کوئی راہ نہیں پائیں گے۔

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، انہیں ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہوسکتا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اِنَاثًا: ...... (عورتیں) اس کا واحد اُنْثٰی (عورت) ہے۔

مَرِیْدًا: ...... (م ر د) سرکش، نامراد، یہ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ ہے۔

یُبَتِّکُنَّ: ...... (ب ت ک) وہ خوب کاٹیں گے۔

مَحِیْصًا: ...... (ح ی ص) بھاگنے، پناہ کی جگہ، یہ ظرف مکان ہے۔

قِیْلًا: ...... یہ قَوْلٌ (بات، کلام) کا ہم معنی ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۝۱۱۶﴾ (النسآء: 116)

فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کسی ایسے شخص کے شرک کا گناہ نہیں بخشے گا جس نے مرنے سے پہلے توبہ نہ کرلی اور وہ شرک کی حالت میں مر گیا۔

یہی مضمون اسی سورت کی آیت 48 میں بھی گزر چکا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا ۝۴۸﴾ (النسآء 4: 48)

"بے شک اللہ شرک کا گناہ معاف نہیں کرے گا۔ اس کے سوا باقی گناہوں میں سے جو چاہے گا، بخش دے گا۔ اور جو شخص اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے، وہ بڑا بہتان باندھتا ہے۔"

پھر دوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ شرک کرنے والے پر جنت حرام ہے اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ (المائدہ 5: 72)

"جو شخص اللہ کا شریک بنائے گا، تو اُس کے لیے اللہ نے جنت حرام کر دی ہے اور اُس کا ٹھکانا دوزخ

Marfat.com

ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔"

البتہ جس شخص نے شرک نہ کیا ہو اور وہ ایمان والا ہو تو اُس کے گناہوں کو اگر اللہ چاہے گا تو آخرت میں بخش دے گا، خواہ بندے نے دنیا میں اُن سے توبہ نہ بھی کی ہوگی۔ گناہگار مومن کی یہ بخشش اُس کے عقیدۂ توحید کی وجہ سے ہوگی۔ اس عقیدے کی برکت سے اللہ تعالیٰ جو کہ غفور و رحیم ہے، اُس کے گناہ معاف فرما دے گا، یا اُسے نبی ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے گی۔ جس کے نتیجے میں وہ بخشا جائے گا۔ یا پھر دوزخ میں گناہوں کی سزا پانے کے بعد ایمان والے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کر دے گا۔ کیونکہ خلود فی النار یعنی دوزخ میں ہمیشہ کا عذاب صرف مشرک و کافر کے لیے ہے، مومن گناہگار کے لیے نہیں ہے۔ پھر فرمایا: جو کوئی شرک کرتا ہے وہ انتہائی گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے۔ کیونکہ شرک نری گمراہی اور ضلالت ہے جسے ظلمِ عظیم (بہت بڑا ظلم) بھی کہا گیا ہے:

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان 31: 13) "بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔"

کیونکہ بندے پر سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے کہ وہ اُس کی توحید کا اقرار کرے اور شرک نہ کرے۔ پھر جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اُس کا یہ حق نہیں دیتا تو وہ بڑا ظلم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حق تلفی کرتا ہے۔ البتہ جو کافر یا مشرک دنیا میں اپنے کفر و شرک سے توبہ کرلے اور ایمان قبول کرلے تو اس کے کفر و شرک کا گناہ بھی اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔

﴿اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَ يُمَنِّيْهِمْ ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَ لَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾﴾

(النسآء: 117-121)

فرمایا: مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عورتوں کو پکارتے اور اُن کی عبادت کرتے ہیں۔ اس یَدْعُوْنَ (وہ پکارتے ہیں) دراصل یَعْبُدُوْنَ (وہ عبادت کرتے ہیں) کے معنوں میں ہے۔ اس سے اُن مشرکین عرب کے شرک کی طرف اشارہ ہے جو وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے کر اُن کی پوجا کرتے تھے۔ جیسے لات، منات اور عزّیٰ۔ یہ سب ملائکہ کے نام کی دیویاں اور بت تھے جن کو اہلِ عرب پوجتے تھے۔

فرمایا: مشرکین عرب کا یہ شرک اس لحاظ سے بھی قابلِ مذمت ہے کہ عورت ذات کے نام سے، جو کہ ایک کمزور مخلوق ہے کو معبود قرار دے کر اُس کے لیے لکڑی اور پتھر کے بت بنائے اور اُن کی پوجا کی۔ اُن کو خالق کائنات کے برابر ٹھہرا کر شرک کا ارتکاب کیا۔

پھر فرمایا: فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھنا اور اُن کی پوجا کرنا دراصل اُس شیطان کی اطاعت و عبادت کرنا ہے جو

Marfat.com

سرکش اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کر دی ہے۔ اُسے اپنی رحمت سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا ہے۔ جس نے بندوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے کہ وہ اُن کی ایک بڑی تعداد کو گمراہ کر کے اپنے ساتھ ملا لے گا اور اپنے ساتھ اُن کو بھی جہنم میں لے جائے گا۔ ؏

ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے

شیطان نے تو عہد کر رکھا ہے کہ وہ انسانوں کو گمراہ کرے گا، اُن کو جھوٹی امیدیں دلائے گا کہ جو گناہ بھی کرتے رہو، بخشے جاؤ گے جیسا کہ سورۃ الاعراف میں شیطان کے حوالے سے آیا ہے کہ:

﴿ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَ عَنۡ اَیۡمَانِهِمۡ وَ عَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَکۡثَرَهُمۡ شٰکِرِیۡنَ۝﴾ (الاعراف 7: 17)

”پھر میں اُن کے آگے پیچھے اور اُن کے دائیں بائیں سے اُن کو گھیروں گا اور اُن میں سے اکثر کو تو اپنا شکر گزار نہ پائے گا۔“

شیطان کے بہکاوے میں آ کر مشرکین عرب نے اپنے جانوروں کے کان کاٹ کر بتوں کے نام منسوب کر رکھے ہیں۔ بتوں کے نام پر اُن کو ذبح کرتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِیۡرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِیۡلَةٍ وَّ لَا حَامٍ ۙ وَّ لٰکِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡکَذِبَ ؕ وَ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ۝﴾ (المائدہ 5: 103)

”اللہ نے بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں ......بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام ......کو مقرر نہیں کیا۔ مگر جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اُن میں سے اکثر ایسے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔“

اس کے علاوہ شیطان کے بہکانے سے وہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو بگاڑتے اور اُس کی تخلیق میں تغیر و تبدل کر ڈالتے ہیں۔ جانوروں اور انسانوں کی شکل و صورت میں غیر فطری تبدیلی کرتے ہیں جیسا کہ ایک متفق علیہ حدیث میں ہے:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ، وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ، وَالْمُتَنَمِّصَاتِ، وَالْمُتَفَلِّجَاتِ، لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ. فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ: إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ فَقَالَ: مَا لِيْ أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَنْ هُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَتْ: لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ قَالَ: لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيْهِ لَقَدْ وَجَدْتِيْهِ أَمَا قَرَأْتِ ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَإِنَّهُ قَدْ نَهٰى عَنْهُ)) (صحیح بخاری، رقم: 4886۔ صحیح مسلم، رقم: 5573۔ ابو داؤد، رقم: 4169۔ ابن ماجہ، رقم: 1989)

”سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے ایسی عورتوں پر جو سوئی سے ہاتھوں

Marfat.com

پر نقش ونگار بنوا کر اُن میں سُرمہ یا نیل بھرتی ہیں، یا بھرواتی ہیں، جو بھنوؤں اور رُخساروں سے بال اکھیڑنے والی ہیں، جو خوبصورتی کے لیے دانتوں کو باریک بنانے والیاں ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی تخلیق کو بدلنے والیاں ہیں۔ چنانچہ ایک عورت اُن (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کے پاس آئی اور کہنے لگی: مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ نے فلاں فلاں طرح کی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں ایسے شخص پر لعنت کیوں نہ کروں، جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے؟ جبکہ یہ بات قرآن مجید میں بھی ہے۔ وہ عورت بولی: میں نے پورا قرآن پڑھا ہے مگر جو بات آپ کہتے ہیں وہ مجھے قرآن میں کہیں نہیں ملی۔ انہوں نے فرمایا: اگر تم نے قرآن کو غور سے پڑھا ہوتا تو تمہیں وہ بات مل جاتی جو میں کہہ رہا ہوں۔ کیا تو نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا کہ: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ ''اور رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دے، لے لو! اور جس بات سے تمہیں روکے، اُس سے رک جاؤ'' وہ عورت بولی: بالکل پڑھا ہے۔ انہوں نے فرمایا: تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے اُوپر جس قسم کی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی تخلیق کو بدل دیتی ہیں تو یہی لعنت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ایسی عورتوں پر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم اور اُس کی اطاعت کا وزن وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُس کی اطاعت کا ہے۔ پھر فرمایا: کہ جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست، مددگار اور کارساز بنائے گا، وہ بڑے گھاٹے میں رہے گا اور نقصان اٹھائے گا۔ اس کا انجام دوزخ کی آگ کا عذاب ہے۔ پھر مزید فرمایا: کہ شیطان کا کام ہے جھوٹے وعدے کرنا، جھوٹے وعدوں کے ذریعے دھوکا اور فریب دینا، جھوٹی امیدیں دلانا، دین سے دور کرنا، نیکی کے کاموں سے ہٹانا اور برے کاموں میں پھنسانا۔ خدا پرستی سے ہٹا کر دنیا پرستی میں مبتلا کرنا۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا:

﴿وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل 17 : 64)

''اور شیطان کے وعدے تو دھوکے اور فریب ہوتے ہیں۔''

آخر میں فرمایا: جو لوگ شیطان کی پیروی کریں گے، آخرت میں اُن کا ٹھکانا جہنم ہے جو ایک ایسا عقوبت خانہ اور جیل ہے جہاں سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝۱۲۲﴾ (النسآء: 122)

اس سے پہلے مشرکین و کفار اور اُن کے برے انجام کا ذکر تھا کہ آخرت میں ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ یہ گویا ترہیب کا اسلوب تھا۔ اب ترغیب کے اسلوب میں اہل توحید اور اہل ایمان کا ذکر کیا کہ اُن کے ایمان لانے، توحید اختیار کرنے اور نیک اعمال کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اُن کو آخرت میں جنت کے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جہاں نہریں جاری ہوں گی اور وہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اُن سے سچا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدے سے

Marfat.com

بڑھ کر اور کس کا وعدہ سچا ہوسکتا ہے اور اُس کی بات سے کس کی بات زیادہ سچائی اور صداقت پر مبنی ہوسکتی ہے؟

﴿وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾﴾ (اور اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہوسکتی ہے) کے معنی ہیں "لَا اَحَدُ اَصْدَقُ قَوْلًا وَوَعْدًا مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی" (کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی بھی قول اور وعدے میں زیادہ سچا نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ اسی سورت میں دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ۝﴾ (النسآء 4: 87)

"اور اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہوسکتی ہے؟"

لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَ لَآ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْکِتٰبِ ؕ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا
یُّجْزَ بِهٖ ۙ وَ لَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ﴿۱۲۳﴾
وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَ هُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَ مَنْ اَحْسَنُ
دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ
اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِی
السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۸ ۱۱ ۱۵

(النسآء: 123-126)

"(مسلمانو!) آخرت کی نجات کا دارومدار نہ تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو کوئی برائی کرے گا اُس کی سزا پائے گا اور پھر اسے اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی حمایتی اور مددگار نہ ملے گا۔ اور جو شخص نیک کام کرے، خواہ مرد ہو یا عورت، لیکن وہ ہو مومن، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن کی ذرا حق تلفی نہ ہوگی۔ اور اُس سے بہتر کس کا دین ہوسکتا ہے جو اپنا چہرہ اللہ کی طرف جھکا دے، وہ نیکی کرنے والا ہو اور وہ پیروی کرے ابراہیم علیہ السلام کے دین کی جو یکسو تھے۔ اور اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ کا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

﴿لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَ لَآ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْکِتٰبِ ؕ﴾ (النسآء: 123)

Marfat.com

"فرمایا: آخرت کی نجات کا دارومدار نہ تو مسلمانوں کی جھوٹی آرزوؤں پر ہے، نہ مشرکین کی اور نہ اہل کتاب کی جھوٹی تمناؤں پر اور نہ کسی اور کی خام خیالی پر، بلکہ وہاں تو ہر برائی کا بدلہ ہوگا اور ہر گناہ کی سزا ہوگی۔ کسی مجرم اور گناہ گار کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔

اس آیت میں جن "اَمَانِیّ" (جھوٹی آرزوئیں، خام خیالیاں) کا ذکر ہے، اُن کو دوسرے مقامات پر بھی واضح کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اہل کتاب کی "اَمَانِیّ" (جھوٹی آرزوؤں) کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ٥﴾ (البقرۃ 2: 111)

"اور وہ (اہل کتاب) کہتے ہیں کہ جنت میں صرف یہودی جائیں گے یا عیسائی جائیں گے۔ یہ محض اُن کی آرزوئیں ہیں۔ (اے نبی ﷺ) آپ (ﷺ) اُن سے کہہ دیجیے: اگر تم سچے ہو تو اپنے اس دعوے کی دلیل پیش کرو۔"

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ؗ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ٥﴾ (المائدہ 5: 18)

"اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ "ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں" (اے نبی ﷺ) آپ (ﷺ) اُن سے پوچھیں، پھر اللہ تمہارے گناہوں پر تمہیں سزا کیوں دیتا ہے۔ نہیں، بلکہ تم بھی اُسی کے پیدا کیے ہوئے دوسرے انسانوں کی طرح کے انسان ہو۔ آخرت میں اللہ جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔ آسمانوں پر، زمین پر، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکمرانی ہے۔ اور سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

اسی طرح سورۃ الحدید میں منافقین کے بارے میں اُن پر جو فردِ جرم عائد کی گئی ہے اُن میں اُن کی "اَمَانِیّ" بھی شامل ہے جو اُن کو دوزخ میں لے جانے کا سبب بنے گی۔

﴿وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ٥﴾ (الحدید 57: 14)

"اور لیکن تم نے اپنے آپ کو گمراہی میں مبتلا کیا، تم انتظار کرتے رہے، شک میں پڑے رہے، تمہیں جھوٹی امیدوں نے دھوکے میں رکھا، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آن پہنچا اور بڑے دھوکے باز نے

Marfat.com

تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا دیا۔''

﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝۱۲۳﴾ (النساء: 123)

فرمایا، جو شخص برائی کرے گا وہ اُس کے انجام سے دوچار ہوگا۔ البتہ غم، پریشانی، بیماری اور مصیبتیں ایسی چیزیں ہیں جن کے ذریعے اُن لوگوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو صبر سے کام لیتے ہیں، توبہ کرتے ہیں، برائی سے بچتے اور نیکی کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ ورنہ مصائب و آلام میں بے صبری اور واویلا کرنے والوں اور نیکی کی طرف مائل نہ ہونے والوں کے لیے گناہوں سے معافی نہیں ہوتی۔

آخر میں فرمایا، برائی کرنے والوں کو اُن کے بُرے انجام سے بچانے والا کوئی نبی، ولی، یا کوئی اور حمایتی و مددگار نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا قانونِ مجازات و مکافات اُس کے بندوں پر بہر حال نافذ و جاری ہو کر رہے گا۔ نجات کا دارو مدار صرف ایمان اور اعمالِ صالحہ پر ہوگا۔

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝۱۲۴﴾ (النسآء: 124)

فرمایا: آخرت میں جھوٹی آرزوئیں، خوش عقیدگیاں اور خام خیالیاں کام نہ آئیں گی۔ وہاں ہر مرد اور عورت کے لیے صرف ایمان کام آئے گا اور نیک اعمال کام آئیں گے، جو اُسے جنت میں جانے کا حق دار بنائیں گے۔

وہاں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں 'نقیر' یعنی کھجور کی گٹھلی کے سوراخ کے برابر بھی کسی کی حق تلفی نہ ہوگی۔ جس کے جیسے اعمال ہوں گے ویسی جزا و سزا ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾

(الزلزال 99: 7-8)

''پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی، وہ اُسے دیکھ لے گا۔''

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝۱۲۵﴾ (النسآء: 125)

فرمایا: اُس شخص سے بڑھ کر کسی کا دین بہتر نہیں ہو سکتا جو اپنے چہرے اور شخصیت کو اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا دے۔ اُس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے۔ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کرے۔ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کرے اور ابراہیم علیہ السلام کے مذہب توحید کی پیروی کرے، جو موحد اور یکسو تھے اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل یعنی خاص دوست بنا لیا تھا۔

اس آیت میں مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ کے لیے پیغام ہے جن کا دعویٰ تھا کہ وہ سب ابراہیمی ہیں اور

Marfat.com

ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ قرآن نے تعریض کے اسلوب میں ان سب کو سمجھایا کہ تم صحیح ابراہیمی نہیں ہو اور نہ ٹھیک طور پر اُن کے دین پر ہو۔ ہاں ایک صورت میں تم سچے ابراہیمی بن سکتے ہو اور وہ یہ کہ تم شرک کو چھوڑ کر توحید کا عقیدہ اختیار کرلو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لاؤ۔ بدعات و اوہام چھوڑ کر اسلام کی تعلیمات اور اُس کے احکام کی پیروی کرلو۔ اگر تم نے ایسا کرلیا تو پھر تم سچے ابراہیمی بن جاؤ گے اور تمہارا ابراہیمی ہونے کا دعویٰ بھی سچا ثابت ہوگا۔ پھر تمہیں اللہ تعالیٰ بھی اپنا دوست بنالے گا اور آخرت میں تمہیں اپنی جنت میں داخل کرے گا۔

اس آیت کی ایک نظیر اس سے پہلے سورۂ البقرہ آیت 112 میں گزر چکی ہے۔ ایک اور نظیر یہ ہے:

﴿وَ مَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۝﴾ (لقمان 31 : 22)

”جو شخص اپنا رُخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس نے مضبوط رسی پکڑ لی۔ اور سارے کاموں کا نتیجہ اللہ کے پاس ہے۔“

﴿وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ﴿۱۲۶﴾﴾

(النسآء : 126)

فرمایا: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا اور پوری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کوئی شے اُس کی قدرت و دسترس سے باہر نہیں۔ سب کچھ اُس کے قابو میں ہے۔ ساری مخلوق اُس کے سامنے عاجز، کمزور اور بے بس ہے۔ اس لیے بندوں پر اُس کی اطاعت و عبادت لازم ہے۔ کیونکہ جب کوئی اور خالق نہیں ہے تو انسان سمیت ہر مخلوق کا کوئی اور معبود نہیں ہوسکتا۔ اگر ابراہیم علیہ السلام جیسے عظیم رسول اور معصوم عن الخطا نبی کو بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا تو عام گناہ گار انسانوں کو اپنی نجات کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کریں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ۝﴾

(النحل 16 : 52)

”اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اُسی کی اطاعت و عبادت کرنا لازمی ہے۔ پھر کیا تم اللہ کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو؟“

وَ یَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِیْهِنَّ ۙ وَ مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ فِیْ یَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا

Marfat.com

تُؤۡتُوۡنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرۡغَبُوۡنَ اَنۡ تَنۡكِحُوۡهُنَّ
وَ الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الۡوِلۡدَانِ ۙ وَ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلۡيَتٰمٰى
بِالۡقِسۡطِ ؕ وَ مَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيۡمًا ﴿۱۲۷﴾
وَ اِنِ امۡرَاَةٌ خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِهَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا
جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا ؕ وَ الصُّلۡحُ خَيۡرٌ ؕ
وَ اُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۲۸﴾ وَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا
بَيۡنَ النِّسَآءِ وَ لَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا
كَالۡمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا
رَّحِيۡمًا ﴿۱۲۹﴾ وَ اِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَ كَانَ
اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيۡمًا ﴿۱۳۰﴾

(النسآء: 127-130)

”(اے نبی ﷺ!) لوگ آپ (ﷺ) سے یتیم عورتوں سے نکاح کے بارے میں حکم پوچھتے ہیں۔ آپ (ﷺ) اُن کو بتا دیں کہ اللہ تمہیں اُن سے نکاح کی اجازت دیتا ہے اور پہلے بھی اجازت تھی۔ اور قرآن میں جو حکم پہلے سنایا جاچکا ہے وہ بھی یتیم عورتوں سے متعلق ہے...... جنہیں اُن کا مالی حق نہ دے کر تم اُن سے نکاح کر لینا چاہتے ہو...... اور بے سہارا یتیم بچوں کے حقوق کے بارے میں بھی پہلے حکم نازل کیا جاچکا ہے۔ اور یہ حکم بھی دیتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف کرو۔ اور تم جو بھلائی کرو گے، اللہ اُسے جانتا ہے۔

اور اگر کسی عورت کو اُس کے شوہر کی طرف سے بدسلوکی یا بے رُخی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ

Marfat.com

نہیں اگر وہ آپس میں کوئی صلح کرلیں کیونکہ صلح بہتر ہے۔ اگرچہ لالچ تو انسان کی طبیعت میں ہے۔
لیکن اگر تم اچھا سلوک کرو، خدا ترسی سے کام لو تو جو کچھ تم کرو گے، اللہ اُس سے باخبر ہے۔
اور تم اپنی بیویوں کو برابر نہیں رکھ سکتے اگرچہ تم ایسا کرنا چاہو۔ مگر ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ بالکل ایک ہی طرف جھک جاؤ کہ دوسری کو لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو۔ اگر تم اصلاح کرلو اور اللہ سے ڈرو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
لیکن اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ اپنے فضل سے ہر ایک کو دوسرے کی محتاجی سے بے نیاز کر دے گا۔ اور اللہ بڑی وسعت والا حکمت والا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

یَسْتَفْتُوْنَ: ......(ف ت ی) وہ فتویٰ/حکم/مسئلہ پوچھتے ہیں۔
اَلشُّحّ: ......اس کے معنی ہیں: بخل، لالچ، ہوس، خود غرضی اور مفاد پرستی جس سے دوسروں کی حق تلفی ہو۔
اَلْمُعَلَّقَة: ......(ع ل ق) لٹکائی گئی، لٹکی ہوئی۔

﴿وَ یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْہِنَّ ۙ وَ مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَہُنَّ مَا کُتِبَ لَہُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْہُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِہٖ عَلِیْمًا ﴿۱۲۷﴾﴾ (النساء: 127)

اس سورت کے آغاز میں عورتوں، یتیموں اور رشتہ داروں کے بارے میں احکام دیے گئے تھے۔ پھر درمیان میں اہل کتاب، منافقین اور جہاد کا ذکر آ گیا۔ اب دوبارہ اصل موضوع کی طرف کلام کا رُخ پھیر دیا گیا اور عورتوں، یتیموں اور کمزوروں کے بارے میں مزید تفصیلی احکام بیان کر دیے گئے۔

سب سے پہلے نبی ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ لوگ آپ ﷺ سے بعض عورتوں کے بارے میں فتویٰ اور حکم پوچھتے ہیں تو ان سے کہہ دیجیے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم بھی دیا جاتا ہے اور اس سے پہلے بھی یتیم عورتوں اور یتیم بچوں کے بارے میں احکام دیے جا چکے ہیں، جو اس سورت کے آغاز میں بیان ہوئے ہیں کہ تم لوگ وراثت میں سے نہ تو یتیم لڑکیوں کو اُن کا حصہ دیتے ہو اور نہ نابالغ لڑکوں کو۔ اب آیاتِ مواریث یعنی وراثت سے متعلق آیات نازل ہو جانے کے بعد ان یتیم لڑکیوں اور نابالغ لڑکوں کو بھی میراث میں سے اُن کا حصہ دو۔ کیونکہ اس سے پہلے تم صرف جوان لڑکوں کو باپ کی میراث میں سے حصہ دیتے تھے اور یتیم لڑکیوں اور نابالغ لڑکوں کو وراثت سے محروم رکھتے تھے۔

اب ذرا ایک نظر اِس سورت کی اُن ابتدائی آیات پر بھی ڈال لیجیے جن میں یتیموں کے بارے میں احکام بیان

Marfat.com

ہوئے ہیں:

﴿وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ
مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ
ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ
مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ
شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ
قِيٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى
اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَ لَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا
وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ
فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝﴾ (النساء 4: 2-6)

''اور یتیموں کا مال اُن کے حوالے کرو۔ اپنے خراب مال کو اُن کے اچھے مال سے نہ بدلو۔ یتیموں کا مال اپنے مال میں ملا کر نہ کھاؤ۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اُن سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند ہوں، دو سے، تین سے، یا چار سے۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ زیادہ بیویوں کی صورت میں اُن کے درمیان انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو، یا جو کنیز تمہاری مِلک میں ہو۔ اس طرح تم نا انصافی سے بچ سکتے ہو۔ اور بیویوں کو اُن کے مہر خوش دلی سے ادا کرو۔ اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تمہارے لیے چھوڑ دیں تو اسے ہنسی خوشی سے کھاؤ۔ اور وہ مال و دولت جسے اللہ نے تمہارے لیے قیام اور بقا کا ذریعہ بنایا ہے، اُسے نادان یتیموں کے حوالے نہ کرو۔ بلکہ اُس میں سے اُن کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرو اور اُن سے بھلی بات کہو۔ اُن کی سمجھ بوجھ کا جائزہ لیتے رہو، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو کر نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر اُن میں ہوشیاری دیکھو تو اُن کا مال اُن کے حوالے کر دو۔ ایسا نہ کرو کہ فضول خرچی کر کے جلدی سے اُن کا مال کھا پی جاؤ کہ جب وہ بڑے ہوں گے تو اپنا مال مانگیں گے۔ وہ مال دار جو کسی یتیم کا سرپرست ہو، اُسے چاہیے کہ یتیم کا مال اپنے اوپر خرچ نہ کرے۔ لیکن محتاج سرپرست اپنی حاجت کے مطابق کھا سکتا ہے۔ پھر جب اُن کا مال اُن کے حوالے کرو تو اس پر لوگوں کو گواہ بنا لو۔ ویسے حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے۔''

اب اسی سلسلے میں تم مسلمانوں کو مزید یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم یتیم عورتوں اور یتیم بچوں سے عدل و انصاف کا معاملہ

Marfat.com

کرو۔ اُن کو وراثت میں سے حصہ دو۔ اُن کی کفالت، پرورش اور سرپرستی کرو۔ یتیم لڑکیوں کے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالو۔ ان کے حق مہر کا مال نہ کھاؤ۔ اگر اُن کو خوبصورت دیکھ کر خود اُن سے نکاح کرو تو اُن کا حق مہر بھی ادا کرو۔ اُن کے ساتھ تم جو بھلائی اور حسن سلوک کرو گے، اُسے اللہ جانتا ہے اور وہ تمہیں اس کی جزا بھی دے گا۔

اس مقام پر بعض لوگوں نے "فِیْ یَتٰمَی النِّسَاءِ" (یتیم عورتوں کے بارے میں) کا ترجمہ "عورتوں کے یتیم" کیا ہے جو بے معنی اور مہمل ہے۔ پھر انہوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس آیت میں بھی اور سورۃ النساء کی آیت 3 میں بھی یتیم بالغ لڑکیوں سے نکاح کا ذکر نہیں ہے بلکہ یتیموں کی ماؤں سے نکاح کا ذکر ہے۔

ہم سمجھتے ہیں اوّل تو "یَتٰمَی النِّسَاءِ" (یتیم عورتیں) کا ترجمہ "عورتوں کے یتیم" کرنا عربیت اور شریعت دونوں کے خلاف ہے۔ جیسے ﴿صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (التحریم 66: 4) کا ترجمہ "نیک مومنین" کریں گے نہ کہ "مومنین کے نیک" جو کہ بے معنی ہو جائے گا۔

شریعت میں عورتوں کے بچے یتیم نہیں ہوتے بلکہ مردوں کے بچے یتیم ہوتے ہیں۔ شریعت کی نظر میں یتیم وہ نابالغ ہے جس کا باپ فوت ہو جائے نہ کہ وہ جس کی ماں فوت ہو جائے۔

دوسرے شریعت میں بیوہ عورتوں کے لیے الگ حکم ہے کہ وہ دوسری شادی کر سکتی ہے اور یتیم لڑکیوں کے لیے جدا حکم ہے۔ پھر عرب معاشرے میں بیوہ عورتوں کا مسئلہ درپیش نہ تھا بلکہ یتیم لڑکیوں کا تھا، جن سے ناانصافی ہوتی تھی اور جن کے بارے میں حکم ہے کہ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ (کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو) کہ تم نہ تو اُن کو وراثت میں سے حصہ دیتے ہو، نہ اُن کا کہیں اور نکاح کرتے ہو۔ اگر اُن کا کہیں نکاح کر بھی دیتے ہو تو اُن کے سرپرست بن کر اُن کے حق مہر کی رقم ہتھیا لیتے ہو۔ اگر وہ خوبصورت ہوتی ہیں تو اُن سے خود نکاح کر لیتے ہو، مگر اُن کے حق مہر اُن کو ادا نہیں کرتے ہو جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ:

﴿فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾
(النسآء 4: 127)

"جن یتیم لڑکیوں کو اُن کا مالی حق مہر نہ دے کر تم اُن سے نکاح کر لینا چاہتے ہو۔"

ظاہر ہے یہ الفاظ بوڑھی اور ادھیڑ عمر بیوہ عورتوں کے بارے میں موزوں نہیں ہو سکتے تھے۔

یتیموں کے بارے میں قرآن نے کئی مقامات پر بھی احکام دیے ہیں۔

سورۃ الانعام میں یتیموں کے مال کے بارے میں یہ حکم دیا:

﴿وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ (الانعام 6: 152)

"اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو۔ یہاں تک کہ وہ یتیم اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔"

Marfat.com

سورۃ البقرہ میں بھی یتیموں کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾

(البقرة 2: 220)

''اور (اے نبی ﷺ) لوگ آپ (ﷺ) سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ (ﷺ) کہہ دیجیے! جس میں اُن کا بھلا ہو، وہ کرنا بہتر ہے۔ اگر تم اُن کو اپنے ساتھ شامل کرلو، تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے کون اُن کا خیر خواہ ہے اور کون بد خواہ۔ اللہ چاہتا تو اس بارے میں تمہیں سخت احکام دیتا۔ بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

سورۃ الضحیٰ میں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر احسان جتاتے ہوئے فرمایا:

﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى﴾ (الضحی 93: 6)

''کیا اللہ نے آپ (ﷺ) کو یتیم نہیں پایا، پھر ٹھکانا دیا۔''

اور پھر یہ حکم دیا کہ کسی یتیم کو کبھی نہ ڈانٹیں:

﴿فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ (الضحی 93: 9)

''لہٰذا آپ (ﷺ) کسی یتیم کو نہ ڈانٹیں۔''

احادیث میں بھی یتیموں سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ ایک متفق علیہ حدیث ہے۔ سید سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهٗ، وَلِغَيْرِهٖ، فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا، وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى، وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا))

(صحیح بخاری، رقم: 5304۔ صحیح مسلم، رقم: 7469۔ ابو داؤد، رقم: 5150۔ ترمذی، رقم: 1918)

''میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا، خواہ وہ یتیم اُس کا عزیز رشتہ دار ہو، یا غیر رشتہ دار ہو، جنت میں اس طرح ہوں گے۔ اور آپ (ﷺ) نے شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ فرمایا اور پھر ان دونوں انگلیوں کے درمیان کچھ خلا رکھا۔''

﴿وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾﴾ (النسآء: 128)

فرمایا: اگر کسی بیوی کو اپنے شوہر کی طرف سے نشوز یعنی حق تلفی اور اعراض و بے رخی کا اندیشہ ہو تو ان حالات میں

Marfat.com

اُن کو آپس میں صلح کر لینی چاہیے تا کہ طلاق تک نوبت نہ پہنچے۔ کچھ ایثار و قربانی کے ساتھ باہم سمجھوتہ کر لیا جائے۔ کیونکہ صلح علیحدگی سے بہرحال بہتر ہے۔ خاوند ہو یا بیوی، اگرچہ ہر کسی کو فطری طور پر اپنا مفاد زیادہ عزیز ہوتا ہے اور وہ اپنے فرائض سے زیادہ اپنے حقوق پر زور دیتا ہے۔ لیکن اگر باہم حسن سلوک کیا جائے، تقویٰ اختیار کیا جائے اور ایثار و قناعت سے کام لیا جائے تو نباہ کی صورت نکل آتی ہے۔ اس معاملے میں مرد کو زیادہ عالی ظرفی، بلند حوصلگی اور کھلے دل کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے اور اُن کے مطابق تمہیں جزا و سزا دے گا۔

﴿وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۲۹﴾ (النسآء: 129)

یہ خاوندوں سے فرمایا: ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل و انصاف کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب سے دلی محبت بھی ایک جیسی ہو، کیونکہ ایسا ناممکن ہے اور کسی کے بس میں نہیں ہے۔ تم لوگ چاہو بھی تو ایسا نہیں کر سکتے۔ لیکن شریعت میں جو عدل و انصاف مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ سب کے ظاہری حقوق برابر ہوں۔ سب کی خوراک، لباس، رہائش اور اوقات میں برابری ہو۔ یہ اگر کر سکتے ہو تو ایک سے زیادہ چار تک بیویاں رکھ سکتے ہو ورنہ ایک ہی بیوی پر قناعت کرو جیسا کہ فرمایا: فَوَاحِدَةً (تو پھر ایک ہی بیوی ہو)۔

مگر ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ کسی ایک بیوی کو اس طرح رکھا جائے کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی معلقہ بن جائے کہ نہ اُسے اُس کے ظاہری حقوق ٹھیک طریقے سے دیے جائیں اور نہ اس سے میاں بیوی والا تعلق رکھا جائے۔ اُس کی یہ حالت نہ ہو جائے کہ وہ ایسی ہو جائے کہ جو نہ شادی شدہ رہے اور نہ طلاق یافتہ۔ بیویوں کے درمیان عدل و انصاف اور مساوات قائم رکھنے میں اگر کوئی کمی بیشی ہو رہی ہو تو اس کی اصلاح کر دینی چاہیے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ اگر کوئی کوتاہی ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف کر دے گا کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝۱۳۰﴾ (النسآء: 130)

فرمایا: پسندیدہ اور مطلوب تو یہی ہے کہ نکاح کا رشتہ و تعلق حتی الامکان قائم رکھا جائے اور اسے توڑا نہ جائے۔ طلاق اللہ کی نظر میں ایک ناپسندیدہ چیز ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ)) (ابو داؤد، رقم: 2178۔ ابن ماجہ، رقم: 2018)

”اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔“

لیکن اگر فریقین میں کوشش کے باوجود صلح صفائی نہ ہو سکے اور حالات کی مجبوری سے ناگزیر طور پر خاوند اور بیوی میں علیحدگی ہو جائے تو دونوں کو یقین رکھنا چاہیے کہ اگر وہ حقوق الزوجین تلف ہونے کے ڈر سے ایک دوسرے سے جدا

Marfat.com

ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا اُن سے وعدہ ہے کہ وہ اُن کے لیے ایسا انتظام فرما دے گا کہ دونوں کو ایک دوسرے سے بے نیاز اور مستغنی کر دے گا، اُن کو بہتر متبادل دے گا اور خوش حالی کی زندگی عطا فرمائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی نظر میں نکاح ایک ایسی چیز ہے جو عام طور پر مالی خوش حالی کا سبب بنتا ہے جیسا کہ سورۂ النور میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ‌ؕ اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ۝﴾ (النور 24: 32)

''اور تم میں سے جو بے نکاح ہوں اُن کا نکاح کر دو۔ اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہوں ان کا بھی نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اور اللہ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔''

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وَاسِعًا حَكِيۡمًا (وسعت کشادگی والا اور حکمت و دانائی والا) ہے۔ اُس کے ہاں کسی چیز کی کمی اور تنگ دامانی نہیں بلکہ ہر شے کی فراوانی ہے۔ وہ اپنی مخلوق کی روزی کا کفیل ہے۔ اپنے بندوں کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں کا اُن کو تصور بھی نہیں ہوتا۔ پھر وہ ایسا حکیم ہے جس کے ہر کام اور حکم میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ وَلَقَدۡ وَصَّيۡنَا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا
الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَاِيَّاكُمۡ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ‌ؕ وَاِنۡ تَكۡفُرُوۡا
فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا
حَمِيۡدًا ۝١٣١ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
وَكِيۡلًا ۝١٣٢ اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاۡتِ بِاٰخَرِيۡنَ‌ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيۡرًا ۝١٣٣ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ ثَوَابَ
الدُّنۡيَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا ۝١٣٤ ع ۱۹/۸ ۱۶

Marfat.com

(النسآء: 131-134)

''اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ ہم نے ان لوگوں کو بھی جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تمھیں بھی اس بات کی تاکید کی ہے کہ اللہ سے ڈرو۔ لیکن اگر تم کفر کرو گے تو یاد رکھو! آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کا ہے، اللہ بے نیاز ہے اور وہ ساری خوبیوں کا مالک ہے۔

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور بھروسے کے لیے اللہ کافی ہے۔

اگر وہ چاہے تم سب لوگوں کا خاتمہ کر دے اور تمھاری جگہ دوسروں کو لے آئے۔ اللہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔

جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہے اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے پاس دنیا کا ثواب بھی ہے اور آخرت کا بھی۔ لہٰذا اُس سے دونوں مانگو۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

آیات کی تفسیر:

﴿وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝۱۳۱﴾ (النسآء: 131)

اس سے پہلے یتیموں اور کمزوروں سے عدل و انصاف اور حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب اسی مناسبت سے یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کہ پوری کائنات کا خالق و مالک ہے اور بے نیاز ہے، اگر چاہتا تو خود یتیموں اور کمزوروں کی پرورش اور کفالت کا انتظام کر سکتا تھا لیکن اُس نے اپنے بندوں پر یہ ذمہ داری ڈال کر اُن کو نیک اعمال کرنے کا موقع دیا ہے کہ وہ یتیموں اور کمزوروں سے حسن سلوک کر کے اپنے رب کو راضی کر سکتے ہیں اور اس کے نتیجے میں آخرت میں جنت حاصل کر سکتے ہیں۔

پھر فرمایا: ہم نے اس سے پہلے اہل کتاب کو بھی اور اب تم مسلمانوں کو اس قرآن کے ذریعے تاکیدی حکم دیا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اُس کی نافرمانی سے بچو۔ اُس کے دیے ہوئے احکام کی ٹھیک ٹھیک پابندی کرو۔ لیکن اگر تم کفر و انکار کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو کیا پروا، وہ تو پوری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہ ہر شے سے بے نیاز ہے۔ اُسے تمھاری اطاعت و عبادت کی کوئی حاجت نہیں۔ اس کام کے لیے اُس کے ہاں فرشتوں کی کمی نہیں۔ وہ ہر حال میں تعریف کے لائق ہے، خواہ کوئی اُس کی تعریف کرے یا نہ کرے۔ وہ اپنی ذات میں حمید و محمود ہے۔

اس آیت میں دو مرتبہ ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ (اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) آیا ہے۔ پھر اگلی آیت میں بھی یہی الفاظ آئے ہیں۔ تین بار یہ عبارت لانے کا مقصد بندوں کو یہ

Marfat.com

سمجھانا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہ نہایت عظیم ہستی ہے جس کی نافرمانی سے بچنا نہایت ضروری ہے ورنہ وہ اپنے نافرمانوں کو سخت سے سخت سزا دینے پر قادر ہے۔

اسی آیت کے مضمون کو تصریف کے اسلوب میں دوسرے مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ آل عمران میں حج کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ (آل عمران 3: 97)

''اور جس نے (اِس حکم کو نہ مان کر) کفر کیا تو اللہ ساری دنیا سے بے نیاز ہے۔''

اسی طرح سورۂ ابراہیم میں موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ذکر ہوا کہ:

﴿وَ قَالَ مُوۡسٰۤی اِنۡ تَکۡفُرُوۡۤا اَنۡتُمۡ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ حَمِیۡدٌ﴾

(ابراھیم 14: 8)

''اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا تھا اگر تم کفر کرو اور زمین کے سارے لوگ کافر ہو جائیں جب بھی اللہ کو پروانہیں، وہ (ہر حال میں) بے نیاز اور تعریف کے لائق ہے۔''

سورۂ لقمان میں بھی یہی مضمون آیا ہے:

﴿وَ مَنۡ یَّشۡکُرۡ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ﴾ (لقمان 31: 12)

''اور جو شخص شکر کرتا ہے تو وہ اپنے لیے شکر کرتا ہے، اور جو ناشکری کرے گا تو اللہ بے نیاز اور خوبیوں والا ہے۔''

پھر سورۂ الزمر میں بھی اسی مضمون کو دہرایا گیا:

﴿اِنۡ تَکۡفُرُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنۡکُمۡ﴾ (الزمر 39: 7)

''اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک اللہ تم سے بے نیاز ہے۔''

صحیح مسلم میں ایک طویل حدیث قدسی کے آخری حصے میں ہے۔

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((...... یَا عِبَادِیْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَآخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْکُمْ مَا زَادَ ذٰلِكَ فِیْ مُلْکِیْ شَیْئًا . یَاعِبَادِیْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَآخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْکِیْ شَیْئًا . یَا عِبَادِیْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَآخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ قَامُوْا فِیْ صَعِیْدٍ وَاحِدٍ فَسَاَلُوْنِیْ فَاَعْطَیْتُ کُلَّ اِنْسَانٍ مَسْاَلَتَهٗ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِیْ اِلَّا کَمَا یَنْقُصُ الْمِخْیَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ . یَا عِبَادِیْ! اِنَّمَا هِیَ اَعْمَالُکُمْ اُحْصِیْهَا لَکُمْ ، ثُمَّ اُوَفِّیْکُمْ اِیَّاهَا . فَمَنْ وَجَدَ خَیْرًا فَلْیَحْمَدِ

Marfat.com

اللّٰہَ . وَمَنْ وَجَدَ غَیْرَ ذٰلِكَ ، فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَہٗ .)) (صحیح مسلم، رقم: 6572)

''اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور بعد کے انسان اور جن سب تم میں سے انتہائی پرہیزگار شخص کے دل کی طرح بن جائیں، جب بھی میری بادشاہی میں اس سے کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور بعد کے انسان اور جنّ سب تم میں سے انتہائی برے شخص کے دل کی مانند ہو جائیں، پھر بھی میری بادشاہی میں اس سے کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور بعد کے انسان اور جن سب ایک جگہ کھڑے ہوکر مجھ سے مانگیں اور میں ہر شخص کی مطلوبہ چیزیں اُسے دے دوں، پھر بھی میرے خزانے میں اتنی کمی نہ آئے گی جتنی سمندر میں سوئی سے آتی ہے جس کو سمندر میں ڈال کر نکال لیا جائے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لیے محفوظ رکھتا ہوں۔ پھر تمہیں اُن کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ لہٰذا جس کو اچھے کاموں کی توفیق ملے، اُسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور جو اپنے لیے برے اعمال پائے، اُسے صرف اپنے آپ کو ہی ملامت کرنی چاہیے۔

﴿وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ﴿۱۳۲﴾﴾ (النسآء: 132)

یہ تیسری مرتبہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین، ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ سب اُس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اُس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ ہر شے کی فراوانی ہے۔ آسمانوں اور زمین کے سارے خزانے اُسی کے پاس ہیں۔ وہی ساری کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ لہٰذا اُسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ اُسی سے مدد مانگنی چاہیے کیونکہ سارے اختیارات کا مالک صرف وہی ہے اور وہ بندوں کے تمام معاملات کا نگران ہے۔

اسی مضمون کے چند نظائر وشواہد یہ ہیں:

سورۂ النساء میں ہے:

﴿لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا٥﴾ (النسآء 4: 171)

''اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سب کا کارساز ہونے کے لیے اللہ کافی ہے۔''

پھر سورۂ الاحزاب میں ہے کہ:

﴿وَّ تَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا٥﴾ (الاحزاب 33: 3)

''اور اللہ پر بھروسا کیجیے! اللہ کارساز ہونے کے لحاظ سے کافی ہے۔''

﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْہِبْکُمْ اَیُّہَا النَّاسُ وَ یَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیْرًا ﴿۱۳۳﴾﴾ (النسآء: 133)

Marfat.com

فرمایا: ربِّ کائنات بے نیاز ہے۔ وہ کسی مخلوق کی اطاعت و عبادت کا محتاج نہیں۔ بندے اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت نہیں کریں گے تو اس میں اُن کا اپنا نقصان ہے۔ وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔ لیکن اگر وہ اُس کی اطاعت و عبادت کریں گے تو اس میں بندوں کا اپنا فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے اس پر قادر ہے کہ وہ کسی نافرمان قوم کا خاتمہ کر دے، اُسے صفحۂ ہستی سے مٹا دے اور اُن کی جگہ ایسے لوگوں کو پیدا فرما دے جو اُس کے سچے عبادت گزار اور اطاعت شعار بندے ثابت ہوں۔ اس آیت میں تنبیہ، ڈراوے اور انداز و ترہیب کا انداز پایا جاتا ہے۔

یہی مضمون تصریف آیات کے اسلوب میں سورۂ الانعام میں بھی آیا ہے:

﴿وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴾ (الانعام 6: 133)

''اور تمہارا رب بڑا بے نیاز اور بڑی رحمت والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو سب کو اٹھا لے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ لے آئے، جس طرح اُس نے تمہیں دوسروں کی نسل سے پیدا کیا۔''

پھر سورۂ ابراہیم میں بھی اسی مضمون کو دہرایا گیا:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴾ (ابراھیم 14: 19-20)

''کیا تم نہیں دیکھتے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو درست پیدا کیا۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر ڈالے اور تمہاری جگہ نئی مخلوق لے آئے۔ اور اللہ کے لیے یہ کام کچھ مشکل نہیں۔''

آگے سورۂ محمد ﷺ میں بھی یہی مضمون موجود ہے:

﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴾ (محمد 47: 38)

''اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔ اور اگر تم اللہ کے احکام سے منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا، جو تم جیسی نہ ہوگی۔''

پھر سورۂ التوبہ میں بھی اسی مضمون کو دہرایا گیا:

﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ڏ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَـيْــــًٔـا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (التوبۃ 9: 39)

''اگر تم (جہاد کے لیے) نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اور تم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔''

سورۂ فاطر میں بھی یہی مضمون موجود ہے:

Marfat.com

﴿اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ وَ یَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِیۡدٍo وَ مَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیۡزٍo﴾
(فاطر 35: 16-17)

"اگر وہ چاہے تمہیں فنا کردے اور تمہاری جگہ نئی مخلوق لے آئے۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔"

﴿مَنۡ كَانَ یُرِیۡدُ ثَوَابَ الدُّنۡیَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ۝۱۳۴﴾
(النسآء: 134)

فرمایا: جو کوئی اللہ تعالیٰ سے اپنے اعمال اور محنت و کوشش کا اجر و ثواب اسی دنیا ہی میں لینا چاہتا ہے تو اُسے مل سکتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ عارضی اور فانی ہوگا۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے دنیا کے ساتھ آخرت کا اجر و ثواب بھی مانگو جو بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی کمی نہیں۔ اُس کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا اجر و ثواب موجود ہے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی مجاہد صرف دنیا کے مالِ غنیمت کی خاطر جہاد کرتا ہے تو یہ اُس کی حماقت اور دناءت ہے۔ اُسے چاہیے کہ وہ جہاد کی خالص نیت کر کے دنیا اور آخرت دونوں کے اجر و ثواب کی امید رکھے۔ جس کے نتیجے میں اسے دنیا میں مالِ غنیمت بھی مل سکتا ہے اور آخرت میں جنت بھی مل سکتی ہے۔

قرآن مجید میں یہی مضمون تصریف کے اسلوب میں کئی جگہ بیان ہوا ہے۔ سورۂ البقرہ میں ہے:

﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا وَ مَا لَهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍo وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّ فِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِo اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ نَصِیۡبٌ مِّمَّا كَسَبُوۡا ؕ وَ اللّٰهُ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِo﴾
(البقرة 2: 200-202)

"پھر بعض لوگ یہ دعا مانگتے ہیں کہ "اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں سب کچھ دے دے!" ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور بعض یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور دوزخ کی آگ سے بچا۔ ایسے لوگوں کو اُن کی نیکیوں کا صلہ ملے گا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔"

اسی طرح یہی مضمون سورۂ الشوریٰ میں بھی ہے:

﴿مَنۡ كَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِیۡ حَرۡثِهٖ ۚ وَمَنۡ كَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا وَمَا لَهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِیۡبٍo﴾
(الشوریٰ 42: 20)

"جو شخص آخرت کی کھیتی چاہے گا، ہم اُس کی کھیتی میں برکت دیں گے۔ جو شخص صرف دنیا کی کھیتی چاہتا ہے، ہم اُسے اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔"

پھر سورۂ بنی اسرائیل میں بھی اسے تصریف کے اسلوب میں دہرایا گیا:

﴿مَنۡ كَانَ یُرِیۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِیۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِیۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ یَصۡلٰهَا

Marfat.com

مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿۱۸﴾ وَ مَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَۃَ وَ سَعٰی لَهَا سَعۡیَهَا وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعۡیُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَ هٰۤؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا ﴿۲۰﴾ اُنۡظُرۡ كَیۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ؕ وَ لَلۡاٰخِرَۃُ اَكۡبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكۡبَرُ تَفۡضِیۡلًا ﴿۲۱﴾

(بنی اسرائیل 17 : 18-21)

"جو شخص صرف دنیا کا طالب ہو، ہم اُسے اس میں سے جو دینا چاہیں، دے دیتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کے لیے جہنم رکھی ہے جس میں وہ داخل ہوگا بد حال ہوکر اور راندہ ہوکر۔ اور جو کوئی آخرت کا طلب گار ہو، اور اس کے لیے صحیح کوشش کرے اور وہ مومن بھی ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی۔ (اے نبی ﷺ) ہم ہر ایک کو آپ (ﷺ) کے رب کی نعمتوں سے نوازتے ہیں، خواہ کوئی دنیا کا طالب ہو یا آخرت کا! اور تیرے رب کی نعمتیں کسی پر بند نہیں ہیں۔ دیکھو! ہم نے دنیا میں لوگوں کو ایک دوسرے پر فوقیت دی ہے۔ لیکن آخرت اور بھی زیادہ بڑی ہے، درجے کے اعتبار سے اور فضیلت کے لحاظ سے۔"

آخر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے۔ وہ انسانوں کی ہر بات سنتا اور اُن کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔ لہٰذا بندوں کو چاہیے کہ وہ اپنے قول وفعل میں حد درجہ محتاط رہیں۔ اپنے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکالیں اور نہ کوئی ایسا فعل کریں جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَیۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۚ اِنۡ یَّكُنۡ غَنِیًّا اَوۡ فَقِیۡرًا فَاللّٰهُ اَوۡلٰی بِهِمَا ۟ فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰۤی اَنۡ تَعۡدِلُوۡا ۚ وَ اِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ﴿۱۳۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ الۡكِتٰبِ الَّذِیۡ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ وَ الۡكِتٰبِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ مَنۡ یَّكۡفُرۡ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۳۶﴾

Marfat.com

(النسآء: 135-136)

''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ یہ گواہی تمہیں اپنے خلاف، اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف دینی پڑے۔ مقدمے کا فریق مال دار ہو یا غریب ہو، اللہ تم سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے۔ ایسا نہ ہو خواہش نفس کی پیروی میں انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو۔ اگر تم لگی لپٹی بات کہو گے، یا حق بات سے منہ پھیرو گے تو یاد رکھو تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس سے باخبر ہے۔

اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ پر، اُس کے رسول (ﷺ) پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل کی اور اُن کتابوں پر جو پہلے نازل کی گئیں۔ اور جو کوئی ایمان نہ لائے اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

قَوّٰمِیْنَ: ......(ق و م) (انصاف کے لیے) قائم رہنے والے، (انصاف کے لیے) کھڑے ہونے والے۔ اس کا واحد ہے قَوَّامٌ۔

تَلْوٗٓا: ......(ل و ی) تم موڑتے، پھرتے ہو۔

تُعْرِضُوْا: ......(ع ر ض) تم اعراض کرو۔ منہ پھیر لو۔

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَ لَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا ۟ فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾ ﴾ (النسآء: 135)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے یہ فرمایا ہے کہ وہ ہر حال میں حق و انصاف پر قائم رہیں۔ ہمیشہ صحیح اور سچی گواہی دیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کے تمام اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ اور وہ اُن سے اس کا حساب لے گا۔

آیت کے اہم نکات یہ ہیں:

1۔ سب سے پہلے اہل ایمان کو مخاطب کر کے یہ حکم دیا گیا کہ تم عدل و انصاف پر قائم رہو اور اس کے علم بردار بن جاؤ۔ ہر ظلم کے خاتمے کے لیے انصاف کا جھنڈا بلند کرو اور ہر جگہ عدل و انصاف قائم کرو۔

2۔ پھر فرمایا: اللہ کے لیے انصاف کے گواہ بن جاؤ۔ ہر حال میں حق و انصاف کی بات کرو۔ صحیح اور سچی گواہی دو۔ غیر جانبدارانہ اور بے لاگ فیصلے کرو۔ عقیدے اور عمل کے اعتبار سے پورے دین کو اختیار کرو اور دنیا کے سامنے اس کی

Marfat.com

عملی شہادت پیش کرو۔ اسلام کا جیتا جاگتا اور سچا عملی نمونہ بن جاؤ۔

3۔ پھر فرمایا: تمہیں ہر حال میں عدل و انصاف اور سچی گواہی کا دامن تھام کر رکھنا ہے۔ کسی کی خاطر نا انصافی نہیں کرنی۔ کسی کے لیے جھوٹی گواہی نہیں دینی، خواہ اس سے تمہارے اپنے والدین، رشتہ دار، دوست احباب، یا کسی غریب یا امیر پر زد پڑے۔ تمہیں بہر حال انصاف کرنا ہے۔ ٹھیک گواہی دینی ہے۔ لگی لپٹی رکھے بغیر صاف بات کہنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر ایک سے بالاتر اور اہم ہے۔ وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے کہ اُسی کی اطاعت کی جائے۔ باقی سب اطاعتیں اُسی کی اطاعت کے تابع اور ماتحت ہیں۔

4۔ پھر فرمایا: خواہشات کی پیروی نہ کرو، ورنہ تم انصاف نہ کرسکو گے۔ اگر ذاتی مفاد پیش نظر ہوگا تو سچی گواہی نہیں دے سکو گے۔ صحیح فیصلہ نہ کرسکو گے۔ بلکہ تمہیں چاہیے کہ اللہ کی رضا اور اُس کی خوشنودی کے لیے سچی گواہی دو۔ انصاف کی کہو اور اس بارے میں کسی کی رُو رعایت نہ کرو۔

5۔ آخر میں فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ اس لیے وہ آخرت میں تم سے تمہارے اعمال کا حساب لے گا اور نافرمانی اور خلاف ورزی پر سزا دے گا۔

اس آیت کے مضمون کو تصریف آیات کے اسلوب میں سورۃ المائدہ میں بھی بیان کیا گیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝﴾ (المائدہ 5: 8)

''اے ایمان والو! اللہ کے لیے قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اِس پر نہ اُبھارے کہ تم انصاف نہ کرو۔ ہر حال میں انصاف کرو۔ یہی تقوے سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک وہ باخبر ہے اُس سے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا۝۱۳۶﴾ (النسآء: 136)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے انہیں ایمان پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے۔ ساتھ ہی یہ واضح کر دیا ہے کہ کفر سے بڑی کوئی اور گمراہی نہیں۔

سب سے پہلے ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم دیا گیا۔ یہ بظاہر عجیب سا لگتا ہے کہ ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم دیا جائے۔ دراصل اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والے اپنے ایمان میں پختہ ہو جائیں۔ وہ صحیح معنوں میں ایمان پر قائم ہوں اور ہمیشہ ثابت قدم رہیں۔ وہ پکے اور سچے مسلمان بن کر رہیں۔ ایمان کے لازمی تقاضوں کو پورا

Marfat.com

کریں۔ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ہر حکم کی اطاعت کریں۔ اور نافرمانی سے بچیں۔

جیسا کہ ''الکشاف'' میں ہے:

اٰمِنُوْا: اِثْبَتُوْا عَلَی الْاِیْمَانِ وَدُوْمُوْا عَلَیْهِ وَازْدَادُوْهُ۔ اور اٰمِنُوْا (ایمان لاؤ) کے معنی ہیں: ایمان پر ثابت قدم رہو، اسے ہمیشہ اختیار کرو اور اس میں اضافہ کرو۔

اسی طرح البرہان میں ہے کہ:

((اٰمِنُوْا: أی داوموا علی الایمان، اذ لو حُمِل علی ظاهره، لکان تحصیلاً للحاصل))

(البرهان للزرکشی)

''اٰمِنُوْا: (ایمان لاؤ) سے مراد ہے ایمان پر مداومت کرو۔ ایمان پر ہمیشہ قائم رہو۔ ورنہ اگر ظاہر الفاظ کو لیا جائے تو یہ تحصیل حاصل ہے اور بے فائدہ ہو کر رہ جاتا ہے۔''

آخر میں فرمایا: جو کوئی اللہ کا، اُس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا انکار کرتا ہے وہ پرلے درجے کا گمراہ ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا گمراہی ہوسکتی ہے کہ انسان اپنے خالق و مالک کو نہ پہچانے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے مگر اس کے فرشتوں کو نہ مانے، یا رسولوں پر ایمان رکھے مگر کتابوں کو نہ مانے، کتابوں کو مانے مگر آخرت کو نہ مانے تو اس کا ایمان معتبر نہیں ہے بلکہ ایسا عقیدہ کفر ہے۔ حتی کہ انبیاء و رسل میں سے کسی ایک نبی یا رسول کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ کامل اور معتبر ایمان صرف وہ ہے جس میں اسلام کے تمام ایمانیات و عقائد شامل ہوں۔

قرآن میں پانچ امور پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کے رسولوں پر، اُس کی کتابوں پر اور آخرت کے دن پر۔ لیکن صحیح حدیث (حدیث جبریل علیہ السلام) سے ثابت ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا بھی ایمان کے پیکج (Package) میں شامل ہے اور مسلمان ہونے کے لیے ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔

قرآن نے تصریف آیات کے اسلوب پر یہی مضمون درج ذیل مقامات پر بھی بیان کیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ہے:

﴿لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ﴾ (البقرة 2: 177)

''نیکی یہ نہیں کہ تم نے عبادت کے وقت اپنا منہ مشرق کی طرف کرلیا یا مغرب کی طرف۔ نیکی یہ ہے کہ لوگ ایمان لائیں اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر اور اُس کے نبیوں پر۔''

پھر اسی سورۃ البقرہ کے آخر میں فرمایا گیا:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ (البقرة 2: 285)

Marfat.com

''اللہ کا رسول اُس کلام پر ایمان رکھتا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوا۔ مسلمان بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر اور کہتے ہیں ہم کسی پیغمبر کا انکار نہیں کرتے۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ ع

(النسآء: 137-141)

''بے شک جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے۔ پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے۔ پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے، اللہ نہ انہیں بخشے گا اور نہ سیدھی راہ دکھائے گا۔

(اے نبی ﷺ!) منافقوں کو خوش خبری دیں اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں

Marfat.com

کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا وہ اُن کے ہاں سے عزت چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یاد رکھیں ساری عزت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اور دیکھو! اللہ اپنی کتاب میں یہ حکم نازل کر چکا ہے کہ جب تم سنو اور دیکھو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جارہا ہے اور اُن کا مذاق اُڑایا جارہا ہے تو تم اس مجلس سے اُٹھ جاؤ۔ اور جب تک اس طرح کی باتیں چھوڑ کر لوگ دوسری بات میں نہ لگ جائیں، اُن کے پاس نہ بیٹھو، ورنہ تم بھی اُن جیسے ہو جاؤ گے۔

بے شک اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ اکٹھا کرنے والا ہے۔ منافق انتظار میں رہتے ہیں اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح حاصل ہو تو کہتے ہیں ''کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے'' اور اگر کافروں کا پلہ بھاری رہے تو اُن سے کہتے ہیں ''کیا ہم تمہارے خلاف لڑنے پر قادر نہ تھے؟ پھر بھی ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچا نہیں لیا؟'' (اے مسلمانو!) اللہ تمہارے اور اُن منافقوں کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ اور وہ کافروں کو مومنوں پر کوئی راہ نہیں دے گا۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اِزْدَادُوْا: ......(ز ی د) وہ زیادہ ہوئے۔

یَخُوْضُوْا: ......(خ وض) وہ بحث کرتے ہیں، وہ فضول باتیں کرتے ہیں۔ اصل میں خَوْضٌ کے معنی ہیں پانی میں گھسنا۔ پھر اس سے ہر فضول گفتگو مراد لی جانے لگی۔

یَتَرَبَّصُوْنَ: ......(ر ب ص) وہ انتظار کرتے ہیں، منتظر ہیں۔

نَسْتَحْوِذْ: ......(ح و ذ) ہم غالب آئے، ہم نے قابو کر لیا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝١٣٧ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝١٣٨﴾ (النسآء: 137-138)

فرمایا: جو منافقین کبھی ایمان لاتے ہیں اور کبھی ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر کسی وقت ایمان لاتے اور اس کے بعد پھر کافر ہو جاتے ہیں۔ کبھی اپنے آپ کو مسلمانوں کا ساتھی ظاہر کرتے ہیں تو کبھی کفار کے دوست بنتے ہیں۔ اس طرح وہ کفر و اسلام کا کھیل کھیلتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ یاد رکھیں کہ ان کی یہ آنکھ مچولی اُن کے کفر میں اضافہ کر رہی ہے۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا اور نہ انہیں سیدھی راہ دکھائے گا۔ اُن کو راہ دکھائے گا تو جہنم کی راہ دکھائے گا جیسا کہ آگے اسی سورۃ النساء میں آرہا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝ اِلَّا طَرِيْقَ

Marfat.com

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴾ (النسآء: 168-169)

''بے شک جولوگ کافر ہوگئے اور انہوں نے ظلم کیے، اللہ اُن کو ہرگز نہ بخشے گا اور نہ انہیں راستہ دکھائے گا۔ سوائے جہنم کے راستے کے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ کے لیے ایسا کرنا آسان ہے۔''

﴿ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴾ (النساء: 139)

پھر فرمایا: ان منافقوں کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجیے۔ یہ وعید اور انذار کی بجائے بشارت اور خوش خبری دینے کا اسلوب اختیار کرنے میں اللہ تعالیٰ کے سخت غصے اور غضب کا اظہار ہے۔

پھر فرمایا: یہی منافقین ہیں جو مسلمانوں کے سامنے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر خفیہ طور پر کفار سے دوستی کی پینگیں بڑھاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کفر واسلام کے معرکے میں کفار ہی غالب آئیں گے کیونکہ مادی وسائل اور افرادی قوت کے لحاظ سے وہی زیادہ طاقت ور ہیں۔ اس لیے وہ کفار سے دوستی کرنے میں اپنی عزت وشوکت خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ عزت وشوکت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کفار کے پاس نہیں ہے۔ اگر منافقین عزت چاہتے ہیں تو سچے دل سے اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کرلیں۔ وہی اُن کو عزت وسرافرازی عطا فرمائے گا۔

جیسا کہ سورۃ المنافقون میں ہے کہ:

﴿ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (المنافقون 63: 8)

''اور وہ (منافقین سفر سے آتے ہوئے) کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینے واپس پہنچے تو جو عزت والے ہیں وہ ذلت والوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔ حالانکہ عزت (اور غلبہ) تو ہے ہی اللہ کے لیے، اس کے رسول (ﷺ) کے لیے اور اہل ایمان کے لیے، مگر منافقین نہیں جانتے۔''

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِھَا وَيُسْتَهْزَاُ بِھَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ﴾ (النسآء: 140)

فرمایا: اس سے پہلے قرآن میں اللہ تعالیٰ یہ حکم دے چکا ہے کہ اہل ایمان کو کسی ایسی مجلس میں نہیں بیٹھنا چاہیے جہاں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہو اور دین کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو۔ یہ اُس حکم کی طرف اشارہ ہے جو سورۃ الانعام میں آیا ہے:

Marfat.com

﴿وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝﴾

(الانعام 6: 68)

”اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں عیب نکالتے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ بات بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔“

پھر آگے اسی مضمون کو سورۃ الانعام ہی کی آیت 70 میں اس طرح بیان کیا گیا:

﴿وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ ذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ ۚ وَ اِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ۝﴾

(الانعام 6: 70)

”اور (اے نبی ﷺ) ایسے لوگوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنایا ہوا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ آپ (ﷺ) اُن کو قرآن کے ذریعے نصیحت کرتے رہیں تاکہ کوئی شخص اپنے کیے پر پکڑا نہ جائے، اس حال میں کہ اس کے لیے اللہ سے بچانے والا کوئی مددگار اور سفارشی نہ ہو۔ وہ اگر اپنی جان چھڑانے کے لیے دنیا بھر کا معاوضہ دے تو بھی اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے کیے پر گرفتار ہو گئے۔ ان کو پینے کے لیے کھولتا پانی ملے گا اور ان کو دردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ کافر تھے۔“

مدینے کے منافق لوگ کفار و مشرکین سے اور یہودیوں سے دوستی کرتے اور اُن کی مجلسوں میں بیٹھتے تھے جہاں قرآن کی آیتوں کا اور دین اسلام کا مذاق اُڑایا جاتا تھا۔ اُن کو تنبیہ کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ جس محفل میں دین حق اور قرآن کی آیات کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو، وہاں ایمان والوں کو ہرگز نہیں بیٹھنا چاہیے۔ اور اُس جگہ سے احتجاج کر کے اُٹھ جانا چاہیے۔ کیونکہ کسی مسلمان کی ایمانی غیرت یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ اُس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا، رسول اللہ ﷺ کا، یا دین اسلام کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اور وہ وہاں آرام سے بیٹھا رہے اور سب کچھ ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن مذاق اُڑانے والے کافروں اور منافقوں میں شمار ہوگا۔

Marfat.com

آخرت میں انہی کے ساتھ اُسے بھی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ ایسے شخص کا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا۔ لہٰذا اہل ایمان کو چاہیے کہ اوّل تو ایسی مجالس میں شرکت نہ کریں اور اگر کبھی اتفاق سے وہاں موجود ہوں تو اُس وقت تک وہاں بیٹھ سکتے ہیں جب کوئی عام گفتگو ہو رہی ہو۔ مگر جب دین کا مذاق اُڑایا جائے تو وہاں سے فوراً اُٹھ کر چلے جائیں۔

﴿اِلَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ ۚ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ ۖ وَ اِنْ کَانَ لِلْکٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ وَ نَمْنَعْکُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ فَاللّٰهُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾﴾ (النسآء: 141)

یہ مسلمانوں کو خطاب کر کے منافقین کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ تمہارے خیر خواہ نہیں ہیں بلکہ بدخواہ ہیں۔ ہر وقت اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کب تم مسلمانوں پر کوئی برا وقت آئے، گردشِ ایام سے تم پر کوئی مصیبت نازل ہو اور تمہیں دشمن کے ہاتھوں شکست ہو۔

اس میں "یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ" (وہ تمہارا انتظار کرتے ہیں) کے بعد "دَوَائِرَ" (گردشیں، گردشِ زمانہ، برا وقت) محذوف ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے:

﴿وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿﴾﴾ (التوبة 9: 98)

"دیہاتیوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو جرمانہ سمجھتے ہیں۔ تمہارے لیے زمانے کی گردشوں کے منتظر ہیں۔ حالانکہ برے دن خود اُن پر آنے والے ہیں۔ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔"

اور اس کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے اُن کو یہ کہلوایا گیا:

﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ ؕ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِکُمْ اَنْ یُّصِیْبَکُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَیْدِیْنَا ۖ٭ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَکُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿﴾﴾ (التوبة 9: 52)

"ان منافقین سے کہہ دیجیے! ٹھیک ہے تم ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک نہ ایک بھلائی کے منتظر رہو۔ مگر ہم تمہارے لیے منتظر ہیں کہ اللہ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیجے، یا پھر ہمارے ہاتھوں سے۔ اب تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔"

یہی منافقین جب دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی ہے تو فوراً کہتے ہیں: "اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ" (کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں؟) ہم بھی تمہاری طرح فاتح اور غازی ہیں، اس لیے ہمیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا جائے۔ اگر کبھی کفار کا پلّہ بھاری ہو جائے (جیسا کہ غزوۂ اُحد میں ہوا) تو اُن سے کہتے ہیں کہ تم ہماری تدبیروں کی وجہ سے

Marfat.com

مسلمانوں کی یلغار سے محفوظ رہے اور وہ ہماری چالوں کے سبب تم پر زور سے حملہ کر کے تمہیں زیادہ نقصان نہ پہنچا سکے۔ تم ہماری وجہ سے مسلمانوں پر غالب آئے ہو۔ ہم تمہارے لیے مسلمانوں کے خلاف ڈھال (Shield) بن گئے تھے۔ اُن کو تمہاری طاقت سے ڈراتے رہے تھے۔

اِس مقام پر مسلمانوں کے لیے 'فتح' اور کفار کے لیے 'نصیب' کا لفظ لایا گیا ہے۔ اِس میں مسلمانوں کے لیے فضل و اکرام ہے اور کفار کے لیے عارضی دنیوی مفاد کی طرف اشارہ ہے۔

پھر فرمایا کہ منافقین آج بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے اپنی باتوں کے ذریعے کام چلا رہے ہیں۔ مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان فیصلہ فرمائے گا کیونکہ وہ اُن کی خفیہ چالوں اور نیتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ آخر میں فرمایا:

﴿وَ لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا﴿۱۴۱﴾﴾ (النسآء: 141)

''اور اللہ تعالیٰ کافروں کو مومنوں پر غلبہ نہیں دے گا۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا نہ ہوگا کہ دلائل کے میدان میں کافروں کو مسلمانوں پر برتری حاصل ہو جائے۔ کفار باہم مل کر تمام اہل ایمان کا خاتمہ کر دیں اور دنیا سے اسلام کا نام و نشان مٹ جائے۔ ؏

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

کیونکہ دنیا اور آخرت میں اچھا انجام صرف اہل ایمان پرہیزگاروں کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی مدد اور نصرت کا وعدہ کر رکھا ہے۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَ ہُوَ خَادِعُہُمۡ ۚ وَ اِذَا قَامُوۡۤا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوۡا کُسَالٰی ۙ یُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَ لَا یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۱۴۲﴾ۙ مُّذَبۡذَبِیۡنَ بَیۡنَ ذٰلِکَ ٭ۖ لَاۤ اِلٰی ہٰۤؤُلَآءِ وَ لَاۤ اِلٰی ہٰۤؤُلَآءِ ؕ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۳﴾

(النسآء: 142-143)

''بے شک منافقین اللہ سے دھوکہ بازی کر رہے ہیں، جبکہ اللہ انہیں دھوکے بازی کی سزا دے گا۔

Marfat.com

جب وہ نماز کے لیے اُٹھتے ہیں تو سستی سے اٹھتے ہیں، لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ وہ ایمان اور کفر کے درمیان لٹک رہے ہیں۔ نہ اِدھر کے ہیں، نہ اُدھر کے۔ جسے اللہ گمراہ کر دے تم اُس کے لیے سیدھی راہ نہیں پا سکتے۔“

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

کُسَالٰی: ......(ک س ل) یہ کَسْلَانُ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: سست، کاہل۔

مُذَبْذَبِیْنَ: ......(ذ ب ذ ب) شک میں پڑے ہوئے، ڈانواں ڈول۔ (Double Minded)۔ اس کا مصدر ذَبْذَبَۃٌ ہے جو کہ رباعی ہے جس سے یہ لفظ اسم مفعول جمع مذکر ہے۔ اس کا واحد مُذَبْذَبٌ ہے۔

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ وَ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿۱۴۳﴾﴾ (النساء: 142-143)

فرمایا: یہ منافق لوگ زبان سے ایمان کا اظہار کر کے اور دل میں کفر و نفاق کو چھپا کر، نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکا اور فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ سبحانہٗ ان لوگوں کو ابھی مہلت اور ڈھیل دے رہا ہے لیکن آخرت میں اِن کو اِن کے اس دھوکے اور فریب کا بدلہ دے گا۔ پھر وہاں اُن کو وہ سزا دے گا جس کا ذکر آگے آیت 145 میں آ رہا ہے کہ اُن کو جہنم کے سب سے نچلے اور پست ترین طبقے میں ڈال کر دوسرے تمام دوزخیوں سے زیادہ عذاب دے گا۔

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ﴾

”بے شک منافقین اللہ تعالیٰ سے دھوکہ بازی کر رہے ہیں حالانکہ اللہ نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔“

اس میں وہی اسلوب ہے جیسے اِس کی مثال یہ ہے:

﴿وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ o﴾ (آل عمران 3: 54)

”اور انہوں (یہودیوں) نے ایک چال چلی اور اللہ نے بھی ان کے مقابلے میں چال چلی اور اللہ بہترین چالیں چلنے والا ہے۔“

یہ وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے سورۃ البقرہ کی آیت 9 میں بھی آ چکا ہے۔ وہاں بھی دیکھ لیا جائے۔

اِن منافقوں کا حال یہ ہے کہ نماز بھی سستی اور کاہلی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اسے اللہ کی عبادت سمجھ کر نہیں پڑھتے بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لیے ریاکاری کرتے ہیں۔ اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ کفر و ایمان کے درمیان لٹکے ہوئے اور

Marfat.com

متذبذب اور متردد ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ان میں سے کس کو چھوڑیں اور کسے اختیار کریں۔ وہ نہ اِدھر کے ہیں نہ اُدھر کے۔ ان کی حالت ایسی ہوگئی ہے کہ ؎

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے، کلیسا میرے آگے

ایک صحیح حدیث میں منافق کی اسی ذہنی کیفیت اور تذبذب (Double Mindedness) کو تمثیل کے انداز میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ اِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَّاِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً))

(صحیح مسلم، رقم: 7043)

"منافق کی مثال اُس متردد اور دو دِلی بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان ہو، کبھی اس طرف آتی ہے، کبھی اُس طرف جاتی ہے۔"

ظاہر ہے جو لوگ گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دیتے ہوں تو اُن کو اللہ تعالیٰ بھی گمراہی میں دھکیل دیتا ہے۔ لیکن جو شخص ہدایت کا طلب گار اور خواہش مند ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلے تو اللہ سبحانہٗ اُسے ضرور ہدایت عطا فرماتا ہے:

﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ (الشوریٰ 42: 13)

"اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کے لیے چن لیتا ہے، اور وہ ہدایت اُسے دیتا ہے جو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے۔"

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

(النسآء: 144)

"اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو اپنے خلاف اللہ کی کھلی حجت قائم کرالو۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

سُلْطٰنًا: ...... دلیل، حجت، غلبہ۔

مُبِيْنًا: ...... واضح، کھلا، صاف۔

Marfat.com

اس آیت میں اللہ سبحانہٗ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے حکم دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں ورنہ اللہ تعالیٰ اُن کو عذاب دے گا۔

کفار کو دوست نہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے دلی محبت نہ کی جائے۔ اُن کو اپنا راز دار نہ بنایا جائے۔ اُن سے دب کر اُن کے ساتھ دفاعی معاہدہ نہ کیا جائے۔ اُن کے حکموں پر نہ چلا جائے۔ اُن کے قوانین کو نہ اپنایا جائے۔ اُن کی پالیسیوں کو نہ اختیار کیا جائے۔ اُن کو اسلامی ملک میں کوئی پالیسی ساز عہدہ یا کلیدی منصب نہ دیا جائے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف ان کی مدد اور نصرت نہ کی جائے۔

یہی مضمون سورۂ آل عمران میں بھی بیان ہوا ہے کہ مسلمان کبھی کافروں کو اپنا راز داں اور دوست نہ بنائیں۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا یَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۚ وَمَا تُخۡفِیۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَكُمُ الۡاٰیٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝﴾ (آل عمران 3: 118)

"اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ وہ تم کو نقصان پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم مشکل میں پڑو۔ اُن کی دشمنی اُن کی باتوں سے ظاہر ہے اور جو بغض اُن کے دلوں میں ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو ہم نے تمہارے لیے تمام نشانیاں واضح کر دی ہیں۔"

پھر اسی سورۂ آل عمران میں مسلمانوں کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ وہ کفار کا کہنا نہ مانیں اور اُن کی باتوں اور حکموں پر عمل نہ کریں ورنہ نقصان اُٹھائیں گے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوا الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا یَرُدُّوۡكُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِكُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ ۝﴾ (آل عمران 3: 149)

"اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں اُلٹا کفر کی طرف پھیر دیں گے۔ پھر تم نقصان اٹھاؤ گے۔"

پھر آگے چل کر سورۂ المائدہ میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَهُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوۡلِیَآءَ ؔۘ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَمَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۝﴾ (المائدہ 5: 51)

"اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو انہیں دوست بنائے گا تو وہ اُنہی میں شمار ہوگا۔ بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

پھر سورۂ آل عمران میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ وہ کفار کو اپنا دوست نہ بنائیں:

Marfat.com

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝﴾

(آل عمران 3: 28)

"مسلمانوں کو چاہیے وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ جو ایسا کرے گا تو اللہ سے اُس کا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ اُن کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے کوئی تدبیر کر سکتے ہو۔ اللہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے۔ آخر تمہیں اللہ کے پاس حاضر ہونا ہے۔"

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ کفر اور اسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک آگ ہے تو دوسرا پانی ہے۔ ایک کی ترقی دوسرے کا زوال ہے۔ اسلام اللہ سبحانہٗ کا پسندیدہ دین ہے اور کفر وشرک کی راہ شیطان کی راہ ہے۔ اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص ایک طرف اللہ تعالیٰ کا دوست ہو اور اسلام سے محبت رکھتا ہو اور دوسری طرف وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے، شیطان سے اور کفر سے بھی محبت کرے۔ یہ تو کھلی منافقت اور دھوکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس بات کو گوارا نہیں کرتی کہ اس کے نام لیوا اس کے دشمنوں سے دوستی کی پینگیں بڑھائیں۔

سورۃ الممتحنہ کے آغاز میں ہے کہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ﴾

(الممتحنہ 60: 1)

"اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم اُن سے دوستی کا اظہار کرتے ہو، حالانکہ وہ اس دینِ حق کے منکر ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے۔"

اسی طرح سورۃ المجادلہ میں ہے کہ اہلِ ایمان کبھی بھی اللہ اور اُس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی نہیں کرتے خواہ وہ اُن کے اپنے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ﴾

(المجادلہ 58: 22)

"تم اُن لوگوں کو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کبھی اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کے مخالفوں سے دوستی کی پینگیں بڑھاتے نہ دیکھو گے، اگر چہ وہ اُن کے باپ، یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی یا اُن کے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں۔"

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اہلِ اسلام نے اپنے مسلمان بھائیوں کو چھوڑ کر غیر مسلموں سے جب بھی دوستی کا ہاتھ بڑھایا انہوں نے ہمیشہ نقصان اُٹھایا۔ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی مسلمانوں نے اہلِ اسلام کو

Marfat.com

چھوڑ کر کفار سے دوستی کی۔ اپنوں سے غداری کی تو نتیجہ تباہی اور ذلت کے صورت میں نکلا۔ اندلس کی سرزمین کا چپہ چپہ، بغداد کے درودیوار، افغانستان کے سنگلاخ پہاڑ اور ہندوستان کا ہر علاقہ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ مسلمانوں کے زوال اور اُن کی بربادی کا سب سے بڑا سبب اُن کی اپنی غداری اور کفار سے دوستی اور موالات تھی۔

افسوس! آج بھی مسلمانوں کے حکمرانوں نے اپنی یہ روش ترک نہیں کی اور غیروں سے دوستی کی اُن کی غلامی اختیار کرلی اور اغیار کی خوشنودی کے لیے امتِ مسلمہ کی جڑیں کھودنی شروع کردیں۔

آخر میں فرمایا کہ جب مسلمان اپنے بھائیوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستی کریں گے تو یہ ایک ایسا جرم اور گناہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ اُن کو کوئی بھی عبرت ناک سزا دینے کا حق رکھتا ہے۔

بعض مغرب زدہ لوگ اس آیت کے الفاظ ﴿مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ ''مومنین کے سوا'' کے معنی پہلے تو ''مومنین کے مقابل میں'' نکالتے ہیں۔ پھر اسے ایک قید یا شرط قرار دے کر اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کافروں سے دوستی اور موالات صرف اسی صورت میں منع ہے جب وہ ''مسلمانوں کے بالمقابل'' یا ''اُن کے مفاد و مصالح کے خلاف ہو۔'' ورنہ کفار سے موالات اور دوستی جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن کی معنوی تحریف ہے کیونکہ:

[1]......اول تو ﴿مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ میں ﴿مِنۡ دُوۡنِ﴾ کا ترجمہ ''کے مقابل میں'' یا ''بالمقابل'' ہی محلِ نظر ہے۔ کیونکہ اس کے صحیح معنی یہ ہیں: ''کے سوا'' یا ''کو چھوڑ کر''۔ جیسا کہ درج ذیل آیات سے واضح ہے۔

سورۃ التوبۃ میں اہل کتاب کے شرک کے حوالے سے فرمایا گیا:

﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَ رُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَ الۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ ۚ وَ مَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبۡحٰنَهٗ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ۝﴾ (التوبۃ 9: 31)

''انہوں نے اللہ کے سوا اپنے علماء اور مشائخ کو بھی رب بنا لیا، اور مسیح ابن مریم کو بھی رب بنا لیا۔ حالانکہ اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ جو پاک ہے اُس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔''

تو کیا اگر اہل کتاب نے اپنے احبار و رہبان کو اور مسیح علیہ السلام کو ''اللہ کے خلاف'' یا ''اللہ کے مقابل میں'' رب نہ بنایا ہوتا۔ بلکہ اس کی بجائے وہ اللہ تعالیٰ سے موافقت کر کے اور اس کے ''مفاد و مصالح'' کے لیے اُن کو اپنا رب بنا لیتے تو پھر ان کا یہ شرک جائز ہو جاتا؟ اور اس میں کوئی قباحت نہ رہتی۔

معلوم ہے کہ عیسائی قوم مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے مقابل میں معبود نہیں مانتی بلکہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی موافقت میں اس کا بیٹا مان کر معبود قرار دیتی ہے تو کیا یہ شرک پھر جائز ہو جائے گا؟

Marfat.com

یا جیسے سورۃ الاعراف میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں ہے کہ:

﴿وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَۃَ مَا سَبَقَکُمْ بِھَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۝
اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَھْوَۃً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ۝﴾

(الاعراف 7: 80-81)

''اور لوط (علیہ السلام)، جب اُس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم کھلی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی۔ تم اپنی بیویوں کو چھوڑ کر مردوں سے خواہش پوری کرتے ہو اور تم حد سے گزر جانے والے ہو۔''

تو کیا اس جگہ ﴿مِنْ دُوْنِ النِّسَآءِ﴾ ''عورتوں کے سوا، عورتوں کو چھوڑ کر'' کا ترجمہ ''عورتوں کے بالمقابل'' کیا جا سکتا ہے اور پھر اسے ایک شرط اور قید قرار دے کر یہ نتیجہ نکالنا درست ہو سکتا ہے کہ اگر عورتوں کے مفاد اور مصالح کے خلاف نہ ہوتا تو وہ بدفعلی جائز تھی اور اس میں کوئی قباحت نہ تھی۔

[2]...... پھر قرآن مجید میں کئی مقامات پر اہل کتاب اور غیر مسلموں سے دوستی اور موالات کی ممانعت کی گئی ہے اور وہاں ﴿مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ کی کوئی ''شرط یا قید'' نہیں لگائی گئی بلکہ مطلق طور پر اُن سے موالات اور دوستی ممنوع قرار دی گئی ہے۔

اُوپر اسی آیت کی تفسیر میں ہم نے اس کی مثالیں دے دی ہیں۔ دیکھیے: المائدہ 5:51، آل عمران 3:28، الممتحنہ 60:1۔

[3]...... قرآن نے صراحت کے ساتھ کفار کو مسلمانوں کا دشمن قرار دیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے:

﴿اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا۝﴾ (النساء 4: 101)

''بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔''

تو کیا دشمنوں سے دوستی اور موالات کسی حال میں بھی درست ہو سکتی ہے؟

رہا معاملہ کفار سے معاہدے کرنے کا تو یہ معاہدے اُن سے کیے جا سکتے ہیں لیکن اُن سے دوستی نہیں کی جا سکتی۔ معاہدے اور دوستی میں بہت فرق ہے۔ خود نبی ﷺ نے مشرکین اور اہل کتاب سے معاہدے کیے تھے مگر آپ ﷺ نے ان سے نہ دوستی کی تھی اور نہ اُن کو اپنا ولی بنایا تھا۔

اِس بات پر امتِ مسلمہ کا اتفاق اور اجماع ہے کہ کفار سے تجارت اور معاملات جائز ہیں مگر اُن سے دوستی اور موالات جائز نہیں۔

Marfat.com

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَ سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

(النساء: 145_147)

"بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور تم اُن کا کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ البتہ اُن میں سے جو توبہ کریں، اپنی اصلاح کرلیں، اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لیں، اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کرلیں تو ایسے لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے اور اللہ ایمان والوں کو بڑا اجروثواب دے گا۔ اگر تم لوگ شکرگزاری کرو گے اور ایمان لاؤ گے تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اللہ بڑا قدردان اور سب کچھ جاننے والا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَلـــدَّرْكِ: ......درجہ، طبقہ، اگر اوپر کا یا اُونچا طبقہ ہو تو وہ دَرَجَةٌ (درجہ) کہلاتا ہے اور اگر نیچے کا طبقہ ہو تو اسے دَرْكٌ (درک) کہتے ہیں۔

اَلْاَسْفَلِ:......سب سے نیچا، سب سے پست، پست ترین، یہ اعلیٰ کی ضد ہے اور اسم تفضیل ہے۔

شَــاكِرًا: ......(قدردان) جب شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو یا اُس کی صفت شاکر یا شکور بیان ہو تو پھر اس کے معنی قدردان کے ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

دیکھیے سورۃ البقرہ 2:158، فاطر 35:30، الشوریٰ 42:23، التغابن 64:17۔

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَ سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾﴾

(النساء: 145_147)

فرمایا، منافقین جو اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، جو نماز میں سستی اور کوتاہی کرتے ہیں، جو ریاکاری اور دکھاوا

Marfat.com

کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو کم ہی یاد کرتے ہیں اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ قیامت کے دن اُن کا ٹھکانا جہنم کا سب سے نچلا طبقہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کو کفار و مشرکین سے بھی زیادہ عذاب ہوگا۔ وہاں اُن کو عذاب سے چھڑانے والا کوئی مددگار نہ ملے گا۔

صحیح حدیث میں منافق کی چار نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَّمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا: اِذَا ائْتُمِنَ خَانَ، وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ.))

(صحیح بخاری، رقم: 34، صحیح مسلم، رقم: 210، ابو داؤد، رقم: 4688، النسائی، رقم: 5020، ترمذی، رقم: 2632، مسند احمد، رقم: 6768)

''جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ پکا منافق ہے۔ جس میں اُن میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو وہ منافقت کی خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں میں خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اُتر آئے۔''

لیکن جو منافق لوگ دنیا میں اپنے نفاق سے توبہ کر لیں۔ قولی اور عملی ہر طرح کی منافقت چھوڑ کر اپنی اصلاح کر لیں، اللہ تعالیٰ کا دامن مضبوطی سے تھام لیں اور اپنے دین کو یعنی اپنی اطاعت و عبادت کو صرف اللہ سبحانہٗ کے لیے مخصوص کر لیں اُن کو بھی ایسے مخلص اہل ایمان کی صفت میں شامل کر لیا جائے گا جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جنت کی صورت میں بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

جنت کی عجیب و غریب نعمتوں کے بارے میں ایک حدیث قدسی ہے۔ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ. وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ.))

(السجدہ 32: 17، صحیح بخاری، رقم: 3498، صحیح مسلم، رقم: 7132، ترمذی، رقم: 3197، ابن ماجہ، رقم: 4328)

''میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے (جنت میں) ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ اُن کا خیال بھی کسی انسان کے دل و دماغ میں کبھی آیا۔ اگر تم چاہو تو یہ

Marfat.com

(قرآنی آیت) پڑھ لو: ﴿فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۝﴾ (السجدہ: 17:32) (کسی کو کیا خبر کہ نیک لوگوں کے لیے اُن کے اعمال کے صلے میں آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے!)۔"

آخر میں منافقین سے التفات کے اسلوب میں فرمایا کہ تمہیں عذاب دینے میں اللہ تعالیٰ کا کیا فائدہ ہے! اُسے نہ کسی کو ثواب دینے سے نقصان ہوتا ہے اور نہ عذاب دینے سے فائدہ۔ وہ تو بے نیاز ذات ہے۔ یاد رہے کہ اس آیت میں مَا (کیا) استفہام تقریری کے لیے آیا ہے۔

مگر یہ اس کے عدل وانصاف کا تقاضا ہے کہ وہ منافقوں اور نافرمانوں کو عذاب دے۔ لیکن اگر یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے ایمان لے آئیں تو اللہ سبحانہٗ اُن کو کبھی عذاب نہ دے گا۔ بلکہ اُن کے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا اور اُن کے ایمان لانے اور شکر بجا لانے پر اُن کو بہت زیادہ اجر وثواب بھی دے گا۔ ان کی چھوٹی نیکیوں کو بھی قبول فرمائے گا۔ کیونکہ وہ نیکیوں کا قدر دان بھی ہے اور علم والا بھی ہے اور جانتا ہے کہ کون صحیح ایمان رکھتا ہے اور کون کتنا شکر گزار ہے۔

اس آیت میں شکر کو ایمان سے پہلے بیان کر کے اسے مقدم رکھا گیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ شکر کا جذبہ ہی ایمان کا اولین سرچشمہ ہے۔ جب ایک باشعور آدمی سمجھتا ہے کہ اس کا ایک خالق اور رب ہے جس نے اسے زندگی عطا کی ہے اور بے شمار نعمتوں سے بھی نوازا ہے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے لیے شکر واحسان اور تشکر وامتنان کا جذبہ اُبھرتا ہے۔ پھر جب اسے اپنے منعم حقیقی کی پہچان اور معرفت حاصل ہوتی ہے تو وہ اس پر ایمان بھی لے آتا ہے اور ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں پر زیادہ سے زیادہ شکر کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا چونکہ شکر کا جذبہ ہی ایمان کا سرچشمہ اور منبع ہے اس لیے اس کو ایمان پر تقدم حاصل ہے۔ اس کے علاوہ اہل علم جانتے ہیں کہ عربی زبان میں ویسے بھی واو (وَ) کے ساتھ ترتیب کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ اس کی مثالیں خود قرآن مجید میں موجود ہیں۔ جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ایک مقام پر ایمان سے پہلے تقوے کو دوبار مقدم رکھا گیا ہے:

﴿لَیۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیۡمَا طَعِمُوۡۤا اِذَا مَا اتَّقَوۡا وَّ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوۡا وَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ اتَّقَوۡا وَّ اَحۡسَنُوۡا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۝﴾

(المائدہ 5: 93)

"جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے۔ اگر انہوں نے اس حکم سے پہلے کوئی ناجائز چیز کھا پی لی، تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ اب وہ اس سے بچتے ہوں، ایمان رکھتے ہوں اور نیک عمل کرتے ہوں۔ یا انہوں نے اس سے پرہیز کر لیا اور وہ ایمان رکھتے ہوں۔ یا انہوں نے تقوے کے ساتھ نیکی کے کام بھی کر لیے۔ اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

Marfat.com

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

(النساء: 148-149)

"اللہ کو پسند نہیں کہ تم کسی کی برائی بیان کرتے پھرو، البتہ مظلوم کو ظالم کے خلاف ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اگر تم کسی نیکی کو ظاہر کرو، یا چھپاؤ، یا کسی برائی سے درگزر کرو تو اللہ معاف کرنے والا قدرت رکھنے والا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَلْجَهْرَ:...... زور سے کہنا، بولنا۔ اس کے اصل معنی ہیں: دیکھنے یا سننے میں کسی چیز کا بالکل ظاہر ہونا۔

تُبْدُوْا:...... (ب د ی) تم ظاہر کرو۔ یہ اصل میں تُبْدُوْنَ تھا۔

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾﴾

(النساء: 148)

فرمایا، اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ لوگ ایک دوسرے کی برائیاں سرِ عام سب کے سامنے بیان کرتے پھریں، یا ایک دوسرے کے عیوب و نقائص کا برملا اظہار کرتے رہیں۔ دوسروں پر الزام تراشیاں کریں اور اُن پر کیچڑ اُچھالیں اور برے لوگوں کے اسکینڈل کا عام چرچا کریں۔ کیونکہ اس سے معاشرے میں نفسیاتی طور پر بالواسطہ اور بلاواسطہ برائی پھیلتی ہے۔ ایک دوسرے سے نفرت جنم لیتی ہے، جو دشمنی میں بدل کر فتنہ و فساد کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

اس سیاقِ کلام میں اہل ایمان کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ کفار و منافقین کی اخلاقی اور دوسری برائیوں کو بھی سرِ عام بیان نہ کرتے پھریں۔ البتہ مظلوم شخص کے بارے میں رخصت اور اجازت ہے کہ وہ ظالم کے خلاف آواز اُٹھا سکتا ہے، احتجاج کر سکتا ہے اور کسی سے فریاد کر سکتا ہے کیونکہ ظلم کو اگر برداشت کر لیا جائے تو اس سے ظلم اور بڑھتا ہے جو کہ سخت برائی اور گناہ ہے، جسے روکنے کے لیے اُس کے خلاف بھرپور مزاحمت ہونی چاہیے۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ سمیع و علیم ہے۔ وہ سنتا اور جانتا ہے۔ کہ کون کس نیت سے اور کیوں دوسروں کی برائی بیان کر رہا ہے۔ اس میں وہ کس حد تک حق بجانب ہے، یا محض الزام تراشی کر رہا ہے، اور اللہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون اُس کے احکام پر عمل کرتا ہے یا نہیں کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ لوگوں کے اعمال کے لحاظ سے اُن کو جزا و سزا دے گا۔

﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾﴾

Marfat.com

(النساء:149)

فرمایا تم جو نیکی بھی علانیہ یا پوشیدہ طور پر کرو گے، یا کسی کا قصور معاف کر دو گے، یا برائی کے جواب میں بھلائی کرو گے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی اپنے بندوں سے درگزر کرتا ہے، حالانکہ وہ اس پر قادر ہے کہ گناہ اور نافرمانی پر سخت سزا دے سکتا ہے۔ لہٰذا تم بھی ایک دوسرے کے قصور معاف کر دیا کرو تا کہ اللہ سبحانہ بھی تمہارے گناہ معاف کر دے۔ اگر تم دوسروں کے قصور معاف نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ سے یہ توقع کیسے رکھتے ہو کہ وہ تمہارے قصوروں کو معاف کرے۔ جیسا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں سورۃ النور میں ہے کہ:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ط وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ط أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ط وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ o﴾

(النور24: 22)

''اور تم میں سے جو لوگ فضل والے اور خوش حال ہیں وہ اِس بات کی قسم نہ کھائیں کہ اپنے رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مالی امداد نہ کریں گے۔ بلکہ انہیں چاہیے کہ بیچاروں کو معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

ایک متفق حدیث ہے:

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ .))

(صحیح بخاری، رقم: 7376۔ صحیح مسم، رقم: 6030۔ ترمذی، رقم: 1922)

جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ بھی اُس پر رحم نہیں کرتا۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ .))

(ابوداود، رقم: 4941۔ ترمذی، رقم: 1924)

''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔''

اس حدیث کے مضمون کو.......... اردو زبان کے ایک شاعر نے اس طرح باندھا ہے:

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

Marfat.com

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا
بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ
وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِينَ
آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ
يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٥٢﴾ ع ۲۱ ۱۱

(النساء: 150 تا 152)

”بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ رسولوں کو چھوڑ کر صرف اللہ کو مانیں، اور کہتے ہیں ”ہم بعض رسولوں کو مانتے ہیں بعض کو نہیں مانتے“ اور وہ چاہتے ہیں کہ کفر اور اسلام کے درمیان کوئی اور راہ نکالیں، ایسے لوگ پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور انہوں نے کسی رسول کا انکار نہ کیا، اللہ انہیں اُن کا اجر دے گا اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

آیات کی تفسیر:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿١٥١﴾﴾ (النساء: 150-151)

فرمایا، کفار دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو دہریے اور ملحد ہیں، جو نہ کسی نبی اور رسول کو مانتے ہیں، نہ اللہ تعالیٰ کو اور نہ کسی مذہب و دین کو۔ ایسے لوگ بھی کافر ہیں۔ موجودہ زمانے کے ملحد اور دہریے (Atheists) ان میں شامل ہیں۔ دوسرے وہ کافر ہیں جو بعض نبیوں اور رسولوں کو مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے، جیسے یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں مگر عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے۔ یا جیسے نصاریٰ جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہیں کرتے۔ ایسے لوگ تفریق بین الرسل (بعض رسولوں کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا) کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ اگرچہ اپنے آپ کو مومن کہیں مگر قرآن نے ان کو بھی کافر شمار کیا ہے بلکہ پکے کافر کہا ہے

Marfat.com

کیونکہ ایک نبی کا انکار بھی تمام انبیاء کے انکار کے مترادف اور ہم معنی ہے۔

قرآن نے ان دونوں قسم کے کافروں کے بارے میں بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جہنم کا ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہی مضمون اس سے پہلے سورۃ البقرہ آیت 36 اور 285 کی تفسیر میں آ چکا ہے۔ اسے وہاں بھی دیکھ لیا جائے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾ (النساء: 152)

اُوپر کفار کی دو قسموں کے بعد مومنین کا ذکر ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے تمام انبیاء و رسل پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ کے کسی ایک نبی یا رسول کا بھی انکار نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ وہ اللہ کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور آخرت کے دن پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ایمان کے اس پورے پیکج (Package) کو مانتے ہیں صرف وہی صحیح ایمان والے ہیں۔ یہی لوگ آخرت میں اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب پائیں گے۔ ایمان والوں کے لیے اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے اور وہ ان کے گناہ بخش دے گا۔

اس مقام پر کفار کے لیے یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾ (وہ لوگ وہی حقیقی کافر ہیں۔) مگر ان کے مقابل میں جب ایمان والوں کا ذکر کیا تو ان کے لیے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ (وہ لوگ وہی حقیقی مومن ہیں) نہیں فرمایا۔ اس میں یہ نکتہ پوشیدہ ہے کہ اس طرح یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ نیک اعمال کے بغیر بھی کامل ایمان حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لیے اعمالِ صالحہ ضروری نہیں ہیں اور ان کو چھوڑا بھی جا سکتا ہے اور اس کے باوجود مومن کامل بنا جا سکتا ہے۔ لیکن قرآن نے دوسری جگہ جہاں ایمان کے ساتھ نیک اعمال کرنے والوں کا ذکر کیا ہے، وہاں اُن کو سچے اور حقیقی مومن ہونے کا اعزاز بھی دے دیا ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝﴾

(الانفال 8 : 2-4)

"ایمان والے وہ ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔ جب اللہ کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے اور حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں، بخشش ہے اور عزت کی روزی۔"

Marfat.com

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ
سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ
الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ
الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَ اٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾
وَ رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَ قُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ
سُجَّدًا وَّ قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا
غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ قَتْلِهِمُ
الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا
بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ
بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ ۙ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ
الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا
اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ
عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ
مَوْتِهٖ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ ۚ

(النسآء: 153-159)

”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) اہل کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن پر آسمان سے

Marfat.com

کوئی تحریر نازل کرادیں پھر وہ آپ ﷺ کو سچا نبی مانیں گے۔ مگر اس سے پہلے وہ اس سے بھی بڑا مطالبہ موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے ہیں کہ "ہمیں اللہ سامنے لا کر دکھا دیں۔ ان کی اس زیادتی کی وجہ سے ان پر آسمان سے بجلی گری۔ انہوں نے کھلی نشانیاں آجانے کے بعد بھی بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ اس کے باوجود ہم نے درگزر کیا۔ اس کے علاوہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو واضح غلبہ عطا کیا۔

اور ہم نے ان لوگوں سے عہد لینے کے لیے ان کے اوپر کوہِ طور کو اٹھایا۔ ہم نے انہیں حکم دیا کہ دروازے سے سر جھکاتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ ہم نے ان سے کہا کہ سبت یعنی ہفتے کے دن کے بارے میں نافرمانی نہ کرنا اور ہم نے ان سے پکا وعدہ لیا تھا۔ پھر ہم نے ان کو سزا دی ان کی وعدہ خلافی کی، اللہ کی نشانیوں کا انکار کرنے کی، نبیوں کو ناحق قتل کرنے کی اور ان کے اس دعوے کی کہ "ہمارے دل تو غلافوں میں بند ہیں۔ حالانکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، اس لیے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ اور انہیں سزا ملی ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا بہتان لگانے پر اور اس دعوے پر کہ ہم نے اس مسیح علیہ السلام کو قتل کر دیا جو عیسیٰ ابن مریم تھے اور اللہ کے رسول تھے۔ حالانکہ انہوں نے ان کو نہ قتل کیا اور نہ سُولی دی، بلکہ یہ معاملہ ان کے لیے مشکوک ہوگیا۔ اور جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ اس بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں، انہیں اس کا کوئی علم نہیں۔ وہ صرف وہم وگمان کے پیچھے چلتے ہیں۔ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام لوگوں پر گواہ کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

لَا تَعْدُوْا:......(ع د و) نہ تم زیادتی کرو۔

بُهْتَانًا: ......(ب ہ ت) جھوٹا الزام۔ ایسی جھوٹی بات جس کسی کے بارے میں کہی جائے تو وہ مبہوت (ہکا بکا) ہو کر حیران رہ جائے۔

صَلَبُوْا:......انہوں نے سولی/ پھانسی دی۔

شُبِّهَ:......(ش ب ہ) وہ مشتبہ/مشکوک ہوگیا۔

﴿يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾﴾

Marfat.com

(النساء: 153)

یہ مدینے کے یہودیوں نے نبی ﷺ سے مطالبہ کیا تھا کہ اگر آپ ﷺ بھی ہمیں اسی طرح کی کوئی لکھی ہوئی کتاب آسمان سے نازل شدہ دکھا دیں جیسے موسیٰ علیہ السلام پر تختیوں کی شکل میں لکھی لکھائی توریت نازل ہوئی تھی...... تو ہم بھی آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اُن سے فرمایا کہ تمہارا یہ مطالبہ محض ضد اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہے ورنہ تم جو توریت کو ماننے کے دعوے دار ہو، تم لوگوں ہی نے توریت کو بھی ماننے سے انکار کیا تھا، جب موسیٰ علیہ السلام اسے لے کر تمہارے پاس آئے تھے۔ اُلٹا تم نے اُن سے یہ مطالبہ کر دیا تھا کہ پہلے ہم کو اللہ ہمارے سامنے لا کر دکھا دو اور وہ یہ بھی کہے کہ میں نے یہ توریت نازل کی ہے تو پھر ہم مانیں گے، ورنہ نہیں مانیں گے۔ اِس پر موسیٰ علیہ السلام تمہیں اللہ دکھانے کے لیے کوہِ طور پر لے گئے۔ وہاں تم پر آسمانی بجلی گری، تم مر گئے اور موسیٰ علیہ السلام بھی بے ہوش ہو گئے۔ پھر انہوں نے ہوش میں آنے کے بعد تمہارے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دوبارہ زندہ کر دیا۔

اِس کے بعد تم نے موسیٰ علیہ السلام کے صریح معجزات دیکھ لینے کے باوجود بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ اس پر بھی ہم نے توبہ کرنے والوں کو معاف کر دیا۔

آخر میں فرمایا کہ: ﴿وَ اٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾﴾ کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اس کے دشمنوں اور مخالفوں پر غلبہ فرمایا، جو عقلی دلائل اور معجزات دونوں کے ذریعے عطا ہوا تھا اور فرعون اور اس کی قوم سمندر میں غرق ہو گئی تھی۔

اِس میں اِس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نبی ﷺ کو بھی عنقریب اپنے مخالفین پر غلبہ نصیب ہوگا اور آپ ﷺ کے دین کو فروغ حاصل ہوگا۔

قرآن نے دوسرے مقامات پر یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ فرمائشی معجزے دکھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ نہ ماننے والے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ چنانچہ مشرکینِ قریش کے مطالبے کے جواب میں سورۃ الانعام میں فرمایا گیا:

﴿وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ○﴾ (الانعام 6: 7)

”اور اگر ہم آپ ﷺ پر کوئی ایسی کتاب نازل کرتے جو کاغذ پر لکھی ہوتی اور یہ لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے جب بھی کافروں نے یہی کہنا تھا ”یہ کھلا جادو ہے۔“

اسی طرح بنی اسرائیل میں بھی ہے کہ:

﴿وَ مَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَ اٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَ مَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا○﴾ (بنی اسرائیل 17: 59)

”ہم فرمائشی نشانیاں اور معجزے اس لیے نہیں بھیجتے کہ پہلے لوگوں نے بھی ان کو جھٹلا دیا۔ ہم نے قوم

Marfat.com

ثمود کو اونٹنی کی نشانی دی مگر انہوں نے اسے ہلاک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ نشانیاں اور معجزے تو ہم صرف ڈرانے اور خبردار کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔''

اس لیے مدینے کے یہودیوں کا یہ مطالبہ پورا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کہ اُن کو آسمان سے کوئی لکھی لکھائی کتاب نازل کر کے دکھائی جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ کیونکہ وہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں، صرف ہٹ دھرمی اور کٹ حجتی کے لیے ایسا مطالبہ کرتے ہیں۔

﴿وَ رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَ قُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾﴾ (النساء: 154)

یہ بھی یہودیوں کے جرائم کی تفصیل ہے کہ ان لوگوں سے عہد لینے کے لیے ان کے سروں کے اوپر کوہِ طور بلند کیا گیا۔ ان کو ایک شہر اُریحا کی فتح کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے دروازے سے سجدہ ریز ہو کر عاجزانہ طور پر داخل ہونے کا حکم دیا تو انہوں نے اس پر عمل نہ کیا۔ ان کو سبت یعنی ہفتے کے دن کا احترام ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا کہ اس دن مچھلیوں کا شکار نہ کرنا مگر ان لوگوں نے اس حکم کی بھی خلاف ورزی کی (الاعراف 163:7) ان سے ہر نبی اور رسول کے ذریعے اطاعت کا عہد لیا گیا مگر انہوں نے ہمیشہ سرکشی، عہد شکنی اور وعدہ خلافی کی۔ یہودیوں کی اس فردِ جرم کا کچھ ذکر سورۃ البقرہ (آیات 57,56,52 تا 61) میں بھی آ چکا ہے۔

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ قَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾﴾ (النساء: 155)

یہ مزید تفصیل ہے یہودیوں کی نافرمانیوں کی اور اُن کے جرائم کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اور اپنے انبیاء و رسل سے اطاعت کا عہد کر کے اُسے توڑتے رہے۔ اللہ عزوجل کے احکام سے انکار کرتے رہے، انہوں نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو ناحق قتل کیا۔ ان کو ہدایت کی بات سنائی جائے تو کہہ دیتے ہیں ہمارے دل محفوظ ہیں۔ ہمارے عقیدے پختہ ہیں کسی اور کی دعوت کا ہم پر اثر نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ ان کے دلوں پر اللہ سبحانہٗ نے اُن کے کفر اور سرکشی کی وجہ سے مہر لگا دی ہے اور ان میں سے کم ہی ایمان لائیں گے۔

اِس میں نبی ﷺ اور اہلِ ایمان کے لیے بھی تسلی اور اطمینان کا پہلو ہے کہ جو قوم اپنے خاندان کے نبیوں اور رسولوں کو شہید کر دیتی رہی ہے، جس نے اپنی کتابِ توریت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے اور اُسے پس پشت ڈال رکھا ہے وہ حضرت محمد ﷺ پر اور قرآن پر ایمان لانے کے لیے کیسے آمادہ ہو گی؟ اس لیے ان کے ایمان نہ لانے سے ہرگز پریشان اور غمگین نہیں ہونا چاہیے۔

﴿وَ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾﴾ (النساء: 156)

یہ بھی یہودیوں کے مزید جرائم بیان کیے گئے کہ انہوں نے ایک تو اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لا کر کفر کیا اور

Marfat.com

دوسرے وہ نبی ﷺ پر ایمان نہ لانے کے حیلے بہانے تراشتے ہیں اور کہتے ہیں: ﴿قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ "ہمارے دل غلافوں میں محفوظ ہیں۔" پھرانہوں نے پاک دامن کنواری مریم علیہا السلام پر بدکاری کا جھوٹا بہتان لگا دیا۔

یہود کے یہ سب گناہ اور جرائم ایسے ہیں جن کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اُن پر غضب نازل کیا اور وہ مغضوب قوم ٹھہری۔

﴿وَ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝﴾

(النساء: 157-158)

یہ بھی یہودیوں کے ایک بڑے جرم وگناہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی ناپاک کوشش کی اور اپنے خیال میں اُن کو پھانسی بھی دے دی۔

اِس میں یہودیوں کی طرف سے عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے مسیح، پھر عیسیٰ، پھر ابن مریم اور پھر رسول اللہ ﷺ کہنے کا مقصد سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کو معین طور پر ظاہر کرنا ہے کہ ہم نے اصلی اور حقیقی عیسیٰ علیہ السلام ہی کو قتل کیا تھا۔

مگر قرآن نے یہودیوں کے اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انہوں نے نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ سولی دی، بلکہ یہ سارا معاملہ اُن کے لیے مشکوک اور مشتبہ ہو گیا۔ اس بارے میں خود عیسائی لوگ بھی اختلافات کا شکار ہیں۔ ان کو بھی اس کی اصل حقیقت معلوم نہیں۔ وہ صرف وہم وگمان کے پیچھے چلے ہیں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ پیلاطس بادشاہ کی عدالت میں عیسیٰ علیہ السلام کو پیش کیا گیا اور اُن پر یہ جھوٹا الزام لگایا گیا کہ وہ عوام کو اُن کے مذہب سے برگشتہ اور گمراہ کرتے ہیں۔ اس پر اُن کو موت کی سزا سنائی گئی اور اس موقع پر ایک ڈاکو کو بھی پھانسی کی سزا سنائی گئی پھر یہودیوں کے کہنے پر ڈاکو کی سزائے موت تو معاف ہوگئی مگر عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دینے کے لیے شہر سے باہر لے جایا گیا۔ لیکن راستے ہی میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ حالت میں جسم وروح کے ساتھ اُوپر آسمان پر اٹھالیا۔ اس کے بعد یہودیوں نے آپ کے ایک ہم شکل آدمی کو پھانسی دے کر یہ سمجھ لیا کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا دیا ہے۔

بعد میں عیسائیوں میں اس معاملے پر شدید اختلافات پیدا ہو گئے اور آج تک ان پر اصل حقیقت مشتبہ اور مشکوک رہی ہے۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے وہ جو کام کرنا چاہتا ہے، کرنے پر قادر ہے۔ اُس کے حکم میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ وہ ایسا غالب ہے جو کسی سے مغلوب ومقہور نہیں ہو سکتا اور اُس کے ہر کام میں بہرحال کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے اور کوئی خاص مقصد کارفرما ہوتا ہے اور رفع عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ بھی اسی قسم کا ہے۔

﴿وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝﴾

Marfat.com

(النساء: 159)

مطلب یہ ہے کہ جب قیامت کے قریب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اُتریں گے تو اُس وقت کے موجود تمام اہل کتاب...... یہود ونصاریٰ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی وفات سے پہلے اُن پر ضرور ایمان لے آئیں گے۔

اس بارے میں چند احادیث یہ ہیں:

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا، فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ، وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ، حَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.“ ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ رضي الله عنه: فَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾.))

(النساء 4: 159، صحیح بخاری، رقم: 3448، صحیح مسلم، رقم: 389_390، ترمذی، رقم: 2233)

”اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عنقریب ابن مریم علیہ السلام (عیسیٰ علیہ السلام) تمہارے درمیان ایک عادل حاکم کے طور پر نازل ہوں گے۔ وہ صلیب توڑ دیں گے، خنزیر کو مار ڈالیں گے، جزیہ ختم کر دیں گے۔ مال کی اتنی ریل پیل ہوگی کہ اسے لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ ایک سجدہ دنیا اور اُس کی ہر چیز سے بہتر ہوگا۔ پھر سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو: ﴿وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾.)) (النساء 4: 159) ”اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے اُن پر ایمان نہ لائے۔“

اسی طرح صحیح مسلم میں سیّدنا حذیفہ بن اُسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت اُس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک اس سے پہلے اُس کی دس نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں اور ان میں سے ایک ((نُزُوْلَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ.)) ”عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا“ شامل ہے۔

(صحیح مسلم، رقم: 7285، ابو داؤد، رقم: 4311، ترمذی، رقم: 2183)

بعض لوگ جو رفعِ عیسیٰ علیہ السلام (آسمان پر زندہ اُٹھایا جانا) کو نہیں مانتے اور صحیح احادیث کے منکر ہیں وہ قرآن کے الفاظ ﴿قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ ”اُس کی موت سے پہلے۔“ میں ضمیر کا مرجع اہل کتاب کو قرار دیتے ہیں اور اس سے مراد لیتے ہیں کہ موت کے وقت ہر یہودی اور عیسائی پر عیسیٰ علیہ السلام کے سچے نبی ہونے کی حقیقت ظاہر کر دی جاتی ہے مگر اُس وقت اُس کا ایمان لانا معتبر اور مقبول نہیں ہوتا۔

لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ صحیح احادیث کی موجودگی میں اِس تاویل کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ حدیث قرآن کی تشریح کر دیتی ہے۔

Marfat.com

آخر میں فرمایا کہ قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں پر گواہ کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔

اسی سورۃ النساء کی آیت 41 میں ہے کہ قیامت کے دن ہر نبی اپنی امت پر گواہ ہوگا کہ اس نے دنیا میں اس تک اللہ تعالیٰ کا پیغام صحیح طور پر پہنچا دیا تھا، کون اُن میں سے ایمان لائے اور کس کس نے کفر وانکار کیا تھا۔

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (النساء 4: 41)

''پھر اُس دن کیا حال ہوگا جب سب لوگ جمع ہوں گے اور ہم ہر اُمت میں سے ایک نبی کو گواہ لائیں گے اور اے نبی (ﷺ) ہم آپ (ﷺ) کو ان پر گواہ بنا کر کھڑا کریں گے۔''

پھر سورۃ المائدہ میں اسی گمراہی کے حوالے سے عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان قیامت کے دن ہونے والا مکالمہ یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝﴾ (المائدہ 5: 166_119)

''اور اللہ پوچھے گا ''اے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا مجھ کو اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنا لو؟'' وہ جواب دیں گے ''تو پاک ہے۔ میرا کام نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو تجھے ضرور معلوم ہوگا۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ بے شک تو ہی غیب کی باتیں جاننے والا ہے۔ میں نے اُن سے وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا...... یہ کہ صرف اللہ کی عبادت کرنا جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ میں اُن پر گواہ تھا جب تک اُن میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو اُن پر تو ہی نگران تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔ اب اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر ان کو معاف کر دے تو بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔''

اللہ فرمائے گا ''آج وہ دن ہے کہ سچوں کو اُن کا سچ کام آئے گا۔ اُن کے لیے ایسے باغ ہیں جن میں

Marfat.com

نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔
یہی ہے بڑی کامیابی!۔''

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَ
بِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ۙ﴿۱۶۰﴾ وَّ اَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدۡ نُهُوۡا
عَنۡهُ وَ اَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ
عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ
يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ وَ الۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ
وَ الۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ
سَنُؤۡتِيۡهِمۡ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۶۲﴾ ع

(النساء: 160۔162)

''یہودیوں کے جرائم کی وجہ سے ہم نے کئی پاک چیزیں اُن پر حرام کردیں جو پہلے اُن کے لیے حلال تھیں۔ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے، اور سود لیتے تھے، جبکہ اس سے اُن کو منع کیا گیا اور وہ ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے تھے۔ ہم نے اُن میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کررکھا ہے۔

مگر اے نبی (ﷺ!) ان میں سے جو لوگ علم میں پختہ اہل ایمان ہیں، وہ ایمان رکھتے ہیں اس کتاب پر جو آپ (ﷺ) پر نازل ہوئی اور اُن کتابوں پر بھی جو آپ (ﷺ) سے پہلے نازل ہوئیں۔ وہ نماز کے پابند ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہم ضرور بڑا اجر دیں گے۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اَلْمُقِيْمِيْنَ: ......(نماز قائم کرنے والے) یہ اصل میں ''اَلْمُقِيْمُوْنَ'' تھا۔ لیکن ''عَلٰى سَبِيْلِ الْمَدْحِ'' یا عَلٰى سَبِيْلِ الْاِخْتِصَاصِ'' رفعی حالت سے نصبی حالت میں ہوگیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اُن کی خاص اہمیت کو ظاہر کرنے اور اُن کی تحسین کرنے کے لیے ایسا ہوا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت 177 میں ''اَلصّٰبِرِيْنَ'' (صبر کرنے

Marfat.com

والے) کا لفظ آیا ہے جو اصل میں "اَلصّٰبِرُوْنَ" (صبر کرنے والے) تھا:

﴿وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ﴾ (البقرۃ 2: 177)

"اور جب وہ وعدہ کریں تو اسے پورا کریں۔ کوئی مالی پریشانی یا جسمانی تکلیف ہو تو صبر کریں اور جہاد میں ثابت قدم رہیں۔"

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾﴾ (النساء: 160_161)

اُوپر سے یہودیوں کا قصہ چلا آ رہا ہے کہ وہ اسلام قبول نہیں کرتے، اُلٹا بے جا مطالبے اور فرمائشیں کرتے ہیں۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ یہودیوں کے ظلم، سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے بعض "طیبات" یعنی پاکیزہ اور مفید چیزیں بھی حرام کر دیں تھیں جیسے تمام ناخنوں والے جانور حرام کیے گئے اور گائے اور بکری کی چربی بھی ان پر حرام کی گئی۔ اس کی تفصیل سورۃ الانعام آیت 144 میں موجود ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی سرکشی اور نافرمانی پر اللہ تعالیٰ اُن کو جو سزائیں دیتا ہے اُن میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اُن کو بعض نہایت مفید، بابرکت اور پاکیزہ چیزوں سے بھی محروم کر دیتا ہے۔

پھر یہودیوں کے بعض گناہوں کا ذکر کیا گیا۔ ایک یہ کہ وہ نہ تو خود اللہ تعالیٰ کی راہ پر یعنی دین حق پر چلتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی دین حق پر چلنے سے روکتے تھے۔

یاد رہے کہ دورِ جدید میں بھی جتنی لادین تحریکیں اٹھی ہیں، یا گمراہ کن فلسفے گھڑے گئے ہیں، یا جنگ و جدال کے واقعات ہوئے ہیں ان سب کے پیچھے بھی یہودی ذہن اور سازش کارفرما ہے۔

پھر یہودیوں کو سود کھانے سے منع کیا گیا تھا مگر وہ سود کی کمائی کھاتے تھے۔ توریت میں اس کی ممانعت اب تک موجود ہے۔ اس کے علاوہ وہ دوسروں کا مال باطل اور ناجائز طریقوں سے ہڑپ کر جاتے تھے۔

آخر میں فرمایا کہ جو یہودی پکے کافر ہو چکے ہیں ان کے لیے ہم نے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

قرآن نے اسی مضمون کی کچھ وضاحت تصریفِ آیات کے اسلوب میں دوسرے مقام پر کر دی ہے:

﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۫ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○﴾ (الانعام 6: 146)

Marfat.com

''اور یہودیوں کے لیے ہم نے سارے ناخن والے جانور حرام کیے تھے۔ اس کے علاوہ گائے اور بکری کی چربی حرام کی، سوائے اُس چربی کے جو اُن کی پیٹھ یا انتڑیاں پر لگی ہو، یا کسی ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ یہ ہم نے اُن کو سزا دی اُن کی سرکشی پر اور ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔''

﴿لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾﴾ (النساء: 162)

کافر یہودیوں کے بعد اب سچے علمائے یہود اور مخلص یہودیوں کا ذکر ہے جو پہلی آسمانی کتابوں کو بھی مانتے تھے اور قرآن کے نزول کے بعد اس پر بھی ایمان لے آئے۔ ایسے لوگ نماز کے پابند، زکوٰۃ دینے والے اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر سچا ایمان رکھتے ہیں۔ ان میں عبداللہ بن سلام، کعب الاحبار اور بعض لوگ شامل تھے۔ ان نیک سیرت اور صالح لوگوں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں اجر عظیم سے نوازے گا اور اُن کو اپنی نعمت بھری جنت میں داخل فرمائے گا۔

یہ قرآن حکیم کا وہ منصفانہ طرز عمل ہے جو وہ اپنے مخالفین کی مذمت کرنے کے ساتھ ہی اُن میں سے جو نیک اور ایمان دار افراد ہوتے ہیں اُن کی مدح وستائش اور تعریف وتحسین بھی کرتا ہے۔ اہل کتاب کے بارے میں بھی قرآن کا یہی رویہ ہے۔ اُس نے اُن کے غلط کار لوگوں کی تنقیص ومذمت کرنے کے بعد اُن کے نیکوکار افراد کی تحسین وتعریف فرمائی ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے:

﴿لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ (آل عمران 3: 113-114)

''سب اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں۔ ان میں ایک گروہ سیدھی راہ پر ہے۔ وہ راتوں کو اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور اسی کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ یہی نیک لوگ ہیں۔ وہ جو نیکی کریں گے، اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔''

اسی طرح آل عمران ہی میں جہاں اہل کتاب کے بددیانت افراد کا ذکر کیا ہے وہاں اُن کے دیانت دار لوگوں کی تعریف وتحسین کی ہے:

﴿وَمِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْھُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَاۗىِٕمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ

Marfat.com

سَبِیۡلٌ ۚ وَ یَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ (آلِ عمران 3: 75)

''اہل کتاب میں دیانت دار بھی ہیں۔ اگر تم ان کے پاس مال و دولت کا ڈھیر بھی امانت کے طور پر رکھ دو تو مانگنے پر لوٹا دیں گے۔ لیکن ان میں ایسے بد دیانت بھی ہیں کہ ان کے پاس اگر ایک دینار امانت رکھو تو تمہیں واپس نہیں کریں گے، جب تک تم اُن کے سر پر سوار ہو کر ان سے وصول نہ کر لو۔ یہ ذہنیت اُن میں اس لیے پیدا ہوئی کہ وہ کہتے ہیں غیر اہل کتاب کا حق مار دینے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں۔ حالانکہ وہ جان بوجھ کر اللہ کے بارے میں ایسی جھوٹی بات کہتے ہیں۔''

اِنَّاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ کَمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی نُوۡحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ۚ وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَ عِیۡسٰی وَ اَیُّوۡبَ وَ یُوۡنُسَ وَ ہٰرُوۡنَ وَ سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۱۶۳﴾ۚ وَ رُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰہُمۡ عَلَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ وَ رُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡہُمۡ عَلَیۡکَ ؕ وَ کَلَّمَ اللّٰہُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا ﴿۱۶۴﴾ۚ رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰکِنِ اللّٰہُ یَشۡہَدُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکَ اَنۡزَلَہٗ بِعِلۡمِہٖ ۚ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَشۡہَدُوۡنَ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا ﴿۱۶۶﴾ؕ

(النساء: 163-166)

''(اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ (ﷺ) کی طرف اُسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح ہم نے نوح (علیہ السلام) اور اُن کے بعد کے نبیوں کی طرف وحی بھیجی تھی۔ اور جس طرح ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب (علیہم السلام)، اولادِ یعقوب (علیہ السلام)، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کی طرف وحی بھیجی تھی اور ہم نے داوٗد (علیہ السلام) کو زبور دی۔ ہم نے ایسے رسول بھیجے جن کا حال ہم آپ (ﷺ) کو پہلے سنا چکے ہیں اور ایسے رسول بھی جن کا حال ہم نے آپ (ﷺ) کو نہیں

Marfat.com

سنایا۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ نے خوب کلام کیا۔

اللہ نے رسولوں کو خوش خبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجا تا کہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ جو کچھ اُس نے نازل کیا ہے اُسے اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے، اور فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں اور اللہ گواہی کے لیے کافی ہے۔"

آیات کی تفسیر:

﴿اِنَّآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ كَمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ۚ وَ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ يَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَ عِيۡسٰى وَ اَيُّوۡبَ وَ يُوۡنُسَ وَ هٰرُوۡنَ وَ سُلَيۡمٰنَ‌ۚ وَ اٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا‌ۚ﴾ (النساء: 163)

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے یہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کیا ہے جس طرح ہم نے اس سے پہلے نوح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اولادِ یعقوب، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی تھی اور جیسے ہم نے داوٗد علیہ السلام کو زبور نامی کتاب وحی کی تھی۔ ہم کسی گمراہ قوم کے مطالبے پر اُن کے لیے کوئی حِسّی کتاب معجزے کے طور پر نازل نہیں کرتے جو آسمان سے اُترتی ہوئی اُن کو نظر آئے اور وہ اپنے ہاتھوں سے اُسے چھو لیں اور ٹٹول سکیں۔ بلکہ ہم اپنے نبیوں اور رسولوں کی طرف خود وحی و کتاب اُتار دیتے ہیں، جسے اہلِ حق تو مان لیتے ہیں مگر اہلِ باطل نہیں مانتے۔

- انبیاء و رُسل کے ذکر میں نوح علیہ السلام کا تذکرہ سب سے پہلے اس لیے کیا گیا کہ وہ پہلے نبی اور رسول ہیں جن پر پہلی باقاعدہ شریعت نازل ہوئی تا کہ وہ اپنی مشرک اور گمراہ قوم کی اصلاح کر سکیں۔

اس طرح زبور کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے کیونکہ اہل کتاب کے ہاں اس کتاب کی خاص اہمیت ہے، اس کتاب کی نظیر یہ آیت بھی ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰٓى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ‌ؕ كَبُرَ عَلَى الۡمُشۡرِكِيۡنَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَيۡهِ‌ؕ اَللّٰهُ يَجۡتَبِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ‏﴾

(الشوریٰ 42: 13)

"اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اُس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا۔ اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم!) اُسی دین کی وحی ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف کی۔ اُسی پر چلنے کا حکم ہم نے ابراہیم،

Marfat.com

موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو! لیکن اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مشرکین کو وہ بات بہت ناگوار ہے جس کی طرف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بلا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، اور ہدایت اسے دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔''

﴿وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۚ﴾ (النساء: 164)

فرمایا ہم نے اس قرآن میں بعض پیغمبروں اور رسولوں کا ذکر کر دیا ہے لیکن کچھ کو بیان نہیں کیا۔ موسیٰ علیہ السلام تو وہ نبی ہیں جن سے اللہ سبحانہٗ نے خوب کلام کیا۔

قرآن نے دوسرے مقامات پر واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں نبی اور رسول بھیجے تھے

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾

(النحل 16 : 36)

''اور ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر اِس دعوت کے ساتھ بھیجا کہ ''اے لوگو! ایک اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔''

ایک اور جگہ پر فرمایا:

﴿وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ (فاطر 35 : 24)

''اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا (نبی) نہ آیا ہو۔''

اسی طرح سورۂ یونس میں فرمایا:

﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ﴾ (یونس 10 : 47)

اور ہر اُمت کے لیے ایک رسول ہے۔''

سورۃ الرعد میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا:

﴿اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (الرعد 13 : 7)

''بے شک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف خبردار کرنے والے ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے بھی ہر قوم میں ایک ہادی اور رہنما (نبی) ہو گزرا ہے۔''

یہ نکتہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ قرآن نے صرف انہی انبیاء و رُسل کا ذکر کیا ہے جن کو اہلِ عرب جانتے تھے یا جن کے بارے میں آسانی سے دوسرے لوگوں مثلاً اہلِ کتاب کے ذریعے جان سکتے تھے تاکہ اُن کے حالات و واقعات سے ضروری استدلال اور استشہاد کیا جا سکے اور اُن کو دلیل بنا کر پیش کیا جائے۔ کیونکہ نامعلوم اور اجنبی پیغمبروں کے حوالے سے کوئی دلیل نہیں لائی جا سکتی تھی۔ ورنہ یہ سوال اُٹھایا جاتا کہ پہلے ان پیغمبروں کا وجود ثابت کرو کہ وہ کون تھے اور کہاں

Marfat.com

تھے ہم تو اُن کو نہیں جانتے۔

پیغمبروں کے ذکر کے آخر میں پھر موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ اس لیے کیا گیا کہ اُن کو حضرت محمد ﷺ سے خاص مماثلت ہے۔ دونوں سے اللہ تعالیٰ نے خوب کلام کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر اور حضرت محمد ﷺ نے معراج کی رات کو آسمان پر۔ پھر دونوں کو با قاعدہ شریعت کی حامل کتابیں دی گئیں۔ ایک کو توریت اور دوسرے کو قرآن مجید۔

اسی مضمون کو قرآن نے تصریف کے اسلوب میں سورۃ المؤمن میں بھی بیان کر دیا ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ (المؤمن 40: 78)

''اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ (ﷺ) سے پہلے بہت سے رسول بھیجے، جن میں سے بعض کے حالات آپ (ﷺ) کو سنائے ہیں اور بعض کے حالات نہیں سنائے۔''

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾﴾ (النساء: 165)

فرمایا اللہ تعالیٰ کے تمام نبی اور رسول لوگوں کو ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے پر جنت کی خوش خبری دیتے تھے اور کفر و نافرمانی کرنے والوں کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے خبردار کرتے تھے تاکہ لوگوں پر اِتمام حجت ہو جائے اور وہ کوئی عذر نہ کر سکیں کہ ہمیں کوئی سمجھانے بتانے والا نہیں آیا تھا ورنہ ہم بھی صحیح اور سیدھی راہ اختیار کر لیتے۔

اسی مضمون کو سورہ طٰہٰ میں بھی بیان کیا گیا ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى﴾ (طٰہٰ 20: 134)

''اور اگر ہم اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے ان لوگوں کو کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے ''خدایا! تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل و خوار ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی پیروی کر لیتے۔''

سورۂ القصص میں بھی یہی مضمون آیا ہے:

﴿وَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (القصص: 47)

''اور کہیں ایسا نہ ہو جاتا کہ ان لوگوں کے برے اعمال کی وجہ سے ان پر کوئی آفت نازل ہو جاتی، اُس وقت یہ لوگ کہتے: اے ہمارے رب! تو نے کیوں ہمارے پاس کوئی رسول نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان والوں میں شامل ہوتے۔''

Marfat.com

پھر فرمایا، یہ انبیاء ورسل کی بعثت ودعوت اس لیے ہے کہ ان کو بھیجنے والا عزیز وحکیم ہے۔ وہ سب پر غالب ہے، کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اپنے ہر ارادے کو عملی جامہ پہنانے اور رُو بعمل لانے والا ہے اور وہ نہایت دانا اور حکیم ہستی ہے۔

یہی مضمون تصریف کے اسلوب میں بعض دوسرے مقامات پر بھی بیان ہوا ہے۔

سورۃ البقرہ میں ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۚ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۖ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ (البقرۃ 2: 213)

''ابتدا میں سب لوگ ایک ہی امت تھے، پھر جب انہوں نے اختلاف شروع کیا تو اللہ نے ان کی طرف نبی بھیجے جو لوگوں کو خوشخبری سناتے اور خبردار کرتے تھے۔ ان کے پاس اللہ کی نازل کی ہوئی برحق کتاب تھی تا کہ وہ ان باتوں کا فیصلہ کر دے جن میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔''

پھر یہی مضمون سورۃ الانعام میں دہرایا گیا:

﴿وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾ (الانعام 6 : 48)

''اور ہم پیغمبروں کو خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجتے ہیں۔ پھر جو لوگ ایمان لائیں اور اپنی اصلاح کر لیں، ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

اس کے علاوہ یہی مضمون سورۃ الکھف میں بھی موجود ہے:

﴿وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۚ وَ يُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَ اتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَ مَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝﴾ (الکھف 18 : 56)

''پیغمبروں کو ہم صرف خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجتے ہیں۔ مگر کافروں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی جھوٹی اور بے بنیاد باتوں کے ذریعے جھگڑا کر کے حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور انہوں نے میری آیتوں کو اور اس چیز کو جس سے ان کو خبردار کیا گیا ہے، مذاق بنا رکھا ہے۔''

﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝١٦٦﴾ (النسآء: 166)

یہ ان کفار ومشرکین اور اہل کتاب کو جواب دیا گیا جو قرآن کو اللہ تعالیٰ کی وحی اور کتاب نہیں مانتے تھے اور مطالبہ کرتے تھے کہ ان کو آسمان سے اُترتی ہوئی کوئی کتاب دکھائی جائے تو پھر اسے مانیں گے۔ فرمایا تم اگر اس قرآن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں مانتے ہو تو اس سے اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ یہ قرآن واقعی اللہ تعالیٰ

Marfat.com

طرف سے نازل ہوا ہے۔ جب کہ خود اللہ سبحانہ اس پر گواہ ہے کہ اسی نے اپنے خاص علم کے ساتھ اس قرآن کو نازل فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ ملائکہ یعنی الروح الامین جبرئیل علیہ السلام بھی شہادت دیتے ہیں کہ یہ قرآن منزل من اللہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی گواہی کے بعد اور کس کی گواہی کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کس کی بات سچی ہو سکتی ہے؟ اکیلے اللہ کی گواہی ہی اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ یہ قرآن اسی کا اتارا ہوا ہے۔ جیسا کہ سورۂ الانعام میں فرمایا:

﴿قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۟ؕ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۟ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (الانعام 6: 19)

"(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) ان سے کہہ دیجئے گواہی کے لیے سب سے بڑا معتبر گواہ کون ہے؟" پھر خود جواب دیجئے کہ اللہ! وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں مجھ پر یہ قرآن نازل ہوا ہے تا کہ میں اس کے ذریعے سے تمہیں خبردار کر دوں اور ان کو بھی جن تک یہ پہنچے۔"

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿١٦٨﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾

(النسآء: 167 -170)

"بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا، وہ بھٹک کر دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم ڈھائے۔ اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ اور نہ ان کو کوئی راستہ دکھائے گا، سوائے جہنم کے راستے کے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور اللہ کے لیے ایسا کرنا آسان ہے۔

اے لوگو! بے شک یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق بات لے کر آیا

Marfat.com

ہے، اس پر ایمان لاؤ تا کہ تمہارا بھلا ہو۔ لیکن اگر تم کفر اختیار کرو گے تو یاد رکھو! جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اللہ کا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

آیات کی تفسیر:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ۝۱۶۷﴾ (النساء: 167)

فرمایا، جن لوگوں نے کفر و انکار کی راہ اختیار کر لی اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں دین حق کے بارے میں شکوک وشبہات ڈالنے شروع کر دیئے تا کہ وہ بھی اسلام قبول نہ کریں تو ایسے لوگ کھلی گمراہی میں جا پڑے اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

ان لوگوں کا تعلق کفارِ مشرکین سے بھی تھا اور اہل کتاب سے بھی۔ مشرکین یہ کہتے تھے کہ اس نبی ﷺ پر جو کتاب بار بار نازل ہوتی رہتی ہے، وہ ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہیں ہو جاتی۔

﴿وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَۃً وَّاحِدَۃً ۚۛ کَذٰلِکَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ وَرَتَّلۡنٰہُ تَرۡتِیۡلًا ۝﴾ (الفرقان 25: 32)

"کافروں نے کہا: "اس شخص پر ایک ہی دفعہ پورا قرآن کیوں نہیں اتارا گیا؟" ایسا اس لیے تا کہ اس کے ذریعے ہم آپ ﷺ کے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اِس قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر نازل کیا ہے۔"

اسی طرح اہل کتاب بالخصوص یہود بھی گمراہ تھے اور وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کے لیے مختلف حیلے بہانے ڈھونڈتے رہتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ان کی توریت قیامت تک کے لیے ہے اور ان کی شریعت میں بھی کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے وہ صرف اسی کو مانتے ہیں اور اس کے سوا کسی اور کتاب و شریعت کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ سورۃ البقرہ میں ہے:

﴿وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا وَ یَکۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَہٗ ٭ وَ ہُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَہُمۡ ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِیَآءَ اللّٰہِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۝﴾ (البقرۃ 2: 91)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ "اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے اس پر ایمان لاؤ" تو کہتے ہیں "ہم صرف اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے ہاں نازل ہوئی تھی۔" اور وہ اس کے سوا کسی کتاب کو نہیں مانتے۔ حالانکہ یہ کتاب برحق ہے اور ان کی اپنی کتاب کی پیش گوئی کو سچ کر دکھانے والی ہے۔ (اے نبی ﷺ آپ ان سے پوچھیں "اگر تم واقعی ایمان والے ہو تو اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے ہو۔"

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ ظَلَمُوۡا لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَ لَا لِیَہۡدِیَہُمۡ طَرِیۡقًا ۝۱۶۸ اِلَّا طَرِیۡقَ جَہَنَّمَ

Marfat.com

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ (النساء: 168-169)

فرمایا جن لوگوں نے کفر وشرک اور ظلم وسرکشی کی راہ اختیار کر لی تو اگر انہوں نے مرنے سے پہلے توبہ نہ کر لی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو جہنم کا راستہ دکھائے گا۔ اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ ایسے لوگوں کو عذاب دینا اللہ قادر مطلق کے لیے کچھ مشکل نہیں بلکہ نہایت آسان ہے کہ وہ عدل وانصاف کے ساتھ ان لوگوں سے معاملہ کرے۔ جو لوگ کفر وظلم اور برے اعمال کرنے کے بعد بھی آخرت میں نجات کے طلب گار ہیں اور اپنے لیے جنت کی راہ تک رہے ہیں تو ان کا اللہ ہی حافظ ہے۔ انہی لوگوں کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

تَرْجُوا النَّجَاةَ وَلَمْ تَسْلُكْ مَسَالِكَهَا
اِنَّ السَّفِيْنَةَ لَا تَجْرِيْ عَلَى الْيَبَسِ

''تو نجات کا طلب گار ہے مگر اُس کی راہوں پر نہیں چلتا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ کشتی کبھی خشکی پر نہیں چلتی۔''

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ (النسآء: 170)

مشرکین اور اہل کتاب کے بعد اب تمام انسانوں کو خطاب کر کے یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کی بعثت ہو چکی، قرآن کا نزول ہو گیا اور دین حق...... اسلام بھی بالکل واضح اور ظاہر ہو چکا۔ لہٰذا سب لوگوں کی نجات کا دارومدار اب رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت پر ایمان لانے اور دین اسلام قبول کر لینے پر ہے۔ جو ایمان لائے گا وہ نجات پائے گا اور جو کفر کی راہ پر چلے گا وہ عذاب بھگتے گا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پروا نہیں۔ وہ تو ساری کائنات کا خالق و مالک اور ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔

صحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ.))

(صحیح مسلم، رقم: 386)

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اس امت کا کوئی شخص ایسا نہیں ہے، خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی، جو میری رسالت کی خبر سنے اور اُس پیغام کو جو میں لایا ہوں، نہ مانے اور پھر دوزخیوں میں شامل نہ ہو۔''

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص آخرت میں نجات نہیں پا سکے گا۔

Marfat.com

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا
الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ
اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ۟ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۫ وَ لَا
تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ
سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي
وقف لازم ۲۳ع۳ الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ ع لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ
يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَ مَنْ يَّسْتَنْكِفْ
عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ
يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا
فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ۬ وَّ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

(النسآء: 171-173)

"اے اہل کتاب! اپنے دین میں کمی بیشی نہ کرو۔ اللہ کے بارے میں حق بات کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) اللہ کے رسول ہیں اور اُس کا کلمہ ہے جسے اُس نے مریم کی طرف اِلقاء فرمایا: اور وہ اللہ کی جانب سے ایک روح ہیں۔ لہٰذا تم اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ یہ نہ کہو کہ تین (3) خدا ہیں۔ دیکھو، باز آجاؤ، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ معبود صرف اللہ ہے جو اس سے پاک ہے کہ اُس کی اولاد ہو۔ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سب کا کارساز ہونے کے لیے اللہ کافی ہے۔

Marfat.com

خود مسیح (علیہ السلام) کو اللہ کا بندہ بننے سے عار نہیں اور نہ مقرب فرشتوں کو اس سے عار ہے۔ جو اللہ کی بندگی میں تنگ و عار محسوس کرے اور تکبر کرے تو اللہ ضرور سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو اللہ انہیں اُن کی نیکیوں کا پورا صلہ دے گا۔ بلکہ اپنے فضل سے مزید بھی دے گا۔ مگر جن لوگوں نے اللہ کی بندگی کو اپنے لیے تنگ و عار سمجھا اور تکبر کیا تو وہ اُن کو دردناک عذاب دے گا، اور وہ اللہ کے مقابلے میں نہ کسی کو اپنا دوست پائیں گے اور نہ مددگار۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

لَا تَغْلُوْا: ......(نہ حد سے بڑھو) یہ غُلُوٌّ ہے جس کے معنی ہیں حد سے بڑھنا۔ کمی بیشی کرنا، افراط وتفریط کرنا، کسی چیز کا درجہ کم کر دینا یا بڑھا دینا، مبالغہ کرنا وغیرہ۔

کَلِمَتُهٗ: ......(اُس کا کلمہ) چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُنْ (ہو جا) سے پیدا ہوئے تھے اس لیے ان کو یہ نام دیا گیا۔

رُوْحٌ مِّنْهُ: ......اُس (اللہ) کی طرف سے ایک روح، مراد ہیں عیسیٰ علیہ السلام۔ یہی وجہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ بھی کہا جاتا ہے۔

يَسْتَنْكِفَ: ......(ن ک ف) وہ عار سمجھتا ہے یہ اِسْتَنْكَفَ يَسْتَنْكِفُ اِسْتِنْكَافٌ سے ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی بات کو عار سمجھنا۔ کسی بات کو حقیر سمجھ کر اُس کو نہ ماننا۔

﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڟ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ١٧١؁﴾ (النسآء: 171)

یہ اہل کتاب کو خطاب کر کے فرمایا کہ اپنے دین میں غلو نہ کرو، زیادتی نہ کرو، اُس میں افراط وتفریط نہ کرو، کمی بیشی نہ کرو اور بدعات پیدا نہ کرو۔ یہودیوں نے اپنے دین میں یہ غلو کیا کہ پوری توریت بدل ڈالی اور اللہ کے نبی عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا۔

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـــــُٔـوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ؀﴾

(التوبة 9: 30)

"یہودی کہتے ہیں عزیر (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ یہ سب اُن کے منہ کی باتیں ہیں۔ وہ اُن لوگوں کی باتوں کی نقل اور ریس کرتے ہیں جنہوں

Marfat.com

نے اُن سے پہلے کفر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں ہلاک کرے وہ کدھر بہکے چلے جا رہے ہیں۔''

عیسائیوں نے اپنے دین میں یہ غلو کیا کہ انہوں نے اپنے دین میں توحید کی بجائے تثلیث (Trinity) کا مشرکانہ عقیدہ ایجاد کرلیا۔ باپ، بیٹا روح القدس ...... تین خداؤں کو اپنا معبود بنا لیا جس کا ذکر اس آیت میں بھی ہے اور سورۃ المائدہ میں بھی ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّآ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ٥﴾ (المائدہ 5: 73)

''بے شک وہ لوگ کافر ہوگئے جنہوں نے یہ کہا کہ ''خدا تین میں سے ایک ہے'' حالانکہ سوائے ایک خدائے معبود کے اور کوئی معبود نہیں۔ اگر وہ باز نہ آئے اُس سے جو وہ کہتے ہیں تو ان میں سے کفر پر رہنے والوں کو دردناک عذاب پکڑ لے گا۔''

پھر اہل کتاب ہی سے فرمایا کہ اللہ کے بارے میں ہمیشہ حق بات کہو اور ناحق بات ہرگز نہ کرو۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں، وہ اُس کے رسول ہیں اور اُس کے کلمہ کُــــنْ (ہوجا) سے پیدا ہوئے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مریم علیہا السلام کی طرف اِلقاء کیا گیا اور وہ اللہ سبحانہٗ کی پیدا کی ہوئی ایک روح ہے۔ لہٰذا صرف ایک اللہ کو معبود مانو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں پر بلاتفریق ایمان لاؤ۔ ایسا نہ کرو کہ بعض انبیاء کو مانو اور بعض کا انکار کرو۔ تین خداؤں کو ماننے کی بجائے صرف ایک خدا کو معبود سمجھو۔ اسی توحید کے عقیدے کو اختیار کرنے میں تمہاری بھلائی ہے۔ اللہ سبحانہٗ اِس سے بلند، پاک اور ماوراء ہے کہ اُس کی کوئی اولاد ہو۔ وہ تو ساری کائنات کا مالک، سب کا کارساز اور مددگار ہے۔

کہا جاتا ہے کہ خلیفہ بنو عباس مامون الرشید کے دربار میں کسی مشہور عیسائی طبیب نے ایک مسلمان عالمِ دین سے کہا کہ تمہاری کتاب قرآن کے الفاظ ''رُوحٌ مِّنْهُ'' میں مِنْهُ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا جزو اور اُس کا بیٹا ہے اور اُس نے یہی آیت 171 پڑھ دی۔

اِس کے جواب میں اُس عالمِ دین نے سورۃ الجاثیہ کی یہ آیت پڑھی:

﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ﴾ (الجاثیہ 45: 13)

''اور اُسی (اللہ) نے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کو اپنی طرف سے تمہاری خدمت پر لگا دیا۔''

اور اس آیت کے الفاظ ''جَمِيعًا مِّنْهُ'' سے استدلال کیا کہ اگر مِنْهُ سے کسی شے کو اللہ کا جزو ثابت کیا جاسکتا ہے تو پھر اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوسکتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کا جزو، اس کا بیٹا یا بیٹی ہے۔

یہ جواب سن کر وہ عیسائی طبیب مسلمان ہوگیا اور مامون الرشید نے اُس عالم دین کو انعام عطا کیا۔

افسوس ہمارے ہاں کے بعض گمراہ لوگ بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ''نُورٌ مِّنْ نُورِ اللّٰهِ'' کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کا جزو ثابت کرنے پر بضد ہیں۔ فیا للعجب!

﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝﴾ (النسآء: 172)

فرمایا: خود مسیح یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں۔ اُن کو اللہ کا بیٹا بننے کا شوق نہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانا ہی پسند ہے۔

اسی طرح ملائکہ مقربین بھی اس بات سے کہ وہ سب اللہ سبحانہٗ کے ﴿عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ﴾ (الانبیاء 21: 26) یعنی معزز بندے ہیں، کوئی عار اور شرم محسوس نہیں کرتے۔

یاد رکھو! جو کوئی اللہ تعالیٰ کی بندگی سے تنگ و عار محسوس کرے گا اور تکبر کرے گا تو ایسے تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں جمع کرے گا، اُن سے اُن کے اعمال کا حساب لے گا اور اُن کے گناہوں اور جرائم پر اُن کو عذاب دے گا۔

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۝﴾ (النسآء: 173)

فرمایا: آخرت میں جب اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو جمع کر کے اُن سے حساب لے گا تو جو اہل ایمان ہوں گے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہوں گے تو رب تعالیٰ اُن کو پورا اجر و ثواب دے گا، اُن کو مزید فضل سے نوازے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔

مگر جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت میں عار محسوس کی، ہمیشہ تکبر کرتے رہے، اپنی خدائی کا دعویٰ کیا اور خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کی تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا۔ پھر اُس موقع پر ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑانے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار نہ ملے گا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ؕ

(النسآء: 174-175)

Marfat.com

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح اور قطعی دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف قرآن بھیجا ہے جو واضح روشنی ہے۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اسی کا سہارا پکڑا تو وہ اُن کو اپنے سایۂ رحمت میں لے لے گا، اُن پر اپنا فضل کرے گا اور اُن کو اپنے تک پہنچنے کی سیدھی راہ دکھائے گا۔''

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

بُرۡهَانٌ: ...... (ب رہ) دلیل، روشن دلیل۔ یہ قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

نُوۡرًا مُّبِيۡنًا: ...... (واضح نور، کھلی روشنی) اس جگہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا ۝﴾

(النسآء: 174)

اس آیت میں یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ (اے لوگو!) کا خطاب یہ ظاہر کرتا ہے کہ قرآن ایک عالمگیر کتابِ ہدایت ہے اور اس کی دعوت سارے جہان کے لیے ہے۔

فرمایا: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے قرآن نازل ہوا ہے جس کی ایک صفت اور خوبی یہ ہے کہ وہ ''برہان'' ہے۔ واضح اور قطعی دلیل ہے۔ اور اس کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ ''نورِ مبین'' (واضح روشنی) ہے۔

قرآن اس لیے برہان اور قطعی دلیل ہے کہ وہ فطری، عقلی، اور اعتقادی لحاظ سے قطعی حجت اور دلیل ہے۔ وہ ہر شبہے کا ازالہ اور ہر اعتراض اور سوال کا جواب ہے۔ وہ اپنی دلیل آپ ہے۔ ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب

(سورج کی دلیل خود سورج کا اپنا وجود ہے)

قرآن وہ نور ہے جس سے کفر و شرک اور گمراہی و جہالت کے اندھیرے دُور ہو جاتے ہیں اور علم و ہدایت کی روشنی پھیل جاتی ہے۔ جس سے حق و باطل میں، حلال و حرام میں اور جائز و ناجائز امور میں فرق و امتیاز ہو جاتا ہے۔ جس کے ذریعے زندگی کے ہر موڑ پر صحیح رہنمائی ملتی ہے۔ انسانی زندگی کے تمام مسائل حل ہوتے ہیں اور منزلِ مقصود کا نشان مل جاتا ہے۔

قرآن نے اپنی صفتِ نور کو تصریف کے اسلوب میں کئی اور مقامات پر بھی بیان کیا ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں ہے کہ:

﴿وَ كَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ﴾ (الشوریٰ 42: 52)

''اسی طرح اے نبی (ﷺ) ہم نے اپنی طرف سے آپ (ﷺ) کے پاس وحی بھیجی۔ ورنہ اس سے پہلے آپ (ﷺ) کتاب اور ایمان سے ناواقف تھے۔ لیکن ہم نے اِس قرآن کو نور بنایا جس

Marfat.com

سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں۔''

اسی طرح سورۃ الاعراف میں بھی قرآن کو نور کہا گیا ہے:

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الاعراف 7: 157)

''پھر جو لوگ اُس (نبی ﷺ) پر ایمان لائے، جنھوں نے اُس کی عزت کی، اس کی مدد کی، اور اُس نور کی پیروی کی جو اُس پر نازل کیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۱۷۵﴾ (النسآء: 175)

فرمایا: پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ پر صحیح اور سچا ایمان لائیں گے اور قرآن کی تعلیمات پر درست طریقے سے عمل کریں گے تو اللہ سبحانہٗ ایسے لوگوں کو اپنی رحمت اور اپنے فضل سے نوازے گا۔ اُن کو دنیا میں اطمینانِ قلب نصیب ہوگا اور آخرت میں وہ جنت کا عیش و آرام پائیں گے۔ اللہ اُن کو صراطِ مستقیم کی ایسی شاہراہ پر چلائے گا جو اُن کو قربِ الٰہی کی منزلِ مقصود تک پہنچا دے گی۔ کیونکہ بقول عارفِ رومیؒ ''منزل ما کبریاست'' (ہماری منزل ربِّ کبریا کا قرب ہے۔)

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَ هُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَ اِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۷۶ ع

(النسآء: 176)

''(اے نبی ﷺ!) لوگ آپ (ﷺ) سے ''کلالہ'' کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ (ﷺ) اُن سے کہہ دیں اللہ تمھیں ''کلالہ'' کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اُس کی کوئی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اسے کل ترکے کا آدھا 1/2 حصہ ملے گا۔ اور وہ مرد اس بہن کے مرنے کی صورت میں اس کے سارے مال کا وارث ہوگا، بشرطیکہ اس بہن کی کوئی اولاد نہ ہو۔ پھر اگر ''کلالہ'' کی دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو اُن کو اُس کے ترکے کا دو تہائی ۲/۳ حصہ ملے گا۔ اور اگر

Marfat.com

کئی بہن بھائی اور مرد عورتیں ہوں تو ایک مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ اللہ تمہارے لیے اپنے احکام وضاحت سے بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہی میں نہ پڑ جاؤ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔"

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی تفسیر:

اِمْرُؤٌ: ......آدمی، شخص، مرد۔ اس کی مونث ہے اِمْرَءَۃٌ (عورت)۔

اَلثُّلُثٰنِ: ......دو تہائی، دو تہائی حصہ، ۲/۳۔

﴿ یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ یَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴾ (النسآء: 176)

کلالہ کے ترکے اور وراثت کے بارے میں اسی سورۃ النساء کی آیت 12 میں تفصیل آ چکی ہے۔ کلالہ سے مراد وہ میت ہے جس کے نہ اُصول میں سے کوئی موجود ہو یعنی نہ اُس کے والدین ہوں نہ دادا، دادی۔ اور نہ اُس کے فروع میں سے کوئی موجود ہو، یعنی اُس کی اولاد اور پوتے پوتیاں نہ ہوں۔ البتہ اُس کے بہن بھائی موجود ہوں۔ پھر کلالہ مرد بھی ہوسکتا ہے۔ اور عورت بھی ہوسکتی ہے۔

اسی سورۃ النساء کی آیت 12 میں کلالہ کے جن بہن بھائیوں کا ذکر تھا ان کے بارے میں صحابہ کرام کا اتفاق اور اجماعِ امت ہے کہ ان سے مراد صرف اخیافی بہن بھائی ہیں جن کی ماں ایک ہوتی ہے اور باپ الگ الگ ہوتے ہیں۔ ترکے میں ان کے حصوں کی تقسیم گزر چکی ہے۔

اب اس آیت 176 میں کلالہ کے جن بہن بھائیوں کا ذکر ہے وہ یا تو حقیقی سگے بہن بھائی ہوسکتے ہیں یا علاتی ہوسکتے ہیں یعنی وہ سوتیلے بہن بھائی جن کا باپ ایک ہو اور مائیں الگ الگ ہوں۔ یا پھر حقیقی اور علاتی دونوں جمع ہوسکتے ہیں۔

پہلی صورت میں جبکہ کلالہ کے وارث صرف اُس کے حقیقی یا سگے بہن بھائی ہوں تو وہ میت کی اولاد کے قائم مقام ہو جاتے ہیں اور ان میں سے ہر مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ مل جائے گا۔

دوسری صورت میں جبکہ کلالہ کے وارث صرف اُس کے علاتی بہن بھائی ہوں جن کا باپ ایک ہے اور مائیں الگ الگ ہیں۔ تو ان میں وراثت کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ:

1۔ اگر صرف ایک ہی بہن ہے تو اسے آدھا ترکہ ملے گا۔

2۔ اگر صرف ایک ہی بھائی ہے تو اسے سارا ترکہ مل جائے گا۔

3۔ اگر صرف دو بہنیں ہوں (یا دو سے زیادہ ہوں) تو ان کو کل ترکے کا ۲/۳ ملے گا۔

Marfat.com

4۔ اگر بہن بھائی موجود ہوں تو ان میں سے ہر عورت کو ایک حصہ اور مرد کو دو حصے ملیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علاتی بہن بھائیوں میں حقیقی اولاد ہی کی طرح وراثت کی تقسیم ہوتی ہے۔

تیسری صورت میں جبکہ سوتیلے بہن بھائیوں کے ساتھ حقیقی بہن بھائی بھی موجود ہوں تو سوتیلے بہن بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا اور وہ وراثت سے محروم رہیں گے۔ ساری وراثت حقیقی بہن بھائیوں میں تقسیم ہو جائے گی۔

آخر میں فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں تقسیم وراثت کے تمام پہلوؤں کو اس لیے واضح کر دیا ہے تاکہ تم لوگ اِس بارے میں بھٹکنے سے بچ جاؤ۔ کیونکہ انسانی عقل اس مسئلے کو حل کرنے سے قاصر تھی۔ صرف اللہ تعالیٰ جو کہ علیم (علم والا) ہے وہی اس سلسلے میں تمہاری صحیح رہنمائی کرسکتا تھا اور اُس نے تمہارے اُس سوال کے جواب میں جو تم نے نبی ﷺ سے کیا تھا، تم کو ایک مکمل قانونِ میراث (Law of Inheritance) عطا کر دیا ہے جس کی مثال تاریخِ انسانی میں کہیں موجود نہیں۔

❀❀❀❀❀

Marfat.com

فہرست مضامین تفسیر البلاغ

(سورۂ آل عمران اور سورۂ النساء)

۱۔ تفسیر آل عمران (3)

- سورت کا تعارف ---------- 3
- سورت کے فضائل ---------- 3
- محکمات اور متشابہات ---------- 10
- غزوۂ بدر کا واقعہ ---------- 16
- مرغوباتِ نفس یا انسانی خواہشات ---------- 19
- دیدارِ الٰہی ---------- 21
- متقین کی چند صفات ---------- 22
- صرف اللہ ہی معبود ہے جو انصاف پر قائم ہے ---------- 25
- یہودیوں کے جرائم ---------- 28
- یہودیوں کا غرورِ باطل ---------- 30
- اللہ تعالیٰ کی چند صفات کا ذکر ---------- 32
- مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں ---------- 36
- "مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ" کے معنی ---------- 36
- اللہ سے محبت کا معیار اطاعتِ رسول ﷺ ہے ---------- 39
- عمران ایک نہیں دو ہیں ---------- 41
- حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ ---------- 45
- زکریا علیہ السلام کی دعا ---------- 49
- یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت ---------- 50
- سیدہ مریم علیہا السلام کا مزید واقعہ ---------- 53

Marfat.com

۞ کامل ترین خواتین کون ہیں؟ ---------- 53
۞ حضرت محمد ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں ---------- 56
۞ عیسیٰ علیہ السلام اور آدم علیہ السلام میں مشابہت ---------- 71
۞ وفد نجران اور مباہلہ ---------- 72
۞ اہل کتاب کو اسلام کی دعوت ---------- 75
۞ سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی نہ تھے ---------- 78
۞ علمائے اہل کتاب کا کتمانِ حق ---------- 81
۞ دین اسلام کے خلاف یہودیوں کی ایک چال ---------- 82
۞ قرآن کا عدل و انصاف ---------- 85
۞ منافق کی چار نشانیاں ---------- 85
۞ میثاق انبیاء سے کیا مراد ہے؟ ---------- 93
۞ اسلام کے سوا کوئی اور دین مقبول نہیں ---------- 94
۞ نیکی کا اعلیٰ معیار ---------- 101
۞ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا عظیم صدقہ ---------- 102
۞ اہل کتاب کے اعتراضات کے جوابات ---------- 103
۞ خانہ کعبہ قدیم ترین عبادت گاہ ہے ---------- 107
۞ 'مقام ابراہیم' کیا ہے ---------- 108
۞ حرمِ کعبہ کے بارے میں چند احکام ---------- 109
۞ عمرہ اور حج کے مناسک و افعال ---------- 112
۞ یہودیوں کا اوس اور خزرج کے درمیان لڑائی کرانا ---------- 115
۞ تقویٰ کی تاکید ---------- 117
۞ حَبْلُ اللّٰهِ (اللہ کی رسّی) سے کیا مراد ہے؟ ---------- 118
۞ دین میں تفرقہ بازی اور اُس کا انجام ---------- 118
۞ مسلمانوں کا اجتماعی نظم اور سمع و طاعت ---------- 119
۞ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والی جماعت ---------- 122
۞ امتِ مسلمہ کی امتیازی خصوصیت ---------- 128

Marfat.com

- غیر مسلموں کو اپنا راز دار نہ بنایا جائے ---------- 138
- غزوۂ اُحد کا تفصیلی ذکر ---------- 143
- سود دُگنا چوگنا کر کے نہ کھاؤ ---------- 149
- متقین کے چند اوصاف ---------- 150
- غزوۂ اُحد پر تبصرہ ---------- 154
- اہل ایمان کی ایک دعا ---------- 164
- غزوۂ حمراء الاسد ---------- 166
- نبی ﷺ کا اعلیٰ اخلاق ---------- 175
- کوئی نبی خیانت نہیں کرتا ---------- 178
- نبی ﷺ کی بعثت کے فرائض ---------- 181
- منافقین کے کردار پر تنقید ---------- 184
- تمام پیغمبروں کو جھٹلایا گیا ---------- 199
- ''ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے'' کی وضاحت ---------- 200
- کائنات پر غور و فکر ---------- 208
- اہل کتاب کے اچھے علماء کی تحسین ---------- 217
- اہل ایمان کے لیے جامع ہدایات ---------- 217

۲۔ تفسیر سورہ النساء (4)

- ''خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا'' کا مطلب ---------- 222
- حدیث: فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جگر کا ٹکڑا ہے ---------- 223
- ایک حذف کی بلاغت ---------- 223
- صلۂ رحمی ---------- 224
- یتیموں کے حقوق ---------- 227
- سات مہلک کبیرہ گناہ ---------- 227
- مرد کو چار بیویوں تک کی اجازت ---------- 228
- وراثت میں وارثوں کے حصے ---------- 236
- وصیت کے احکام ---------- 238

Marfat.com

- احکامِ میراث کے چند بنیادی اصول ---------- 238
- یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ ---------- 239
- جرمِ زنا پر سزا کا عارضی حکم ---------- 244
- توبہ کی حقیقت ---------- 247
- توبہ کے بارے میں چند احادیث ---------- 247
- جاہلیت کی ایک رسم کا خاتمہ ---------- 249
- محرماتِ نکاح ---------- 253
- متعہ حرام ہے ---------- 258
- لونڈیوں سے نکاح ---------- 259
- لونڈی کے جرمِ زنا کی سزا ---------- 260
- ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ---------- 264
- کبیرہ گناہوں سے بچنے پر صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں ---------- 266
- مرد اور عورت کا دائرہ کار الگ الگ ہے ---------- 268
- مرد عورتوں کے سربراہ ہیں ---------- 271
- 'مساواتِ مرد وزن' کا نظریہ غیر اسلامی ہے ---------- 272
- حقوق اللہ اور حقوق العباد ---------- 276
- ایک نیکی کا ثواب کئی گنا ہے ---------- 277
- آیت 41 سن کر نبی ﷺ کا آنسو بہانا ---------- 279
- نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو ---------- 282
- تیمّم کا حکم ---------- 283
- یہودیوں کی نافرمانیاں ---------- 285
- یہود کو ایمان لانے کی دعوت ---------- 287
- شرک ناقابل معافی گناہ ہے ---------- 290
- اہل کفر کے لیے عذاب ---------- 295
- اہل ایمان کے لیے جنت کی نعمتیں ---------- 295
- امانت داروں کو اُن کی امانت پہنچاؤ ---------- 297

Marfat.com

- آیت 58 کا شانِ نزول ---------- 298
- اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی غیر مشروط اطاعت ---------- 299
- اولی الامر کی مشروط اطاعت ---------- 300
- منافقین کا کردار ---------- 302
- ہر پیغمبر واجب الاطاعت ہوتا ہے ---------- 304
- انعام یافتہ گروہ ---------- 307
- جہاد کا حکم ---------- 310
- موت سے کوئی نہیں بچ سکتا ---------- 316
- قرآن پر تدبر کرنا ضروری ہے ---------- 320
- ہر خبر اور معاملے کی تحقیق کی جائے ---------- 322
- نیک کام کی سفارش کرنا بھی نیکی ہے ---------- 325
- سلام کرنے کے آداب ---------- 326
- منافقین سے کیسا سلوک کیا جائے؟ ---------- 329
- قتل خطا کے احکام ---------- 332
- قتل عمد پر سخت وعید ---------- 333
- کلمہ گو کو قتل نہ کرو ---------- 334
- مجاہدین کا درجہ ---------- 337
- جہاد سے متعلق ایک جھوٹی حدیث ---------- 338
- ہجرت کی اصطلاح کا مفہوم ---------- 340
- نماز قصر کا حکم ---------- 344
- نماز خوف کا حکم ---------- 344
- نماز کی فرضیت ---------- 345
- آیات 105 تا 108 کا شانِ نزول ---------- 351
- رسول اللہ ﷺ کے چھ (6) خصائص ---------- 354
- نجویٰ یعنی سرگوشی کے بارے میں حکم ---------- 355
- شرک کا گناہ معاف نہ ہوگا ---------- 358

Marfat.com

❁ شیطان کی چالیں ---------------- 359
❁ نجات کا دارومدار ''امانی'' یعنی جھوٹی تمناؤں پر نہیں ---------------- 363
❁ سیدنا ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں ---------------- 364
❁ عورتوں، یتیموں اور کمزوروں کے بارے میں احکام ---------------- 367
❁ ایک جامع صحیح حدیث ---------------- 374
❁ سچی گواہی دینے کا حکم ---------------- 379
❁ اہل ایمان کو ایمان کی دعوت ---------------- 380
❁ دین کا مذاق اُڑانے والوں کے پاس نہ بیٹھو ---------------- 385
❁ منافقین کا برا کردار اور اُن کی نشانیاں ---------------- 388
❁ کفار کی اطاعت نہ کرو ---------------- 390
❁ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے ---------------- 394
❁ ایمان سے پہلے شکر کے ذکر میں حکمت ---------------- 396
❁ مظلوم کو ظالم کے خلاف آواز اٹھانے اور احتجاج کا حق ---------------- 397
❁ دوسروں پر رحم کرنے کے بارے میں صحیح حدیث ---------------- 398
❁ کافروں کی دو اقسام ---------------- 399
❁ تفریق بین الرسل یعنی بعض رسولوں کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا کفر ہے ---------------- 399
❁ یہود کا ایک فضول مطالبہ ---------------- 403
❁ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے تھے ---------------- 405
❁ اس بارے میں اصل واقعہ ---------------- 405
❁ نزولِ مسیح علیہ السلام ...... قرب قیامت کی ایک نشانی ---------------- 406
❁ یہودیوں کو سود کھانے کی ممانعت تھی ---------------- 409
❁ قرآن میں تمام نبیوں کا ذکر نہیں کیا گیا ---------------- 412
❁ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں ---------------- 418
❁ عیسائیوں کو توحید کی دعوت ---------------- 421
❁ قرآن برہان اور نور ہے ---------------- 423
❁ کلالہ کی میراث کا حکم ---------------- 425
❁ فہرست مضامین ---------------- 427

Marfat.com

هٰذا بلٰغٌ للنّاس

تفسیر البلاغ

جلد: دوم

مولانا محمد رفیق حفظہ اللہ تعالٰی

مکتبہ قرآنیات۔ لاہور

Marfat.com